ہفت روزہ
نِدائے خلافت
لاہور
۲۶ جون ۲۰۰۲ء

اشاعت خصوصی
فلسطین نمبر

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر: حافظ عاکف سعید

تنازعۂ فلسطین کا تاریخی پس منظر موجودہ سنگین صورتحال اور فلسطین کا مستقبل؟

ارض فلسطین میں صیہونی پیش قدمی: سال بسال، عہد بہ عہد

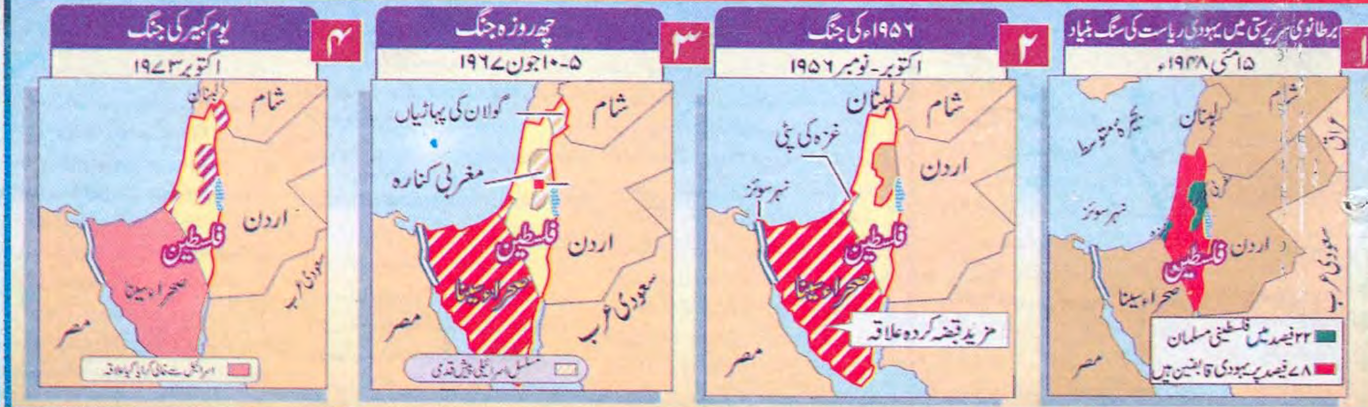

خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریک خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ لاہور

ندائے خلافت

جلد 11 شمارہ 24

20 تا 26 جون 2002ء

(8 تا 14 ربیع الثانی 1423ھ)

بانی: اقتدار احمد مرحوم

مدیر: حافظ عاکف سعید

نائب مدیر: فرقان دانش خان

معاونین: مرزا ایوب بیگ، سردار اعوان

محمد یونس جنجوعہ

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: اسعد احمد مختار، طابع: رشید احمد چوہدری

مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور

مقام اشاعت: 36-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور

فون: 03-5869501 فیکس: 5834000

E-Mail:anjuman@tanzeem.org

Website:www.tanzeem.org

خصوصی شمارہ کی قیمت : 35 روپے

سالانہ زرِ تعاون

اندرونِ ملک......250 روپے

بیرون پاکستان

☆یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ

.........1500 روپے

☆امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ

.........2200 روپے

فہرست مضامین

عنوان — صفحہ نمبر

بنی اسرائیل: قرآن کی نگاہ میں ______ 2
اداریہ ______ حافظ عاکف سعید ______ 3
مشرق وسطیٰ کا آتش فشاں ____ ڈاکٹر اسرار احمد، امیر تنظیم اسلامی ____ 4
بنی اسرائیل کی تاریخ ______ 5
حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ بنی اسرائیل کی بے سلوکی۔ حضرت یعقوبؑ: بنی اسرائیل کے بانی۔ حضرت یوسفؑ پر کیا گزری؟ مصر سے بنی اسرائیل کی ہجرت۔ حضرت موسیٰؑ کی وصیت۔ حضرت یوشع بن نون۔ بنی اسرائیل کا پہلا بادشاہ۔ حضرت داؤدؑ اور یہود۔ حضرت سلیمانؑ اور یہود۔ یروشلم پر سترہ حملے۔ یونانی تہذیب کا تسلط۔ مکابی تحریک
یہود، حضرت عیسیٰؑ اور عیسائیت ______ 23
یہود ظہورِ اسلام تک ______ 25
رسولِ کریمؐ سے یہود کا رویہ ______ 27
غزوہ بدر اور یہودی۔ بنی قینقاع کی شرارت۔ بنی نضیر کی ہٹ دھرمی۔ بنی قریظہ کی غداری۔ خیبر کے یہودی
مسلم ممالک اور یہود کا رویہ ______ 31
ہسپانیہ میں یہود۔ مصر کے یہودی۔ آنحضورؐ کے روضۂ اقدس پر حملہ
یہود اور عیسائی ایک دوسرے کے دشمن ______ 34
فرانس کے واقعات۔ جرمنی کے واقعات۔ برطانیہ کے واقعات۔ تحریکِ اصلاح اور یہود۔ جرمنوں کا سلوک۔ ترکی میں یہودی کی آمد۔
جمہوریت، اشتراکیت اور یہودی ______ 37
صہیونیت کی تحریک ______ 40
ترکی اور عرب قوم پرستی کا تصادم۔ اعلان بالفور۔ آخری صلیبی جنگ۔ برطانوی انتداب۔ جنگِ عظیم دوم
صہیونی تحریک اور مسلمانانِ پاک و ہند ______ 49
یہود کی قومی ریاست اسرائیل کا قیام ______ 54
تقسیم فلسطین کی قرارداد۔ ۱۹۴۸ء کی عرب اسرائیل جنگ۔ ۱۹۵۶ء کی جنگ سوئز۔ ۱۹۵۶ء تا ۱۹۶۷ء۔ عربوں کی حالت زار۔ تنظیم آزادیٔ فلسطین۔ یاسر عرفات۔ جنگِ جون ۱۹۶۷ء۔ عربوں کی شکست کے اسباب۔ ۱۹۶۹ء تا ۱۹۸۲ء۔ ۱۹۷۳ء کی جنگِ رمضان۔ ۱۹۸۳ء تا ۱۹۹۹ء۔ ۲۰۰۰ء کا سلسلہ واقعات۔ ۲۰۰۱ء کا سلسلۂ واقعات۔ ٹریڈ سنٹر کی ہلاکت کے بعد سے لے کر ۱۳ جون ۲۰۰۲ء تک کے واقعات۔
عظیم تر اسرائیل کا خفیہ منصوبہ ______ 78
اسرائیل کا مستقبل: موجودہ حالات کے تناظر میں ______ 82
خلیج کی جنگ: جنگوں کی ماں ____ ڈاکٹر اسرار احمد ____ 88
فرہنگ اصطلاحات ______ 90

بنی اسرائیل ـــــ قرآن کی نگاہ میں

اے بنی اسرائیل؛ یاد کرو میری اس نعمت کو جس سے میں نے تمہیں نوازا تھا اور اس بات کو کہ میں نے تمہیں دنیا کی ساری قوموں پر فضیلت عطا کی تھی۔ (سورۃ البقرہ، آیت ۴۷)

ان پر (یعنی بنی اسرائیل پر) ذلت و خواری اور پستی و بدحالی مسلط کر دی گئی اور وہ اللہ کے غضب میں گھر گئے، یہ نتیجہ تھا اس بات کا کہ وہ اللہ کی آیات کا کفر کرنے لگے! اور پیغمبروں کو ناحق قتل کرنے لگے۔ یہ نتیجہ تھا ان کی نافرمانیوں کا اور اس بات کا کہ وہ حدود شرع سے نکل نکل جاتے تھے۔ (سورۃ البقرہ، آیت ۶۱)

''اور اب جو ایک کتاب (قرآن حکیم) اللہ کی طرف سے ان کے پاس آئی ہے، (ان کے ساتھ بنی اسرائیل کا کیا برتاؤ ہے؟) باوجودیکہ وہ اس کتاب کی تصدیق کرتی ہے جو ان کے پاس پہلے سے موجود تھی (یعنی تورات)، باوجودیکہ اس کی آمد سے پہلے وہ خود کفار کے مقابلے میں فتح و نصرت کی دعائیں مانگا کرتے تھے، مگر جب وہ چیز آ گئی، جسے وہ پہچان بھی گئے تو انہوں نے اسے ماننے سے انکار کر دیا۔ خدا کی لعنت ان منکرین پر۔ کیسا برا ذریعہ ہے جس سے یہ اپنے نفس کی تسلی حاصل کرتے ہیں کہ جو ہدایت اللہ نے نازل کی ہے، اس کو قبول کرنے سے صرف اس ضد کی بنا پر انکار کر رہے ہیں کہ اللہ نے اپنے فضل (وحی و رسالت) سے اپنے جس بندے کو خود چاہا، نواز دیا۔ لہٰذا اب یہ غضب بالائے غضب کے مستحق ہو گئے ہیں، اور ایسے کافروں کے لئے سخت ذلت آمیز سزا مقرر ہے۔''
(سورۃ البقرہ، آیت ۸۹۔۹۰، ترجمہ از تفہیم القرآن)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بنی اسرائیل کو وصیت

''اگر تُو خدا کی بات سن کر اس اثر کے سب احکامات پر عمل نہ کرے گا تو یہ سب لعنتیں تجھ پر ہوں گی اور تجھ کو لگیں گی۔ شہر میں بھی تُو لعنتی ہو گا اور کھیت میں بھی لعنتی۔ وبا تجھ سے لپٹی رہے گی۔ آسمان جو تیرے سر پر ہے پیتل کا، اور زمین جو تیرے نیچے ہے، لوہے کی ہو جائے گی۔ خدا تجھے تیرے دشمنوں کے سامنے زیر کرے گا، زبردست شکست دلائے گا۔ عورت سے منگنی تو تُو کرے گا، مگر اس سے مباشرت دوسرا کرے گا۔ تُو گھر بنائے گا، مگر اس میں بس نہ پائے گا۔ تُو تاکستان لگائے گا، لیکن اس کا پھل نہ کھا سکے گا۔ تیرا بیل تیرے سامنے ذبح کیا جائے گا۔ تُو بھوکا پیاسا، ننگا اور سب چیزوں کا محتاج ہو کر اپنے ان دشمنوں کی خدمت پر مجبور ہو جائے گا، جن کو خدا تیرے خلاف بھیجے گا اور غنیم جو تیری گردن پر جو لوہے کا جوا رکھے گا جب تک وہ تیرا ستیاناس نہ کر دے۔ خدا تجھ کو زمین کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک تمام قوموں پر پراگندہ کرے گا۔'' (بائبل: کتاب استثناء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اداریہ

حافظ عاکف سعید

فلسطین ـــــ مسلمانوں کے خون سے رنگین ارضِ مقدس

تنازعہ فلسطین جسے عرب اسرائیل تنازعہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا' نہایت خوفناک مرحلے میں داخل ہو چکا ہے۔ پوری دنیا کی نگاہیں آج مشرقِ وسطیٰ پر مرکوز ہیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ پوری دنیا کا مستقبل اسی فلسطین ایشو کے ساتھ وابستہ ہے ـــ اس لئے کہ ظالم و غاصب اسرائیلی یہودیوں کی پشت پر امریکہ اپنے تمام طاقتور حلیفوں کے ساتھ موجود ہے۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے گٹھ جوڑ پر مشتمل یہ عالمی قوتیں آج اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کے درپے ہیں' جبکہ عربوں کی پشت پر پورا عالم اسلام اپنے جہادی طبقات سمیت موجود ہے جن کے نزدیک بیت المقدس کی حرمت کا معاملہ زندگی اور موت کے مسئلہ سے کم اہم نہیں۔ گویا یہ تنازعہ اگر مزید آگے بڑھا تو اس کے نتیجے میں جنم لینے والے عرب اسرائیل تصادم کے مہیب شعلے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گے۔

فلسطین کی مقدس سرزمین آج بے گناہ مسلمانوں کے خون سے رنگین ہے۔ وہاں خونِ مسلم کی ارزانی اپنی آخری حدوں کو چھو رہی ہے۔ اسرائیل کی غنڈہ گردی' سینہ زوری اور فلسطینی مسلمانوں پر اسرائیل کا جبر و تشدد اور وحشیانہ ظلم و ستم تمام حدود کو پھلانگ چکا ہے۔ فلسطینی مسلمانوں کو اس درجے دیوار کے ساتھ لگا دیا گیا ہے کہ دنیا کے سامنے اپنا احتجاج رجسٹر کروانے کا اس کے سوا اور کوئی ذریعہ ان کے پاس باقی نہیں رہا کہ وہ فدائی حملوں کی صورت میں اپنی زندگی کے چراغ کو خود اپنے ہاتھوں گل کر دیں۔ یہ مظلومیت اور ستم رسیدگی کی انتہا ہے۔ عالمی ضمیر اس درجے مسخ ہو چکا ہے کہ امریکہ سمیت تمام عالمی طاقتیں ظالم و غاصب اسرائیلیوں' کا ہاتھ روکنے کی بجائے مظلوم فلسطینی مسلمانوں کو دوش دیتی اور موردِ الزام ٹھہراتی ہیں۔ بربریت و سفاکیت میں چنگیز خان کو مات دینے والے اسرائیلی وزیراعظم ایریل شیرون کو مطعون کرنے کی بجائے امریکہ کی جانب سے اسے Man of Peace (بندۂ امن) کا خطاب دیا جاتا ہے۔ ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے!

لیکن دوسری طرف اس تنازعہ کا کوئی ممکنہ حل بھی نظر نہیں آتا۔ سابق امریکی صدر بل کلنٹن نے اپنے دورِ اقتدار میں مصالحت کے لئے سرتوڑ کوشش کی لیکن انہیں کامیابی نہ مل سکی۔ یہ امر واقعہ ہے کہ امریکہ کی وفاقی حکومت ہو یا امریکی صدر' دونوں اپنی رگِ جاں کو پنجۂ یہود سے نہیں چھڑا سکتے۔ اسرائیلی مفادات کے خلاف سٹینڈ لینا ان کے لئے ممکن ہی نہیں ہے۔ جبکہ فلسطینی مسلمان بھی اپنے مقدس ترین مقامات یعنی مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرہ سے دستبردار ہونے کے لئے کسی طور تیار نہیں۔

یہ بات اگرچہ تاریخی طور پر درست ہے کہ ارضِ فلسطین یہودیوں کا آبائی وطن ہے لیکن یہ بھی امر واقعہ ہے کہ ۷۰ عیسوی میں رومی جرنیل ٹائٹس کے حملہ کے بعد سے لے کر بیسویں صدی کے وسط تک' قریباً لگاتار ۱۹۰۰ برس تک وہ فلسطین سے بے دخل رہے۔ واضح رہے کہ یہ مسلمانوں کی وسعت قلبی کا مظہر تھا کہ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں یروشلم کی فتح کے بعد یہودیوں کو اس بات کی اجازت دی گئی کہ وہ اپنی مقدس سرزمین کی زیارت کر سکیں' ورنہ عیسائیوں کے دورِ حکومت میں انہیں وہاں قدم تک رکھنے کی اجازت نہیں تھی۔ لیکن گزشتہ صدی کے وسط میں یہودیوں نے جس عیاری کے ساتھ فلسطین پر قبضہ کر کے وہاں صدیوں سے مقیم عرب مسلمانوں کو بے دخل کیا ہے اور اب اپنے غاصبانہ قبضے کو برقرار رکھنے کی خاطر وہ جس وحشیانہ انداز میں فلسطینی مسلمانوں کی نسل کشی اور انہیں نیست و نابود کرنے پر تلے ہوئے ہیں' اسے بجا طور پر تاریخِ انسانی کے سیاہ ترین باب کے طور پر یاد رکھا جائے گا۔ ارضِ فلسطین پر یہودیوں کا حق جتانا عدل و انصاف کے مسلمہ اصولوں کا خون کرنے کے مترادف ہے۔ حکیم الامت اور ترجمانِ ملت علامہ اقبال نے پون صدی قبل یہ حکیمانہ فیصلہ سنا دیا تھا کہ ؎

ہے خاکِ فلسطیں پہ یہودی کا اگر حق
ہسپانیہ پر حق نہیں کیوں اہلِ عرب کا

لیکن امریکہ اور دیگر عالمی طاقتیں چونکہ بے انصافی پر تلی ہوئی ہیں لہٰذا یہ تنازعہ بظاہر احوال حل ہوتا نظر نہیں آتا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج پوری دنیا ایک خوفناک عالمگیر جنگ کے دہانے پر کھڑی ہے۔ اللھم اعذنا من ذالک

☆ ☆ ☆

ندائے خلافت کا ''فلسطین نمبر'' پیشِ خدمت ہے۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ تنازعہ فلسطین کی مکمل داستان بیک نظر قارئین کے سامنے آ جائے۔ ماضی بعید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور سے شروع ہونے والی تاریخ بنی اسرائیل سے لے کر ماضی قریب میں ریاست اسرائیل کے قیام تک پیش آمدہ واقعات کا اجمالی جائزہ بھی شاملِ اشاعت کر دیا گیا ہے اور پھر قیام اسرائیل سے لے کر آج تک کے حالات و واقعات اور عرب اسرائیل تنازعہ کے اہم سنگ ہائے میل کی تفصیل جس نے گزشتہ چند برسوں کے دوران خوفناک آتش فشاں کی صورت اختیار کر لی ہے' بھی ہدیۂ قارئین کر دی گئی ہے۔ مزید برآں اقبال کے اس شعر کے مصداق کہ ؎

کھول کر آنکھیں مرے آئینۂ افکار میں
آنے والے دور کی دھندلی سی اک تصویر دیکھ!

مستقبل قریب میں مشرق وسطیٰ کے میدانوں اور ریگزاروں میں لڑی جانے والی تیسری عالمگیر جنگ کی اجمالی جھلک اور اس کے نتیجے میں واقع ہونے والی ہولناک تباہی کی وہ تفصیلات جو صحیح احادیث میں وارد ہوئی ہیں' اور بنی اسرائیلیوں کے آخری انجام ہلاکت اور عالمی غلبہ اسلام کی نوید پر مشتمل اشارات بھی قارئین کے غور و فکر کے لئے شاملِ اشاعت کر دیئے گئے ہیں ـــــ یہودیوں کے ظلم و ستم کا نشانہ بننے والے مسلمانانِ فلسطین کے ساتھ اظہارِ ہمدردی و غمگساری کے طور پر لکھی گئی وہ بے شمار پُراثر اور دردانگیز نظمیں بھی زیرِ نظر شمارے کی زینت بنا دی گئی ہیں جو اس امر کا واضح ثبوت فراہم کرتی ہیں کہ برعظیم پاک و ہند کے مسلمانوں کا معاملہ فی الواقع یہی ہے کہ ؎

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے!

زیرِ نظر شمارے کی تیاری میں ہمیں سید قاسم محمود صاحب کا خصوصی تعاون حاصل رہا جو اپنی علم دوستی اور محققانہ مزاج کے حوالے سے ملک میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ ان کا خصوصی شکریہ ادا نہ کرنا احسان ناشناسی شمار ہوگا۔ کراچی میں مقیم ہمارے ایک بزرگ قاضی عبدالقادر کا شفقت آمیز تعاون بھی ہمارے لئے باعث ممنونیت ہے۔ ''ندائے خلافت'' کے ادارتی عملے اور کارکنوں نے اس پرچے کی تیاری اور اسے خوب سے خوب تر بنانے کے لئے جس ذوق و شوق اور محنت و لگن سے کام کیا ہے وہ بھی بجا طور پر لائق ستائش اور موجبِ تشکر ہے۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء ـــــ ہمیں پوری توقع ہے کہ قارئین اس خصوصی نمبر کو مفید' دلچسپ اور معلومات افزا پائیں گے۔ ان کی خدمت میں ہم یہی گزارش کر سکتے ہیں کہ ''گر قبول افتد زہے عز و شرف!''

مشرقِ وسطیٰ کا آتش فشاں

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا ۱۹ اپریل ۲۰۰۲ء کا خطاب جمعہ

مشرقِ وسطیٰ میں فلسطین کے حوالے سے حالیہ انتفاضہ کی تحریک تقریباً ڈیڑھ سال پہلے شروع ہوئی تھی۔ اس معاملے میں اسرائیلی وزیراعظم شیرون کی طرف سے خونخواری اور بربریت کا جو بدترین مظاہرہ ہو رہا ہے اس سے مشرقِ وسطیٰ کی صورتِ حال واقعتاً ایک ایسے آتش فشاں سے مشابہ نظر آتی ہے جو کسی بھی وقت پھٹ سکتا ہے۔

اس سے قبل تقریباً دس سال امن مذاکرات کا ایک طویل سلسلہ گزرا ہے۔ یہ مذاکرات خلیج کی جنگ کے فوراً بعد شروع ہوئے تھے۔ ان مذاکرات کا آغاز ہسپانیہ کے صدر مقام میڈرڈ سے ہوا تھا' جہاں سے یہ اوسلو منتقل ہوئے' پھر یہ مذاکرات کئی بار واشنگٹن میں ہوئے' پھر کیمپ ڈیوڈ میں ہوئے۔ بہر حال ان مذاکرات کا یہ سلسلہ ابھی چل رہا تھا اور ایک حد تک اس بات پر مفاہمت ہوگئی تھی کہ اسرائیل وہ علاقے خالی کردے جو اس نے ۱۹۶۷ء کی جنگ میں چھینے تھے تاکہ ایک آزاد فلسطینی ریاست وجود میں آجائے جبکہ یروشلم کا معاملہ بعد میں طے کریں گے۔ اسی طرح ان ۳۵ لاکھ فلسطینی مہاجرین کے بارے میں جو اسرائیل سے نکالے گئے تھے' فلسطینیوں کا مطالبہ بھی کہ انہیں واپس اسرائیل میں آکر آباد ہونے کی اجازت ہونی چاہئے' ابھی تصفیہ طلب تھا۔ لیکن جب یہ مذاکرات اپنی انتہا کو پہنچے ہوئے تھے اور یروشلم کا مسئلہ زیر بحث تھا تو شیرون نے جو اس وقت وزیراعظم نہیں تھا (اس وقت ایہود بارک وزیراعظم تھا)' Temple Mount کا دورہ کیا۔ یہ مقام یعنی قبۃ الصخرہ مسلمانوں کے لئے انتہائی مقدس ہے کیونکہ حضور ﷺ اسی مقام سے معراج پر تشریف لے گئے تھے۔ دوسری طرف یہودی کہتے ہیں کہ اس چٹان پر ہمارا ہیکل سلیمانی تھا جسے وہ دوبارہ تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ اسے تعمیر کرنے کے لئے ان کا منصوبہ یہ ہے کہ مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرہ گرایا جائے۔ بہر حال جب شیرون یہاں آیا تو اس نے اعلان کیا کہ ہم جلد ہی یہاں اپنے تیسرے ہیکل کی بنیادیں رکھ دیں گے' جس کے لئے بڑے بڑے پتھر اور چٹانیں تیار کرلی گئی ہیں۔ اس پر مسلمانوں میں ردعمل ہوا۔ نوجوانوں نے پتھراؤ کیا تو یہ انتفاضہ شروع ہوگیا جو گزشتہ ڈیڑھ سال سے جاری ہے۔ یہ معاملہ بڑھتے بڑھتے آج جنین کے کیمپ کے قتل عام تک آن پہنچا ہے۔ یہ ظلم پوری دنیا کی نگاہوں کے سامنے بڑی ڈھٹائی سے ہو رہا ہے۔ بہر حال شیرون کی اس شرارت اور دھاندلی کا نتیجہ یہ نکلا کہ دس سال سے چلنے والے امن مذاکرات میں ہونے والی پیش رفت زیرو ہوگئی۔ چنانچہ اب مشرق وسطیٰ کے جو حالات سامنے آرہے ہیں وہ بہت خوفناک ہیں۔ عالمی میڈیا نے ان حالات کو ''The Nightmare Scenario'' (انتہائی ہیبت ناک منظر) کا عنوان دیا ہے۔

اس پوری صورتِ حال کے پس منظر کے ضمن میں تین باتیں نوٹ کرلیں۔ پہلی بات یہ کہ یہود سابقہ امت مسلمہ تھے جبکہ موجودہ مسلمان امت' امتِ محمدیؐ ہے۔ حضور ﷺ کی بعثت کے بعد یہود اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے اس منصب سے معزول کر دیئے گئے اور معزولی کی علامت کے طور پر ہجرت مدینہ کے سوا سال بعد اہلِ توحید کا قبلہ بدل دیا گیا۔ دوسری بات یہ نوٹ کیجئے کہ ان دونوں امتوں کے بارے میں قرآن وحدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے پہلے ہی سے بتا دیا تھا کہ ان دونوں پر عروج اور زوال کے دو' دو ادوار آئیں گے۔ یہود کا آخری دورِ زوال سن ۷۰ء سے لے کر ۱۹۱۷ء تک جاری رہا۔ ۷۰ء میں رومیوں نے ان کا Second Temple گرایا۔ اس وقت لاکھوں یہودی قتل کئے گئے اور باقی یہودیوں کو یروشلم سے نکال دیا گیا جو یورپ' ایشیا' امریکہ سمیت دنیا کے مختلف حصوں میں منتشر ہوگئے۔ اس دور کو وہ ''ڈایا سپورا'' کہتے ہیں۔ ۱۹۱۷ء میں بالفور ڈیکلریشن کے ذریعے انہوں نے برطانیہ سے اپنا یہ حق منوالیا کہ اب ہم فلسطین میں آباد ہو سکتے ہیں۔ گویا تقریباً ۱۹۰۰ برس بعد وہ دوبارہ ارضِ فلسطین میں آباد ہوئے۔ لیکن اس عرصہ سے پہلے ان پر زوال کا ایک اور عروج کے دو ادوار آچکے تھے۔ دوسرا زوال دو ہزار برس طویل تھا۔

امت محمد ﷺ پر بھی دو عروج آچکے ہیں۔ پہلا عروج عربوں کے ہاتھوں اور دوسرا ترکوں کی زیر قیادت تھا۔ ہمارا دوسرا زوال سقوط غرناطہ سے شروع ہوا جب ہسپانیہ میں اسلامی حکومت ختم ہوئی۔ اس کے بعد ہمارا زوال اپنے کلائمیکس پر اس وقت پہنچا جب پہلی جنگِ عظیم کے بعد سلطنتِ عثمانیہ ختم ہوئی۔ اس پس منظر میں نوٹ کیجئے کہ یہودیوں نے بڑی طویل جدوجہد کے ذریعے رفتہ رفتہ عیسائیوں پر اپنا تسلط قائم کیا جس کی تعبیر علامہ اقبال نے یوں کی کہ ع ''فرنگ کی رگِ جاں پنجۂ یہود میں ہے''۔ خاص طور پر پروٹسٹنٹ عیسائی مذہب تو یہودیوں ہی کی ایجاد تھا۔ ان پروٹسٹنٹس کے ذریعے انہوں نے یورپ میں اقتدار حاصل کیا اور یوں اس خطے کو اپنے قابو میں لے آئے۔ اس وقت پروٹسٹنٹ عیسائی دنیا کی قیادت امریکہ اور برطانیہ کے ہاتھ میں ہے۔ امریکہ سے پہلے برطانیہ ان کا نمائندہ تھا کہ جس کے ذریعے یہود نے فلسطین میں آباد ہونے کا حق حاصل کرلیا۔ اس کے بعد پروٹسٹنٹس کا پشت پناہ امریکہ بنا۔ لہٰذا اب اگر یہ کہا جائے کہ دنیا میں اسرائیل ایک نہیں' تین ہیں تو غلط نہ ہوگا۔ ایک اسرائیل جو مڈل ایسٹ میں ہے' دوسرا اسرائیل برطانیہ ہے اور تیسرا اسرائیل امریکہ ہے۔ یہ بات پروٹسٹنٹ عیسائیوں کے ایک رسالے "Trumpet" نے' جو فلاڈلفیا سے نکلتا ہے' لکھی ہے کہ اصل اسرائیل تو امریکہ اور برطانیہ ہیں' مڈل ایسٹ میں موجود اسرائیل کی حیثیت تو ایک جز کی ہے۔

اب آیئے موجودہ صورت حال کی طرف! موجودہ منظر یہ ہے کہ مشرق وسطٰی میں دراصل دو بہت بڑے بڑے آئس برگ ٹکرانے والے ہیں۔ "Tip of the Iceberg" محاورے کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ دراصل سمندر کی سطح کے نیچے آئس برگ بہت بڑی شے ہوتی ہے' لیکن اوپر اس کا صرف چھوٹا سا سرا (Tip) نظر آتا ہے۔ اسی لئے جہاز دھوکا کھا کر اس سے ٹکرا جاتے ہیں اور پاش پاش ہو جاتے ہیں۔ یہ دو آئس برگ جن میں سے ایک کی Tip وہ یہودی ہیں جو ۳۵ لاکھ کے قریب اسرائیل میں آباد ہیں' جبکہ دوسرے آئس برگ کی Tip فلسطینی مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ وہ بھی تقریباً ۳۰ سے ۳۵ لاکھ ہیں۔ لیکن یہ کہ ان Tips کے نیچے کیا ہے؟ اسرائیل کے نیچے پوری دنیا کے ایک کروڑ یہودی اور ان کی پشت پر عیسائی دنیا کا بہت بڑا حصہ ہے۔ یہود کے اصل آلہ کار تو برطانیہ اور امریکہ ہیں لیکن ایک درجے میں کیتھولک دنیا بھی ان کی پشت پناہ ہے۔ یہ سب ملا کر تقریباً پونے دو ارب بنتے ہیں۔ فلسطینیوں کے پیچھے ۳۰ کروڑ عرب عوام اور بقیہ عالمِ اسلام موجود ہے۔ یہ کل ڈیڑھ ارب ہیں۔ ذرا تصور کیجئے کہ اگر Dome of the Rock کو گرا دیا جائے تو پوری دنیا میں جو طوفان اٹھے گا اور ردعمل کے طور پر ان دونوں کے ٹکرانے سے جو خوفناک منظر سامنے آئے گا' اس کی ہولناکی محتاج بیان نہیں۔

مشرق وسطٰی میں اگر یہ بھٹی دہکی تو ابتدا میں مسلمانوں بالخصوص عربوں کا شدید نقصان ہوگا۔ اصل میں یہ اللہ کا عذاب ہوگا جو ایک ملعون اور مغضوب علیھم قوم کے ہاتھوں ان پر آئے گا۔ دوسرے مسلمانوں کے مقابلے میں عربوں کا جرم اس اعتبار سے زیادہ بڑا ہے کہ انہوں نے اس فضیلت کے باوجود کہ نبی اکرم ﷺ انہی میں سے تھے اور انہی کی زبان میں اللہ کا کلام نازل ہوا' نو آبادیاتی نظام سے آزادی حاصل کرنے کے بعد دین سے بے وفائی کا معاملہ کیا اور اللہ کی بجائے کسی نے ماسکو کو اپنا قبلہ بنا لیا اور کسی نے واشنگٹن کی طرف رخ کر لیا۔

اس وقت جو صورت حال ہے اور یہ جو تصادم ہونے والا ہے' آیئے ذرا اس کا تجزیہ کر کے دیکھیں۔ قرآن مجید میں یہود کے بارے میں ایک جگہ آیا ہے ﴿لَیْسُوْا سَوَآءً﴾ کہ وہ سب کے سب ایک جیسے نہیں ہیں۔ بعینہٖ یہودیوں اور مسلمانوں میں آج بھی دو قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ مسلمانوں میں ایک نقطہ نظر جو ابتدا میں سب مسلمانوں کا تھا' اور اصولی اعتبار سے بالکل درست موقف تھا' یہ ہے کہ اسرائیل کا قیام غلط اور بہت بڑا ظلم ہے' اسرائیل کو یہ حق حاصل نہیں تھا کہ یہاں پر یہودیوں کو لا کر آباد کیا جاتا۔ یہ انگریزوں اور امریکیوں کی بہت گہری سازش اور ظلم ہے۔ جیسا کہ علامہ اقبال نے کہا تھا کہ

ہے خاکِ فلسطیں پہ یہودی کا اگر حق
ہسپانیہ پر حق نہیں کیوں اہل عرب کا

دو ہزار برس پہلے کے نکلے ہوئے یہودیوں کو اگر آج یہاں دوبارہ لا کر آباد کرنا عدل کا تقاضا ہے تو پھر عربوں کو بھی ہسپانیہ میں آباد کیا جانا چاہئے کہ وہ تو صرف پانچ سو برس پہلے وہاں سے نکالے گئے تھے۔ اسی طرح میں یہ کہتا ہوں کہ پھر پورے ہندوستان پر بھی مسلمانوں کا حق ہے۔ ۱۸ ویں صدی عیسوی کے آغاز میں اورنگ زیب عالمگیرؒ کے دورِ حکومت تک پورا ہندوستان مسلمانوں ہی کے زیر نگین تھا۔ لہٰذا اگر یہودی دوبارہ ارضِ فلسطین پر آباد کئے جا سکتے ہیں تو مسلمانوں کو سارا ہندوستان دوبارہ ملنا چاہئے۔ بہر حال ایک نقطہ نظر یہ ہے کہ جس چیز کی بنیاد دھونس' دھاندلی' ظلم اور ناانصافی پر ہو اس کو باقی رہنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ یہ انتہائی لیکن اصولی نقطہ نظر ابتداء میں عربوں کا رہا ہے۔ عجم میں بھی صرف دو ملکوں ترکی اور ایران نے اسرائیل کو تسلیم کیا تھا۔ لیکن پھر رفتہ رفتہ مسلمانوں اور عربوں کے اس موقف میں کمزوری پیدا ہوئی۔

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

"دنیا کا اصول تو یہی ہے۔ بہر حال عربوں نے جب دیکھا کہ ہم اسرائیل کے مقابلے میں کچھ نہیں کر سکتے' امریکہ اس کا پشت پناہ ہے تو انہوں نے ایک ایک کر کے صلح کرنی شروع کی۔ پہلے سادات نے صلح کی۔ اس کے بعد شرق اردن نے صلح کر لی۔ اب شاہ عبدالعزیز کے بیٹے شاہ عبداللہ' ولی عہد سعودی عرب نے یہ کہا ہے کہ اگر اسرائیل اپنی ۱۹۶۷ء سے قبل کی حدود میں واپس چلا جائے اور سارے علاقے خالی کر دے اور وہاں فلسطینی ریاست قائم ہو جائے تو تمام عرب ممالک اسے تسلیم کر لیں گے۔ اس پر تمام عرب ممالک متفق ہو گئے ہیں۔ دنیا میں صرف ایک ملک پاکستان ہے جس نے ابھی تک اس مفاہمتی فارمولے کو تسلیم نہیں کیا۔ لیکن اگر سارے عرب ممالک ایسا کر لیں گے تو پاکستان اکیلا کیسے کھڑا رہ جائے گا! اصل غور طلب بات یہ ہے کہ ہم میں یہ کمزوری کیوں آئی۔ وجہ وہی ہے کہ ہم نے اللہ اور اس کے دین سے غداری اور بے وفائی کی۔ اللہ سے ہم نے اپنا رخ موڑ لیا تو جان لیجئے کہ اللہ تعالیٰ بہت غیور ہے۔ اگر تم اس کی طرف چل کر آؤ گے تو وہ دوڑ کر آئے گا۔ تم بالشت بھر آؤ گے تو وہ ہاتھ بھر آئے گا۔ لیکن اگر تم لوگ منہ موڑ لو گے تو وہ بھی اپنا رخ تم سے پھیر لے گا۔ بہر حال یہ دو موقف موجودہ صورت حال میں مسلمانوں کے اندر پائے جاتے ہیں۔

اسی طریقے سے یہودیوں میں بھی دو طبقات ہیں۔ ایک طبقہ مذہبی یہودیوں کا ہے' دوسرا سیکولر یہودیوں کا۔ یہودیوں میں جو انتہا پسند یعنی مذہبی یہودی ہے' وہ ہر حال میں گریٹر اسرائیل بنانا چاہتا ہے جس میں مصر کا بہت بڑا علاقہ' پورا صحرائے سینا' پورا لبنان' پورا اردن' سعودی عرب کا شمالی حصہ' مکمل عراق اور شام اور ترکی کے کچھ جنوبی حصے شامل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ طبقہ ہمیشہ سے امن مذاکرات کا مخالف رہا ہے۔ جب ان مذاکرات کا سلسلہ چلا اور اسحاق رابن دستخط کر کے آیا تو اسے ایک یہودی نے قتل کر دیا کہ تم کون ہوتے ہو ہمارے علاقے واپس کرنے والے' ہمیں عربوں سے ابھی اور علاقے لینے ہیں اور گریٹر اسرائیل بنانا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یروشلم کے معاملے میں ہم کسی کی کوئی شراکت قبول نہیں کر سکتے۔ یہ گریٹر اسرائیل کا دارالخلافہ ہوگا۔ نیز ہمیں ہر قیمت پر ہیکل سلیمانی بنانا ہے۔ اور یہ کہ ہم اسرائیل میں کسی عرب کو نہیں رہنے دیں گے خواہ انہیں ختم کرنا پڑے یا پھر انہیں شرق اردن میں دھکیل دو۔ اسرائیلی حکومت پر انتہا پسند یہودیوں کے اثر و رسوخ کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اب شیرون نے اپنی کابینہ میں ایک ایسے وزیر کو شامل کیا ہے جو مکمل داڑھی والا ہے۔ اس کا نام الفی ایلم ہے۔ اس نے صاف لفظوں میں کہا ہے کہ فلسطینیوں کو صحرائے سینا میں دھکیل دیا جائے اور مصر سے کہا جائے کہ وہاں ان کے لئے فلسطینی ریاست قائم کر دے۔ یہ ہے ایک انتہا! لیکن وہاں بھی ایک نرم اور سیکولر نقطہ نظر ہے۔ سیکولر یہودی کہتے ہیں کہ گریٹر اسرائیل قائم کر کے جو خون خرابہ اور فساد ہوگا' اس سے کیا فائدہ۔ اس چھوٹے سے اسرائیل کے تحفظ کے لئے ہمیں کتنی جانیں دینی پڑ رہی ہیں' اگر ہم دس ہزار فلسطینی مسلمانوں کو مارتے ہیں تو سو دو سو ہمارے بھی مرتے ہیں۔

ہم تو ہیں ہی کُل ایک کروڑ جب کہ وہ ۳۰ کروڑ ہیں۔ اگر سارے مسلمان ملا لیں تو وہ ۱۵۰ کروڑ ہیں۔ لہٰذا یہ لوگ کہتے ہیں کہ کیوں نہ ہم صلح کر لیں' آخر ہم کزن ہیں' وہ بھی ابراہیمؑ کی اولاد ہیں ہم بھی ابراہیمؑ کی اولاد ہیں' اور جیسے دنیا میں بہت سے معاشی یونٹ بن رہے ہیں' عرب اور اسرائیل مل کر ایک یونٹ بن جائے۔ عربوں کے پاس پیسہ' لیبر اور تیل بہت ہے جبکہ ہمارے پاس مہارت' مینجمنٹ اور ایگزیکٹو صلاحیت ہے۔ لہٰذا ہم مل کر بہت ترقی کر سکتے ہیں۔ پھر اس طرح ملائی ہم کھائیں گے' چھاچھ اُن کو دے دیں گے۔ یہ ان کی بائیں بازو کی جماعتوں کا نقطہ نظر ہے جن کا نمائندہ شمعون پیریز اس وقت وزیر خارجہ ہے۔ شیرون جو کچھ کر رہا ہے' شمعون پیریز اسے پسند نہیں کرتا۔ لیکن شیرون نے یہ انتظام کر لیا ہے کہ اگر وہ پارٹی اس کا ساتھ چھوڑ بھی جائے تو اس نے اب اپنے ساتھ Ultra nationalist parties شامل کر لی ہیں۔ انہی میں سے یہ ایک وزیر ہے

جس کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے۔ ایک امریکی صحافی نے اس مذہبی یہودی وزیر سے جب یہ کہا کہ یہ تم صحیح نہیں کر رہے ہو تو اس نے تنگ کر جواب دیا: ''تم نے افغانستان میں کیا کیا' آج ہمیں سبق پڑھانے آئے ہو۔ ہم پاول سے صاف کہہ دیں گے (یہ پاول کے اسرائیل جانے سے پہلے کی بات ہے) کہ دنیا کے اندر یہ دہرا معیار ختم کرو۔ افغانستان میں کتنے شہری تمہاری وحشیانہ بمباری سے مر رہے ہیں اور اب ہمیں آ کر سبق پڑھاتے ہو''۔ دراصل اسرائیل کو پتہ ہے کہ امریکہ ہمارے شکنجے میں ہے' وہ ہل نہیں سکتا۔ ایک مرتبہ شمعون پیریز نے شیرون سے کہا تھا' دیکھو امریکہ ناراض ہو جائے گا! تو شیرون نے جواباً کہا' تم کیا بار بار مجھے امریکہ کا نام لے کر ڈرا رہے ہو؟ امریکہ ہمارے شکنجے میں ہے۔ اس کے یہ الفاظ ریکارڈ پر ہیں۔ اسی طرح ایک بارٹن یاہو نے کہا تھا کہ میں واشنگٹن کے اندر آگ لگوادوں گا اور ۱۱ ستمبر کو اس نے سچ کر دکھایا۔

اب صلح کی راہ میں حائل دو بڑی بڑی رکاوٹیں نوٹ کر لیجئے۔ ایک تو قبۃ الصخرہ کا مسئلہ ہے۔ دوسرے یہ کہ ۳۰' ۳۵ لاکھ پناہ گزین ہیں جن کو واپس لینے کے لئے اسرائیل بالکل تیار نہیں۔ اس لئے کہ اسرائیل ہماری ریاست بہاولپور سے بھی چھوٹا ملک ہے۔ اس کی زیادہ سے زیادہ لمبائی ۲۰۰ میل اور زیادہ سے زیادہ چوڑائی ۸۰ میل ہے۔ بعض مقامات پر تو اس سے بھی کم رہ جاتی ہے۔ اس کشتی کے اندر اگر ۳۵ لاکھ افراد مزید آ جائیں تو کشتی ڈوب جائے گی۔ لہٰذا وہ ان پناہ گزینوں کو واپس لینے کو تیار نہیں۔ اس وقت صلح میں یہ دو بڑی رکاوٹیں ہیں۔ آخری آفر جو یہود کی طرف سے آ سکتی تھی وہ ایہود بارک کے زمانے میں کلنٹن کے زیر اثر آ گئی تھی۔ ایہود بارک سیکولر یہودی تھا' اس نے آفر کی تھی کہ فلسطینی ریاست ہمیں منظور ہے' یروشلم کی تقسیم بھی ہم قبول کرتے ہیں' یعنی مشرقی یروشلم اپنے پاس رکھو' اس کے جتنے حصے میں مسجد اقصیٰ بنی ہوئی ہے وہ تم رکھ لو لیکن اوپر کا شمالی حصہ جہاں گنبد ہے وہ ہمیں دے دو تاکہ ہم وہاں اپنا ہیکل بنا لیں۔ باقی یہ کہ فلسطینی مہاجرین کو مسلمان ممالک اپنے اندر جذب کر کے انہیں اپنے ملک کی شہریت دیں۔ میرے نزدیک اس سے آگے کوئی یہودی سربراہ نہیں جا سکتا۔ عرفات نے اس تجویز کو رد کر دیا تھا' جس پر امریکہ چیختا رہا کہ اس نے یہ موقع ضائع کر دیا۔ لیکن عرفات نے ہی نہیں' شیرون نے بھی اس تجویز کو رد کر دیا تھا۔ شیرون نے اس وقت جو معاملہ شروع کیا تھا اسی کے نتیجے میں یہ حالیہ فساد کھڑا ہوا ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ نیوز ویک کے تازہ پرچے نے شیرون پر بہت شدت کے ساتھ تنقید کی ہے۔ اس میں ایک مضمون "A blue print for peace" شائع ہوا ہے' جس میں کہا گیا ہے کہ پورا ٹیمپل ماؤنٹ مسلمانوں کو دے دیا جائے البتہ West Wall اور اس کے سامنے کا میدان یہودیوں کے پاس ہو تاکہ وہ اپنا ٹیمپل تعمیر کر سکیں۔ اگر یہ واقعتاً ہو جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ بہت بڑی بات ہو گی۔ لیکن میرے نزدیک یہ مسئلہ لاینحل ہے۔ نہ ہی مسلمان اس سے کبھی دستبردار ہو سکتے ہیں اور نہ یہودی اس کی جگہ تیسرے ہیکل سلیمانی کی تعمیر سے باز رہ سکتے ہیں۔ لہٰذا وہ بڑی جنگ ہو کر رہے گی جس کی خبریں احادیث میں دی گئی ہیں۔ اس موقع پر حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مہدی کی مدد کے لئے فوجیں افغانستان اور پاکستان ہی سے روانہ ہوں گی۔ لہٰذا ہم میں سے ہر شخص کے کرنے کا کام یہ ہے کہ وہ پاکستان کے اس رول کو مضبوط کرنے کے لئے دین کے تقاضوں کو پورا کرے اور مملکت خداداد پاکستان کو ایک حقیقی اسلامی ریاست بنانے کے لئے بھرپور جدوجہد کرے۔ ○○ (مرتب: فرقان دانش خان)

☆ ☆ ☆

قارئین توجہ فرمائیں

جیسا کہ آپ کے علم میں ہے کہ ندائے خلافت کا زیر نظر خصوصی شمارہ ''فلسطین نمبر'' ۶۴ صفحات میں تیار کرنے کا اعلان کیا گیا تھا۔ تاہم جب وقت کے اس اہم اور نازک ترین مسئلہ کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی تو انتہائی اختصار کے باوجود اس کا مواد ۹۶ صفحات میں سما سکا۔ چنانچہ اس کی اعلان شدہ قیمت ۲۵ روپے میں اضافہ بھی ناگزیر ہو گیا۔ لہٰذا اب اس شمارے کی قیمت ۳۵ روپے رکھی گئی ہے جو صفحات میں اضافے کے تناسب کے اعتبار سے یقیناً کم ہے تاکہ قارئین پر اس کا بوجھ زیادہ نہ پڑے۔

نیز یہ بھی نوٹ کر لیا جائے کہ یہ شمارہ ندائے خلافت کی تین اشاعتوں یعنی شمارہ نمبر ۲۲ تا ۲۴ (۶ تا ۱۲ جون' ۱۳ تا ۱۹ جون اور ۲۰ تا ۲۶ جون) کے قائم مقام ہے۔ (ادارہ)

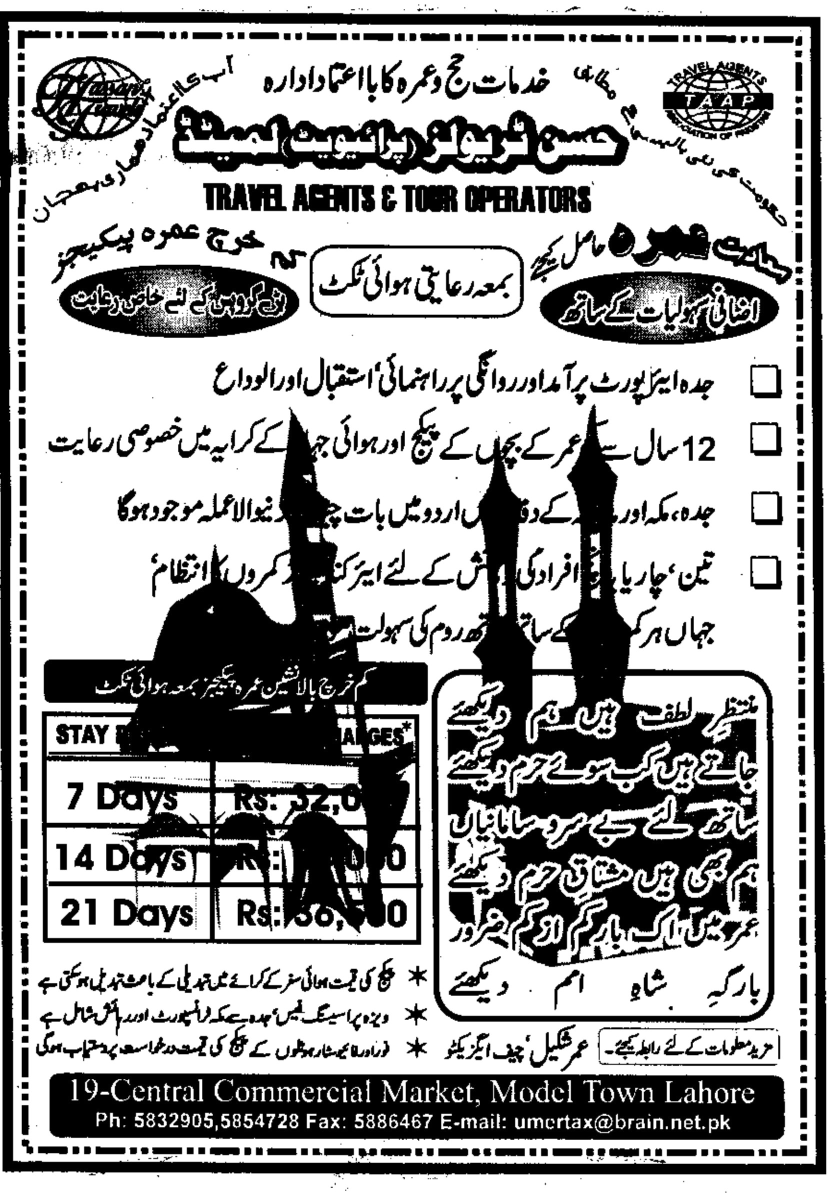

بنی اسرائیل کی تاریخ

فلسطین کو سرزمین انبیاء کہا جاتا ہے۔ اکثر انبیائے کرام اسی سرزمین میں مبعوث ہوئے۔ ارضِ فلسطین میں پھیلے ہوئے کسان آج بھی اپنا شجرۂ نسب کسی نہ کسی نبی سے ملاتے ہیں۔ فلسطین کا شہر بیت المقدس دنیا کے تین بڑے مذاہب کے لئے یکساں مقدس و متبرک ہے۔ یہیں بنی اسرائیل کے انبیاء حضرت یعقوبؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ کے مدفن ہیں۔ یہیں حضرت عیسیٰؑ کا مہد ہے۔ بیت المقدس اہل اسلام کا قبلۂ اول ہے اور حرم کعبہ اور حرم نبویؐ کے بعد تیسرا حرم ہے۔ خاتم الانبیاء، رسول کریم ﷺ ہجرت کے بعد سترہ ماہ تک اسی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ سفر معراج میں یہی شہر ان کی پہلی منزل تھا۔ یہیں آنحضور ﷺ نے انبیائے سابق کی امامت فرمائی۔ مسجد اقصیٰ یہیں ہے۔ قبۃ الصخرہ یہیں ہے۔ انبیائے بنی اسرائیل کے آثار یہیں ہیں۔ دیوار گریہ بھی یہیں تھی۔ حضرت سلیمان نے بڑا معبد "ہیکل" بھی یہیں تعمیر کرایا تھا۔ یہود کے بقول حضرت عیسیٰؑ کو یہیں صلیب پر چڑھایا گیا تھا۔

مسلمانوں میں عقیدۂ توحید اس قدر راسخ ہے کہ زمان و مکاں کے سب رشتے اس عقیدے کے ماتحت ہیں۔ اسی لئے بیت اللہ اور مسجد نبوی کے ساتھ تمام تر مذہبی عقیدت کے باوجود روئے ارض کا کوئی مقام مسلمانانِ عالم کے لئے شاید ایسی مذہبی و نسلی کشش نہیں رکھتا جیسی کشش فلسطین اور بیت المقدس (یروشلم) یہودیوں کے لئے رکھتے ہیں۔ سال کے سال حج بیت اللہ مسلمانوں پر فرض ہے، لیکن چند شرائط کے ساتھ۔ یہود کے لئے فلسطین میں "اسرائیل" کی ریاست کا قیام ہزارہا سال تک مسلسل ایک ہی خواب دیکھتے رہنے کی تعبیر ہے۔

آدم ثانی حضرت نوحؑ کے بعد حضرت ابراہیمؑ پہلے نبی ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی عالمگیر دعوت پھیلانے کے لئے مقرر کیا تھا۔ انہوں نے پہلے خود عراق سے مصر تک اور شام و فلسطین سے ریگستانِ عرب کے مختلف گوشوں تک برسوں گشت لگا کر لوگوں کو اللہ واحد کی اطاعت کی دعوت دی۔ پھر اپنے اس مشن کی اشاعت کے لئے مختلف علاقوں میں اپنے خلفاء مقرر کئے۔ شرق اردن میں اپنے بھتیجے حضرت لوطؑ کو، شام و فلسطین میں اپنے بیٹے حضرت اسحاقؑ کو اور اندرونِ عرب میں اپنے بڑے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو مامور کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے مکہ میں وہ گھر تعمیر کیا، جس کا نام کعبہ ہے اور اللہ ہی کے حکم سے وہ اس مشن کا مرکز قرار پایا۔

حضرت ابراہیمؑ کی نسل سے دو بڑی شاخیں نکلیں۔ ایک حضرت اسماعیلؑ کی اولاد، جو عرب میں رہی۔ قریش اور عرب کے بعض دوسرے قبائل کا تعلق اسی شاخ سے تھا، اور جو عرب قبیلے نسلاً حضرت اسماعیلؑ کی اولاد نہ تھے، وہ بھی چونکہ ان کے پھیلائے ہوئے مذہب سے کم و بیش متاثر تھے، اسی لئے وہ بھی اپنا سلسلۂ نسب انہی سے جوڑتے تھے۔

دوسرے حضرت اسحاقؑ کی اولاد، جن میں حضرت یعقوبؑ، یوسفؑ، موسیٰؑ، داؤدؑ، سلیمانؑ، یحییٰؑ، عیسیٰؑ اور بہت سے انبیائے کرامؑ پیدا ہوئے۔ حضرت یعقوبؑ کا لقب چونکہ اسرائیل تھا، اسی لئے یہ نسل بنی اسرائیل کے نام سے مشہور ہوئی۔ ان کی تبلیغ سے جن دوسری قوموں نے ان کا دین قبول کیا، انہوں نے یا تو اپنی انفرادیت ہی ان کے

بنی اسرائیل کی یہ طعن آمیز فریب کاری کہ بنی اسماعیلؑ ہم سے اس لئے کمتر ہیں کہ وہ لونڈی سے ہیں اور ہم حضرت ابراہیمؑ کی بیوی سارہ سے، صحیح نہیں۔ تورات ہی سے ثابت ہے کہ حضرت اسماعیلؑ کے بارے میں بنی اسرائیل کے بہتان بے جا اور من گھڑت ہیں۔

اندر گم کر دی، یا وہ نسلاً تو ان سے الگ رہے مگر مذہباً ان کے پیروکار رہے۔ اسی شاخ میں جب پستی و تنزل کا دور آیا تو پہلے یہودیت پیدا ہوئی اور پھر عیسائیت نے جنم لیا۔ (تفصیل آگے آرہی ہے)

اسرائیل کے معنی ہیں عبداللہ یا بندۂ خدا۔ یہ حضرت یعقوبؑ کا لقب تھا جو ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا تھا۔ وہ حضرت اسحاقؑ کے بیٹے اور حضرت ابراہیمؑ کے پوتے تھے۔ انہی کی نسل کو "بنی اسرائیل" کہتے ہیں۔ عموماً لوگ بنی اسرائیل کے عروج کی تاریخ حضرت موسیٰؑ سے شروع کرتے ہیں، لیکن قرآن اس مقام پر سورۂ مائدہ کی آیت ۲۰ میں تصریح کرتا ہے: (ترجمہ)

"یاد کرو جب موسیٰ نے اپنے قوم سے کہا تھا کہ اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی اس نعمت کا خیال کرو جو اس نے تمہیں عطا کی تھی۔ اس نے تم میں نبی پیدا کئے، تم کو فرماں روا بنایا، اور تم کو وہ کچھ دیا جو دنیا میں کسی کو نہ دیا تھا۔"

اس آیت میں اشارہ ہے بنی اسرائیل کی اس عظمت گزشتہ کی طرف جو حضرت موسیٰؑ سے بہت پہلے کسی زمانے میں ان کو حاصل تھی۔ ایک طرف حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ جیسے جلیل القدر پیغمبر ان کی قوم میں پیدا ہوئے اور دوسری طرف حضرت یوسفؑ کے زمانے میں اور ان کے بعد مصر میں ان کو بڑا اقتدار نصیب ہوا۔ مدتِ دراز تک یہی اس زمانے کی مہذب دنیا کے سب سے بڑے فرماں روا تھے اور انہی کا سکہ مصر اور اس کے نواح میں رواں تھا۔

سورۂ مائدہ کی اگلی دو آیات کا حوالہ دینا بھی یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے: (ترجمہ)

"اے برادرانِ قوم! اس مقدس سرزمین میں داخل ہو جاؤ، جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دی ہے۔ پیچھے نہ ہٹو ورنہ ناکام و نامراد پلٹو گے۔ انہوں نے جواب دیا: اے موسیٰؑ! وہاں تو بڑے زبردست لوگ رہتے ہیں۔ ہم وہاں ہرگز نہ جائیں گے جب تک وہ وہاں

سے نہ نکل جائیں۔ ہاں اگر وہ نکل گئے تو ہم داخل ہونے کے لئے تیار ہیں۔''

یہاں ''مقدس سرزمین'' سے مراد فلسطین کی سرزمین ہے جو مذکورہ انبیاء کا مسکن رہ چکی تھی۔ بنی اسرائیل جب مصر سے نکل آئے تو اسی سرزمین کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے نامزد فرمایا اور حکم دیا کہ جا کر اسے فتح کر لو۔ آیت کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت حضرت موسیٰ ؑ اپنی قوم کو مصر سے نکالنے کے بعد دشت فاران میں ان کو فلسطین فتح کرنے کی تحریک دے رہے تھے، اس وقت فلسطین میں پہلے سے دوسری مضبوط و طاقتور اقوام آباد تھیں، جن سے بنی اسرائیل خوفزدہ تھے۔

بنی اسرائیل کے بانی حضرت یعقوبؑ ہیں جو حضرت ابراہیمؑ کے پوتے اور حضرت اسحاقؑ کے بیٹے تھے۔ انہیں بارگاہِ خداوندی سے اسرائیل کا لقب ملا۔ اسرا کا مطلب ہے بندہ، ایل کا مطلب ہے اللہ، یعنی بندۂ خدا۔ ان کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی۔

تاریخ انسانی بنی اسرائیل کے علاوہ کسی ایک گھرانے یا خاندان یا سلسلے کی نشاندہی کرنے سے قاصر ہے، جس نے اپنی صلبی نسبت، خاندانی وحدت اور قبائلی ذہنیت کو چار ہزار سال کے عبرت انگیز اور قیامت خیز انقلابات کے باوجود محفوظ رکھا ہو۔ دنیا کی کوئی قوم اس عظمت، وحدت، یکجہتی، پامردی اور استقامت کا دعویٰ نہیں کر سکتی جو بنی اسرائیل کو نصیب ہوئی، اور اس کے ساتھ ساتھ اس بدکرداری، پستی، تنگ نظری، تعصب اور ذلت کا بھی مظاہرہ نہیں کر سکی، جسے اس قوم ''بنی اسرائیل'' نے اپنا شعار بنا کر بنی نوع انسان کے خون میں زہر کی طرح داخل کیا۔ یہ فخر اسی قوم کو حاصل ہے کہ اس کے گھر سے دو عظیم مذہب یہودیت اور عیسائیت ظہور پذیر ہوئے۔ وہ گھر جسے حضرت ابراہیم ؑ خلیل اللہ کے دوسرے فرزند حضرت اسحاق ؑ کے نور نے روشن کیا، لیکن یہ جہالت بھی اسی قوم کے حصے میں آئی کہ اس نے پیام الٰہی کے ارتقائی سلسلے کو تسلیم کرنے سے انکار کیا۔ اپنے جد امجد حضرت اسحاقؑ کو آپ کے سوتیلے بڑے بھائی حضرت اسماعیلؑ پر فوقیت دینے کے لئے ''تورات'' میں تحریفات روا رکھیں، اور یوں خاتم الانبیاء پر مکمل ہونے والے دین اسلام سے منکر ہو کر اس کی ابتدائی کڑی ہی کے مجاور بن کر رہ گئے۔

چار ہزار سال تک اس قوم نے اپنی بقا کے لئے ہزار انتشار، ہزار مظالم، ہزار شکست و ریخت، ہر ذلت، ہر پستی، ہر ظلم کو گوارا کیا۔ اسے کوئی بخت نصر، کوئی وسپاشین، کوئی ہٹلر، قتل عام، استحصال، بربریت، لوٹ کھسوٹ اور نفرت و حقارت سے کچل نہ سکا۔ وہ دنیا کے تمام مذاہب اور عقائد سے ٹکرائی لیکن جان کی بازی لگا کر اپنے اس تصور عظمت کو بچا لائی جو اس کا ایمان ہے۔ اس کا تصورِ عظمت اس کا بنیادی عقیدہ ہے، جو یہ ہے:

''بنی اسرائیل کو یہوا نے تمام اقوامِ عالم سے برگزیدہ ٹھہرایا۔''

برگزیدگی اور عظمت کے اس عقیدے کے حصار میں بنی اسرائیل اس طرح محفوظ ہو گئے کہ دنیا کے تمام شواہد بھی انہیں اس عقیدے سے متزلزل نہ کر سکے، لیکن جس یہوا کی وحدت و الوہیت کا اقرار کرتے ہوئے اور پیغام دیتے ہوئے حضرت ابراہیم ؑ اور آپ کے سلسلے کے تمام انبیائے کرام نے ہر قربانی کو ہیچ جانا، اسی یہوا کے عہد کو اپنی بقائے نسل کا ضامن ٹھہرا کر بھی بنی اسرائیل کا ایمان اتنا کمزور نکلا کہ اس قوم نے بے شمار دیوی دیوتاؤں کے آگے سجدے کئے۔ ثنویت، تضاد، شرک، منافقت اور توحید پرستی کا یہ عجیب و غریب ملغوبہ اس قوم کے کردار کا وہ بنیادی پتھر ہے جس پر چار ہزار سال کی تاریخ کی گرد پڑ چکی ہے اور جس کی حقیقت کو جاننے کے لئے ہمیں اس گرد کو جھاڑنا پڑے گا۔

حضرت ابراہیم ؑ کے ساتھ بنی اسرائیل کی بے سلوکی

تورات کی رو سے حضرت ابراہیم ؑ ۲۲۰۰ قبل مسیح میں عراق کے قصبہ اور میں پیدا ہوئے۔ آپ کی قوم بت پرست تھی۔ آپ کے والد کا نام تورات میں تارح لکھا ہے۔ قرآن حکیم میں اسے صنم سازی اور بت تراشی کی وجہ سے آزر کہا گیا ہے، یعنی بجائے نام کے ان کے لقب سے پکارا۔ قرآن مجید میں باپ بیٹے کے عقائد کا اختلاف جس طرح نمایاں کیا گیا ہے، اور جس طرح آپ کو اپنی قوم کے شرک سے متنفر اور متصادم ہوتا ہوا پیش کیا گیا ہے، اس سے ہم آپ کی عظمت و جلالت کی حقیقت کو بھی پا سکتے ہیں اور اپنے لئے شمعِ ہدایت بھی روشن کر سکتے ہیں کہ اسی وجہ سے ہم مسلمانوں کو ''ملت ابراہیمی'' ہونے کا فخر حاصل ہے۔

یہودیوں کی کتاب تالمود کے بیان کے مطابق حضرت ابراہیم ؑ نے اپنی بھانجی سارہ سے نکاح کر لیا اور جب حضرت ابراہیم ؑ پچاس برس کے تھے تو آپ حضرت نوح ؑ کا گھر چھوڑ کر اپنے والد کے گھر آ گئے، جہاں بارہ مہینوں سے منسوب بارہ بتوں کی پرستش کی جاتی تھی۔ آپ نے پہلے تو والد کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن جب وہ نہ مانا تو آپ نے اس کے بتوں کو توڑ دیا۔ اس نے بیٹے کی شکایت بادشاہ وقت نمرود سے کی۔ نمرود نے حضرت ابراہیم ؑ کو جیل بھجوا دیا اور معاملہ اپنی کونسل کے سپرد کر دیا۔ کونسل کے ارکان نے مشورہ دیا کہ اس شخص کو آگ میں ڈال دیا جائے۔ چنانچہ آگ کا بڑا الاؤ تیار کیا گیا اور حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ ان کے بھائی اور خسر حاران کو بھی آگ میں ڈال دیا گیا، کیونکہ نمرود نے جب تارح سے یہ پوچھا کہ تیرے بیٹے کو تو میں نے پیدائش کے روز ہی قتل کرنا چاہا تھا، مگر تو نے اسے بچا کر دوسرا بچہ کیوں قتل کروایا تو اس نے کہا کہ میں نے حاران کے کہنے پر یہ حرکت کی تھی۔ اس لئے اسے بھی مستوجب سزا گردانا گیا۔ آگ میں گرتے ہی حاران جل مرا اور لوگوں نے دیکھا کہ حضرت ابراہیم ؑ آگ میں ٹہل رہے ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

''ہم نے کہا، اے آگ! ابراہیم پر ٹھنڈک اور سلامتی ہو جا''۔ (سورۂ انبیاء: آیت ۶۹)

اب حضرت ابراہیم ؑ ہجرت پر مجبور ہو گئے۔ آپ عراق سے فلسطین میں کنعانیوں کے زیر اقتدار علاقے میں بمقام شکیم (موجودہ نابلس) جا آباد ہوئے۔ پھر فلسطین میں کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد مصر جا پہنچے۔ اس موقع پر یہودیوں کی کتاب ''تورات'' میں آپ کو ''کاذب'' قرار دیا گیا ہے۔ وجہ یہ بتائی گئی کہ آپ نے اپنی ستر سالہ ضعیف بیوی سارہ کو مصریوں کی دست برد سے محفوظ کرنے کے لئے انہیں اپنی بہن بتایا۔

''سو جب ابراہیم مصر پہنچا، مصریوں نے اس کی عورت کو دیکھا کہ وہ نہایت خوبصورت ہے اور فرعون کے امیروں نے بھی اسے دیکھا اور فرعون کے حضور اس کی تعریف کی اور اس عورت کو فرعون کے گھر لے گئے اور اس نے اس کے سبب ابراہیم پر احسان کیا کہ اس کو بھیڑ بکری، گائے بیل اور گدھے اور غلام اور لونڈی اور گدھیاں اور اونٹ ملے۔ پھر خداوند نے فرعون اور اس کے خاندان کو ابراہیم کی جورو سری (سارہ) کے سبب بڑی مار ماری۔ تب فرعون نے ابراہیم کو بلا کر اس سے کہا کہ تو نے مجھ سے کیا کیا؟ کیوں نہ جتایا کہ یہ میری جورو ہے؟ تو نے کیوں کہا کہ یہ میری بہن ہے؟ یہاں تک کہ میں نے اسے اپنی جورو بنانے کو لیا۔ دیکھ یہ تیری جورو حاضر ہے، اس کو لے اور چلا جا۔ اور فرعون نے اس کے حق میں لوگوں کو حکم دیا۔ تب انہوں نے اسے اور اس کی جورو کو اور جو کچھ اس کا تھا، روانہ کیا۔''

(کتاب پیدائش، باب ۱۲، فقرات ۱۴ تا ۲۰)

"تورات" (یعنی علمائے یہود) کے اس بہتان پر تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ خود تورات کی رو سے اس وقت حضرت سارہ کی عمر ستر سال اور حضرت ابراہیمؑ کی عمر اسی سال کی تھی۔ بہر کیف مصر میں حضرت ابراہیمؑ کے حسن کردار سے متاثر فرعون مصر نے اپنی بیٹی حضرت ہاجرہ کو آپ کی زوجیت میں دے دیا۔ اس زمانے کے رسم و رواج کے مطابق دوسری بیوی پہلی بیوی کی خدمت گزار اور فرماں بردار ہوتی تھی، چنانچہ شاہ مصر نے ہاجرہ کو آپ کی زوجیت میں دیتے ہوئے کہا: "میری بیٹی کا اس کے گھر میں لونڈی ہو کر رہنا، دوسرے گھر میں ملکہ ہو کر رہنے سے بہتر ہے۔" اسرائیلیات میں چونکہ لفظ "لونڈی" کا سہارا لے کر حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسماعیلؑ کو سارہ اور حضرت اسحاقؑ کے مقابلے میں کم تر ظاہر کیا گیا ہے، اس لئے یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اس سے دراصل مقصود نبی آخرالزماںؐ کی ذاتِ اقدس پر کیچڑ اچھال کر آپ کی نبوت ہی کو مشکوک ٹھہرانا ہے۔ (نعوذ باللہ)

بنی اسرائیل کی یہ طعن آمیز فریب کاری کہ بنی اسماعیلؑ ہم سے اس لئے کمتر ہیں کہ وہ لونڈی سے ہیں اور ہم حضرت ابراہیمؑ کی بیوی سارہ سے، صحیح نہیں۔ تورات ہی کی روایات سے ثابت ہے کہ حضرت اسماعیلؑ کے بارے میں بنی اسرائیل کے بہتان بے جا ہیں۔ انہوں نے آپ کے متعلق جو من گھڑت باتیں وضع کر لی ہیں، ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ کور باطنی، تنگ نظری اور اسلام سے تعصب کا دخل ضرور ہے جو ان کی گھٹی میں پڑا ہوا ہے کہ اسی کی وجہ سے سارہ نے بے بس و مجبور ہاجرہ کو اپنے معصوم جگر گوشہ اسماعیلؑ کے ساتھ خانہ بدر کر دیا۔ حضرت ابراہیم انہیں وادیٔ القدس میں لائے۔ ایک تھیلی کھجور اور ایک پانی مشکیزہ دے کر واپس چلے گئے۔ ہاجرہ ان کے پیچھے پیچھے یہ کہتی چلیں: "آپ ہمیں اس بے آب و گیاہ مقام پر چھوڑ کر کہاں چلے؟" جس مقدس ماں کے نقوش قدم کا اتباع آج ہر مسلمان کے لئے حج و عمرہ کا مقام رکھتا ہے، جس معصوم بچے کی ایڑیوں کی رگڑ سے ابدالآباد تک جاری رہنے والا چشمہ پھوٹ نکلا، اور جس ماں کے حکم سے اس چشمے کا پانی ٹھہر جائے (زم زم) اس کی بے بضاعتی اور کم ہمتی کا نقشہ جس طرح تورات میں کھینچا گیا ہے، وہ اس کے مصنفوں کی فطری پستی اور تعصب کا مرقع ہے۔

پھر جس طرح تورات میں ذبحِ عظیم کا واقعہ حضرت اسحاقؑ کے سر منڈھا گیا ہے، وہ بھی بنی اسرائیل کی فریب کاری اور بدنیتی کا کھلا ثبوت ہے۔ کتاب پیدائش کے باب ۲۲ کے یہ فقرات ملاحظہ کیجئے:

"ان باتوں کے بعد یوں ہوا کہ خدا نے ابراہیم کو آزمایا اور اسے کہا کہ تو اپنے بیٹے، ہاں اپنے اکلوتے بیٹے کو جس کو تو پیار کرتا ہے، اضحاق کو لے اور زمین موریاہ میں جا اور اسے وہاں پہاڑوں میں سے ایک، جو میں تجھے بتاؤں گا، سوختنی قربانی کے لئے چڑھا۔ تب خداوند کے فرشتے نے دوبارہ آسمان پر سے ابراہیم کو پکارا اور کہا کہ خداوند فرماتا ہے، اس لئے کہ تو نے ایسا کام کیا اور اپنا بیٹا، اپنا اکلوتا ہی بیٹا دریغ نہ رکھا۔"

اس عبارت میں "اکلوتے بیٹے" کے ساتھ "اضحاق" کا پیوند یقیناً ایجاد بندہ ہے۔ اس وقت اکلوتے بیٹے تو صرف حضرت اسماعیلؑ تھے۔ دوسرے فرزند حضرت اسحاقؑ کی ولادت کے وقت حضرت اسماعیلؑ کی عمر چودہ برس تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ واقعۂ قربانی حضرت اسحاقؑ کی ولادت سے پہلے ظہور پذیر ہوا اور زمین "موریاہ" کی بجائے "مقام منیٰ" کو اس کا شرف بخشا گیا۔

یہی ذبیح اللہ حضرت اسماعیلؑ عرب قوم کے جدامجد ہیں۔ آپ کی اولاد "بنی اسماعیل" کہلائی اور حجاز، شام، عراق، فلسطین میں پھیلی۔ آپؑ ہی کے سلسلے سے نبی آخرالزماں حضرت محمد ﷺ کا ظہور ہوا۔ بنی اسرائیل نے اپنی مقدس کتابوں میں حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسماعیلؑ کے بارے میں من گھڑت باتیں اس لئے روایت کیں کہ ان کی زد پیغمبر اسلامؐ پر پڑے، حتیٰ کہ انہوں نے اس بشارت کو بھی تورات سے حذف کر دیا جو آنحضور ﷺ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو دی تھی۔ ان حقائق کے پیش نظر یہ کہنا حق بجانب ہے کہ اسرائیلی یہود اور اسماعیلی عربوں کے درمیان آج جس مناقشت اور خوں ریزی کا بازار گرم ہے، اس کی جڑیں چار ہزار سال پرانی ہیں۔ سارہ کے دل کی کسک آج بھی یہود کے سینے میں خون بن کر دوڑ رہی ہے اور وہ ہاجرہ کی اولاد کو آج بھی فلسطین سے دربدر کر کے بے آب و گیاہ صحراؤں میں مارنے اور تڑپانے کے درپے ہیں۔

حضرت یعقوبؑ: بنی اسرائیل کے بانی

بنی اسرائیل کے بانی حضرت یعقوبؑ حضرت ابراہیمؑ کے پوتے اور حضرت اسحاقؑ کے بیٹے تھے۔ جب حضرت اسحاقؑ کی عمر چالیس سال کی ہوئی تو انہوں نے ایک آرامی خاتون رفقہ سے شادی کر لی۔ ان کی یہ زوجہ بانجھ نکلیں، جس کی بناء پر بیس سال کا عرصہ گزر جانے کے باوجود ان کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی۔ چنانچہ حضرت اسحاقؑ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی۔ مقررہ مدت گزرنے کے بعد دو جڑواں بچے پیدا ہوئے: عیسو اور یعقوب۔

اپنے بڑے بھائی عیسو سے ناچاقی کے بعد حضرت یعقوبؑ کے لئے ترک وطن کرنا ناگزیر ہو گیا۔ چنانچہ وہ اپنی والدہ کے کہنے پر حاران (فدان) چلے گئے جہاں ان کے ماموں لابان کی سکونت تھی۔ ماموں نے ان کی خوب آؤ بھگت کی اور سات سال تک ان کے ہاں ٹھہر کر بکریاں چرانے کی شرط پر ان کی اپنی بڑی بیٹی لیہ (Leah) سے اور پھر اسی شرط پر اپنی چھوٹی بیٹی راخیل سے نکاح کر دیا۔ حضرت یعقوب کے بارہ بیٹے تھے جو دو بیویوں اور دو باندیوں سے پیدا ہوئے۔ راخیل کے بطن سے یوسفؑ اور بن یامین پیدا ہوئے۔

حضرت یعقوبؑ کے حالات سے بھی اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ بائبل میں تحریف کی گئی ہے۔ تحریف ہی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ علمائے یہود نے اپنی تفسیروں میں اللہ کے اس برگزیدہ نبی پر خوب تنقید کی ہے۔ ان کی تفسیر دو مرکزی تصورات کے گرد گھومتی ہے:

۱) حضرت یعقوبؑ کی خاندانی رقابت اور کثرت ازواج کے پیدا کردہ مسائل اور رنج و غم

۲) خدا کی رفاقت و شراکت کی قدرت جو اچھے یا برے افعال کے ساتھ بدلتی رہتی ہے۔

"مفسرین بائبل حضرت یعقوبؑ کو "حق مارنے والا" کہتے ہیں، کیونکہ اس نے اپنے بڑے بھائی عیسو کا پہلوٹھے کا حق مارا تھا۔ اس لحاظ سے وہ کوئی قابل تقلید نمونہ نہیں۔ اس نے اپنے بھائی عیسو اور اپنے باپ اضحاق دونوں سے ناجائز فائدہ اٹھایا۔ خاندان میں پہلوٹھے کو تین برکات ملتی تھیں: خاندان اور قبیلے کی سربراہی، وراثت میں دوگنا حصہ، خاندان اور قبیلے کی کہانت (علم و نجوم) کی سرداری۔ اگرچہ یعقوب چھوٹا تھا مگر پیشین گوئی ہو چکی تھی کہ اسے پہلوٹھے کا حق ملے گا، لیکن وہ اس بات کا انتظار کرنے کے لئے تیار نہ تھا کہ خدا کو اپنا ارادہ اور منصوبہ پورا کرنے دے۔ اس نے چار طرح سے گناہ کیا۔ اول خدا پر بھروسہ نہ کیا کہ وہ اپنے ارادے اور منصوبے کو اپنے وقت پر پورا کرے۔ دوم اس نے باپ کی نافرمانی کی اور اسے دھوکا بھی دیا۔ سوم اس نے عیسو کے برے وقت سے فائدہ اٹھایا اور بڑی زبردست سودے بازی کی۔ چہارم اس نے وقت سے پہلے وعدہ کو چھین لیا۔ اس کی دلیل یہ تھی کہ اچھا نتیجہ حاصل کرنے کے لئے برائی کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔" (مفسر بائبل، مورس بلیکارڈ)

پھر مفسر صاحب نے ان چاروں گناہوں کی تفصیل بیان کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکالا ہے:

"اپنی کئی ایک شرمناک باتوں کے باوجود یہ خاندان خدا کو منظور تھا۔ اسی سے بارہ قبیلوں کا آغاز ہونا تھا۔ ان بارہ قبیلوں سے وہ قوم ابھرنی تھی جس میں مسیح کو پیدا ہونا تھا..... بائبل مقدس کے مفسرین نے لوگوں کے حالات بڑی سچائی سے بیان کئے۔ دنیا کی کوئی کتاب اپنے مشاہیر اور بزرگوں کی خامیاں بیان کرنے میں اتنی صاف گو نہیں جتنی کہ بائبل ہے۔"

حضرت یعقوبؑ کی شخصیت کے خلاف یہودیوں کی بہتان تراشی اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ انجیل محرف کی کتاب پیدائش کے باب ۳۵' آیت ۲۲ میں حضرت یعقوبؑ کے بڑے بیٹے روبن پر الزام لگایا گیا کہ اس نے اپنے باپ کی بیوی سے زنا کیا اور باپ نے اسے کچھ نہ کہا: ''روبن نے جا کر اپنے باپ کی حرم بلہاہ سے مباشرت کی اور اسرائیل کو یہ معلوم ہو گیا۔''

اس کے برعکس قرآن مجید کا طریقہ یہ ہے کہ انبیائے کرام کا ذکر اور اُن کے کارناموں اور کاموں کا تذکرہ انتہائی عقیدت و احترام سے کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت یعقوبؑ کا ذکر بھی ان برگزیدہ انبیاء میں کیا گیا ہے جو اللہ کی بارگاہ میں بطورِ خاص مقرب تھے۔ اس بناء پر ان کو بارگاہِ خداوندی سے اسرائیل (اسرا: عبد'ایل: اللہ) کا لقب ملا اور ان کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی۔ قرآن مجید سے مترشح ہوتا ہے کہ وہ مستقل شریعت پر عمل پیرا تھے' جو شریعت ابراہیمی تھی اور انہوں نے لوگوں کو اس کی دعوت بھی دی۔ غالباً ان کو اہل کنعان (فلسطین) کی طرف مبعوث کیا گیا تھا۔ اسلامی ادبیات میں ان کا ذکر ایک غم زدہ' مبتلائے مصیبت اور انتہائی صابر و شاکر نبی کے طور پر تمثیلی پیرائے میں کثرت سے ملتا ہے۔

حضرت یوسفؑ پر کیا گزری؟

حضرت یعقوبؑ کے بعد نبوت ان کے فرزند حضرت یوسفؑ کو ودیعت ہوئی۔ آپ کی ولادت ۱۹۰۶ قبل مسیح کے لگ بھگ ہوئی' اور ۱۸۹۰ ق م کے قریبی زمانے میں وہ واقعہ پیش آیا جن سے ان کے حالاتِ زندگی پر پہلی روشنی پڑتی ہے' یعنی خواب دیکھنا اور پھر کنوئیں میں پھینکا جانا۔ اس وقت حضرت یوسفؑ کی عمر سترہ برس تھی۔ جس قافلے نے انہیں کنوئیں سے نکالا' وہ شرق اردن سے آ رہا تھا اور مصر کی طرف عازم تھا۔

مصر پر اس زمانے میں فراعنہ کے پندرہویں خاندان کی حکومت تھی' جو مصر کی تاریخ میں چرواہے بادشاہوں (ہیکسوس) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ عرب تھے اور فلسطین و شام سے مصر جا کر دو ہزار قبل مسیح کے لگ بھگ زمانے میں سلطنت مصر پر قابض ہو گئے تھے۔ عرب مورخین نے ہیکسوس کے لئے ''عمالیق'' کا نام استعمال کیا ہے۔ مصر میں یہ لوگ اجنبی حملہ آور کی حیثیت رکھتے تھے اور ملک کے اندرونی نزاعات کے سبب سے انہیں وہاں اپنی بادشاہت قائم کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ یہی سبب ہوا کہ ان کی حکومت میں حضرت یوسفؑ کو عروج حاصل کرنے کا موقع ملا اور پھر بنی اسرائیل وہاں ہاتھوں ہاتھ لئے گئے۔ ملک کے بہترین زرخیز علاقے میں آباد کئے گئے اور ان کو وہاں بڑا اثر و رسوخ حاصل ہوا' کیونکہ وہ ان غیر ملکی حکمرانوں کے ہم جنس تھے۔

پندرہویں صدی قبل مسیح کے اواخر تک یہ لوگ مصر پر قابض رہے اور ان کے زمانے میں ملک کا سارا اقتدار عملاً بنی اسرائیل کے ہاتھ میں رہا۔ اسی دور کی طرف سورۂ مائدہ کی آیت ۲۰ میں ارشاد کیا گیا ہے:

> ''یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ: اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی اس نعمت کا خیال کرو جو اس نے تمہیں عطا کی تھی۔ اس نے تم میں نبی پیدا کئے' تم کو فرماں روا بنایا اور تم کو وہ کچھ دیا جو دنیا میں کسی کو نہ دیا تھا۔''

عین عروج کے بعد ملک میں ایک زبردست قوم پرستانہ تحریک اٹھی۔ مصر کے اصلی باشندوں (قبطیوں) نے غیر ملکی ''چرواہوں'' کو مصر سے باہر نکالنے کی تحریک چلائی اور ہیکسوس اقتدار کا تختہ الٹ دیا۔ ڈھائی لاکھ کی تعداد میں یہ لوگ ملک سے نکال دیئے گئے اور ایک نہایت متعصب قبطی نسل کا خاندان برسرِ اقتدار آ گیا۔ انہوں نے عمالقہ کے لوگوں اور ان کی یادگاروں کو چن چن کر ختم کر دیا' اور بنی اسرائیل پر ان مظالم و شدائد کا سلسلہ شروع کیا جن کا ذکر حضرت موسیٰؑ کے حالات میں ملتا ہے۔

اس زمانے میں مصر کا دارالحکومت ممفس تھا جس کے کھنڈر قاہرہ کے جنوب میں چودہ میل کے فاصلے پر پائے جاتے ہیں۔ حضرت یوسفؑ تقریباً اٹھارہ سال کی عمر میں مصر پہنچے۔ دو تین سال عزیزِ مصر فوطیفار کے گھر رہے۔ آٹھ نو سال جیل میں گزارے۔ تیس برس کی عمر میں ملک کے وزیراعظم ہوئے اور ۸۰ سال تک مسلسل بلاشرکت غیرے تمام مملکت مصر پر حکومت کرتے رہے۔ اپنی حکومت کے نویں یا دسویں سال انہوں نے حضرت یعقوبؑ کو اپنے پورے خاندان کے ساتھ مصر سے بلا لیا اور اس علاقے میں آباد کیا جو دمیاط اور قاہرہ کے درمیان واقع ہے۔ بائبل میں اس علاقے کا نام جشن بتایا گیا ہے۔

QURAN COLLEGE OF ARTS & SCIENCE
Registered & Recognised by the BISE Lahore

دنیوی اور دینی تعلیم کا حسین امتزاج

قرآن کالج آف آرٹس اینڈ سائنس

نگران و سرپرست : ڈاکٹر اسرار احمد

Classes:

- **FA** (Arts Group)
- **FA** (General Science)
- **I.Com** (Banking/Computer)
- **ICS** (Math+Stat+Computer Science)
- **ICS** (Math+Physics+Computer Science)
- **BA** (Ecomomics+Maths)
- **BA** (Other Combination)

- ایک مکمل تعلیمی و تربیتی پروگرام
- بورڈ اور یونیورسٹی کے نصاب تعلیم کی معیاری تدریس
- لاہور کے خوبصورت اور پرسکون علاقے میں شاندار عمارت
- ہم نصابی سرگرمیوں میں تحریر و تقریر پر خصوصی توجہ
- وسیع و عریض' قابل دید' ایئر کنڈیشنڈ آڈیٹوریم
- بنیادی دینی تعلیم کا خصوصی اہتمام
- آڈیو اور ویڈیو سہولتوں سے آراستہ
- انتہائی محنتی اور قابل اساتذہ
- مثالی نظم و ضبط
- ہاسٹل کی محدود سہولت' فرنشڈ کمرے
- کمپیوٹر ایپلیکیشنز میں Office 2000 کی لازمی اور مفت تعلیم

مزید تفصیلات کے لئے درج ذیل پتے سے پراسپکٹس طلب کیجئے

قرآن کالج ۱۹۱ اتاترک بلاک' نیوگارڈن ٹاؤن' لاہور ☎ : 5833637

حضرت یوسف ؑ کے ذاتی حالات اور اس زمانے کے معاشرتی کوائف کے بارے میں قرآن مجید میں ان کے نام سے منسوب ایک الگ سورت موجود ہے۔ ان کو یہ فخر حاصل ہے کہ اپنے پردادا حضرت ابراہیم ؑ کی طرح ان کے نام پر بھی قرآن مجید کی ایک مکمل سورت نازل ہوئی ہے۔ قرآن مجید نے حضرت یوسف ؑ کے واقعات زندگی کو ''احسن القصص'' کہا ہے' جن سے ہر مسلمان واقفیت رکھتا ہے۔ یہاں بنی اسرائیل کا سلسلہ ملانے کے لئے اختصار کے ساتھ صرف اس وقت کا ذکر (بائبل کی زبان میں) پیش کیا جا رہا ہے جب حضرت یعقوب ؑ اپنے وزیراعظم بیٹے یوسف ؑ کے بلاوے پر مصر پہنچتے ہیں:

اور برادران یوسف اپنے وزیراعظم بھائی سے ملاقات کے بعد مصر سے روانہ ہوئے اور ملک کنعان (فلسطین) میں اپنے باپ یعقوب کے پاس پہنچے اور اس سے کہا' یوسف اب تک جیتا ہے اور وہی سارے ملک کا حاکم ہے' اور یعقوب کا دل دھک سے رہ گیا' کیونکہ اس نے یقین نہ کیا۔ تب انہوں نے اسے وہ سب باتیں جو یوسف نے ان سے کہی تھیں' بتائیں اور جب یعقوب نے وہ گاڑیاں دیکھ لیں جو یوسف نے اس کے لانے کو بھیجی تھیں' تب اس کی جان میں جان آئی۔ اور اسرائیل کہنے لگا' یہ بس ہے کہ میرا بیٹا یوسف اب تک جیتا ہے۔ میں اپنے مرنے سے پیشتر جا کر اسے دیکھ تو لوں گا۔

اور اسرائیل اپنا سب کچھ لے کر چلا اور بیرسبع میں آ کر اپنے باپ اضحاق کے خدا کے لئے قربانیاں گزاریں...... تب یعقوب بیرسبع سے روانہ ہوا اور اسرائیل کے بیٹے اپنے باپ یعقوب کو اور اپنے بال بچوں اور اپنی بیویوں کو ان گاڑیوں پر لے گئے جو فرعون نے ان کے لانے کو بھیجی تھیں۔ اور وہ اپنے چوپایوں اور سارے مال و اسباب کو جو انہوں نے ملک فلسطین میں جمع کیا تھا' لے کر مصر میں آئے اور یعقوب کے ساتھ اس کی ساری اولاد تھی۔ وہ اپنے بیٹوں اور بیٹیوں اور پوتوں اور پوتیوں غرض اپنی کل نسل کو اپنے ساتھ مصر میں لے آیا۔ یعقوب کے صلب سے جو لوگ پیدا ہوئے اور اس کے ساتھ مصر میں آئے' وہ اس کی بہوؤں کو چھوڑ کر شمار میں چھیاسٹھ تھے۔ اور یوسف ؑ کے دو بیٹے تھے جو مصر میں پیدا ہوئے۔ سو یعقوب کے گھرانے کے جو لوگ مصر میں آئے وہ سب مل کر اڑسٹھ ہوئے۔

حضرت یوسف ؑ نے انہیں فرعون کی اجازت اور رضامندی سے جشن کے علاقے میں آباد کیا۔ رعمسیس کے علاقے کو جو ملک مصر کا نہایت زرخیز خطہ ہے' ان کی جاگیر ٹھہرایا اور یوسف ؑ اپنے باپ اور بھائیوں اور اپنے باپ کے گھر کے سب آدمیوں کی پرورش ایک ایک کے خاندان کی ضرورت کے مطابق اناج سے کرنے لگا۔

اور یعقوب ملک مصر میں سترہ برس اور جیا۔ سو یعقوب کی کل عمر ایک سو سینتالیس برس کی ہوئی۔ اور اسرائیل کے مرنے کا وقت نزدیک آیا۔ تب اس نے اپنے بیٹے یوسف کو بلا کر اس کو وصیت کی کہ میں اپنے لوگوں میں شامل ہونے پر ہوں۔ مجھے میرے باپ دادا کے پاس اس مغارہ میں جو عفرون حتی کے کھیت میں ہے دفن کرنا' یعنی جو ملک فلسطین میں مکفیلہ کے کھیت میں ہے جسے ابراہیم نے عفرون حتی سے مول لیا تھا تاکہ قبرستان کے لئے وہ اس کی ملکیت بن جائے۔ وہاں انہوں نے ابراہیم کو اور اس کی بیوی سارہ کو دفن کیا۔ وہیں انہوں نے اضحاق اور اس کی بیوی ربقہ کو دفن کیا' اور وہیں میں نے بھی اپنی بیوی لیاہ کو دفن کیا۔

یوسف ؑ نے اپنے طبیبوں کو اپنے باپ کی لاش میں خوشبو بھرنے کا حکم دیا۔ اس کے چالیس دن پورے ہوئے کیونکہ خوشبو بھرنے میں اتنے ہی دن لگتے ہیں۔ جب ماتم کے دن گزر گئے تو یوسف ؑ نے فرعون کے گھر والوں سے اجازت لی اور یوسف اپنے باپ کو دفن کرنے چلا۔ یعقوب کے بیٹوں نے اس کی وصیت کے مطابق ملک فلسطین میں لے جا کر مکفیلہ کے قبرستان میں دفن کیا۔

اور یوسف اپنے باپ کو دفن کر کے اپنے بھائیوں اور ان کے ساتھ جو اس کے باپ کو دفن کرنے کے لئے اس کے ہمراہ گئے تھے' مصر کو لوٹا۔ اور یوسف کے بھائی یہ دیکھ کر کہ ان کا باپ مر گیا' کہنے لگے کہ یوسف شاید ہم سے دشمنی کرے اور ساری بدی کا' جو ہم نے اس سے کی ہے' پورا بدلہ لے۔ سو انہوں نے یوسف کو یہ کہلا بھیجا کہ تیرے باپ نے اپنے مرنے سے پہلے یہ حکم کیا تھا کہ تم یوسف ؑ سے کہنا کہ اپنے بھائیوں کی خطا اور ان کا گناہ بخش دے' کیونکہ انہوں نے تجھ سے بدی کی۔ سو اب تو اپنے باپ کے خدا کے بندوں کی خطا بخش دے۔ اور یوسف ؑ ان کی یہ باتیں سن کر رو دیا اور اس کے بھائیوں نے خود بھی اس کے سامنے جا کر اپنے سر ٹیک دیئے اور کہا' دیکھو ہم تیرے خادم ہیں۔

یوسف ؑ نے ان سے کہا' مت ڈرو۔ کیا میں خدا کی جگہ پر ہوں۔ تم نے تو مجھ سے بدی کرنے کا ارادہ کیا تھا' لیکن خدا نے اسی سے نیکی کا قصد کیا' تاکہ بہت سے لوگوں کی جان بچائے۔ چنانچہ آج کے دن ایسا ہی ہو رہا ہے' اس لئے تم مت ڈرو۔ میں تمہاری اور تمہارے بال بچوں کی پرورش کرتا رہوں گا۔ یوں اس نے اپنی ملائم باتوں سے ان کی خاطر جمع کی۔

اور یوسف ؑ اور اس کے باپ کے گھر کے لوگ مصر رہے' اور یوسف ایک سو دس برس تک جیتا رہا۔ اور یوسف ؑ نے اپنے بیٹے افرائیم کی اولاد تیسری پشت تک دیکھی' اور اپنے دوسرے بیٹے کی اولاد کو بھی یوسف ؑ نے اپنے گھٹنوں پر کھلایا۔ یوسف ؑ نے وفات سے پہلے اپنے خاندان والوں سے یہ عہد لیا کہ وہ مجھ کو مصر میں دفن نہ کریں گے' بلکہ خدا کا یہ وعدہ پورا ہو کہ بنی اسرائیل دوبارہ فلسطین یعنی ابراہیم ؑ اور اسحاق ؑ اور یعقوب ؑ کی سرزمین میں واپس ہوں تو میری ہڈیاں وہیں لے جا کر سپرد خاک کرنا۔ چنانچہ انہوں نے وعدہ کیا اور جب یوسف ؑ کا انتقال ہو گیا تو ان کو حنوط (ممی) کر کے تابوت میں محفوظ رکھ دیا گیا۔ جب بنی اسرائیل حضرت موسیٰ ؑ کے زمانے میں مصر سے نکلے تو اس تابوت کو بھی ساتھ لیتے گئے اور آباؤ اجداد کی سرزمین ہی میں لے جا کر سپرد خاک کر دیا۔

حضرت یوسفؑ کے بعد جب مصر میں اصل مصریوں (قبطیوں) کے ہاتھ دوبارہ اقتدار آیا تو نئی قوم پرست حکومت نے یہودیوں کا زور توڑنے کے لئے انہیں بری طرح ذلیل و خوار کیا۔ انہیں غلام بنا کر ادنیٰ درجے کی خدمات کے لئے مخصوص کر دیا گیا۔

مصر سے بنی اسرائیل کی ہجرت

حضرت یوسف ؑ کے وصال کے چار سو تیس سال کے بعد بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ ؑ نبوت سے سرفراز ہوئے۔ آپ مصر میں ۱۵۷۱ قبل مسیح کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ ان چار صدیوں کے دوران میں بنی اسرائیل نے مصری اصنام کی پرستش شروع کر دی۔ ان کی تعداد اڑسٹھ سے بڑھ کر چھ لاکھ بلکہ اس سے کچھ زیادہ ہو گئی' لیکن بنی اسرائیل مصری تہذیب و تمدن میں ڈھل نہ سکے' جسے اہل مصر نے ممی سازی' اہرام کی تعمیر' ساحری اور کاغذ کی صنعت کے علاوہ فن تحریر اور تعلیم و تربیت کے کمال تک پہنچا دیا تھا۔ حضرت یوسف ؑ کی وفات بنی اسرائیل کی عظمت و اقتدار کی موت ثابت ہوئی اور وہ فرعونوں کے درباروں ہی سے نہیں' شہروں سے بھی نکال دیئے گئے' جہاں انہوں نے چرواہے بن کر زندگی بسر کرنا شروع کی۔ ان کی ہوا میں لہراتی ہوئی لمبی لمبی ڈاڑھیاں اور لمبے لمبے کرتے انہیں مصریوں سے ممیز کرتے۔ انہیں اپنے ذاتی اعمال اور قول و فعل کی بجائے اپنے اجداد کی سلسلہ وار فخر نبوت پر فخر تھا

لیکن اہل مصر کے لئے یہ شان امتیاز چنداں وقیع نہ تھی۔

چنانچہ ردعمل کے طور پر مصر میں قوم پرستی کی تحریک شروع ہوئی۔ حضرت یوسفؑ کا عہد گزر جانے کے بعد قبطیوں (اصل مصری) کے ہاتھ جب دوبارہ اقتدار آیا تو نئی قوم پرست حکومت نے بنی اسرائیل کا زور توڑنے کی پوری کوشش کی تھی۔ اس سلسلے میں صرف اتنے ہی پر اکتفا نہ کیا گیا کہ اسرائیلیوں کو ذلیل و خوار کیا جاتا' بلکہ انہیں غلام بنا کر ادنیٰ درجے کی خدمات کے لئے مخصوص کر دیا گیا۔ گھریلو کام کاج' کھیتی باڑی اور تعمیراتی کاموں پر لگا دیا گیا۔ حکومت نے یہ پالیسی اختیار کی کہ بنی اسرائیل کی تعداد گھٹائی جائے اور ان کے لڑکوں کو قتل کر کے صرف ان کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دیا جائے' تا کہ رفتہ رفتہ ان کی عورتیں قبطیوں کے تصرف میں آتی جائیں اور ان سے اسرائیلی کی بجائے قبطی نسل پیدا ہو۔ بائبل کی کتاب خروج کے پہلے باب میں درج ہے:

> "اور فرعون نے اپنے لوگوں سے کہا کہ دیکھو بنی اسرائیل کے لوگ ہم سے زیادہ اور قوی تر ہیں۔ آؤ' ہم ان سے دانشمندانہ معاہدہ کریں' تا کہ ایسا نہ ہو کہ جب اور زیادہ ہوں اور جنگ پڑے تو وہ ہمارے دشمنوں سے مل جائیں اور ہم سے لڑیں اور ملک سے نکل جائیں۔"

اسرائیلی لڑکیوں کو لونڈیاں بنا کر قبطیوں کے حوالے کرنے کا سرکاری فیصلہ بھی کیا گیا۔ لیکن امرائے مصر نے اس فیصلے کے خلاف فرعون وقت سے فریاد کی کہ اگر اسرائیلیوں کی تمام اولادِ نرینہ ختم کر دی گئی تو آئندہ غلام کہاں سے آئیں گے' اور ان کی کھیتی باڑی اور کاروبار کا کیا بنے گا۔ اس پر فرعون نے اپنے حکم پر نظرثانی کی اور اعلان کیا کہ ایک سال چھوڑ کر دوسرے سال پیدا ہونے والے اسرائیلی لڑکوں کو قتل کر دیا جائے۔ حضرت ہارونؑ کی ولادت اس سال ہوئی جو چھوڑنے کا تھا اور حضرت موسیٰؑ قتل کے سال پیدا ہوئے۔

اللہ تعالیٰ کو حضرت موسیٰؑ سے کام لینا تھا' اس لئے اپنی قدرت کاملہ کا اظہار فرما کر آپ کو زندہ رکھا۔ فرعون کے گھر میں پالا۔ آپ کا نام قبطی زبان میں رکھوایا۔ فرعون رعمسیس دوم کی بیوی آسیا نے شاہی محل میں آپ کی تعلیم و تربیت کروائی۔ اس کے باوجود آپ کے سینے میں اپنے اسرائیلی بھائیوں کے مصائب و آلام کا غم موجزن ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی والدہ کو انا بنا کر شاہی محل میں پہنچایا اور آپ کو اپنے بچے کو دودھ پلانے پر مامور کیا۔ یہود کی محبت نے آپ کو یہاں تک بے تاب کیا کہ جب ایک قبطی کو ایک اسرائیلی پر سختی کرتے ہوئے دیکھا تو برداشت نہ کر سکے۔ آپ نے مشتعل ہو کر اس قبطی کو گھونسا مارا تو وہ موقع ہی پر دم توڑ گیا۔ آپ کے جرم کا شہرہ سارے شہر میں پھیل گیا اور آپ جزیرہ نمائے سینا میں روپوش ہو گئے۔ وہاں سے آپ ارض مدین میں پہنچے جہاں آپ کی شادی حضرت شعیبؑ کی بیٹی سے ہوئی اور آپ بطور مہر دس برس تک حضرت شعیبؑ کی خدمت میں رہے۔ گیارھویں برس اپنی بیوی کو لے کر مصر کی طرف روانہ ہوئے۔ جب وادئ سینا میں پہنچے تو تاریک رات کی ٹھنڈک میں آگ کی ضرورت پیش آئی۔ آپ نے دیکھا کہ کوہ طور پر ایک شعلہ بھڑک رہا ہے۔ چنانچہ اس کی طرف چلے۔ قریب ہوئے تو دیکھا کہ ایک سرسبز درخت شعلوں میں لپٹا ہوا ہے' لیکن آگ کے ضرر سے محفوظ ہے۔ حیرت ہوئی تو ندا آئی: "میں ہوں اللہ تمام جہانوں کا پروردگار"۔

الغرض یہاں حضرت موسیٰؑ نبوت سے سرفراز ہوئے اور علم الٰہی کے سامنے اپنے علم کو ہیچ پا کر ید بیضا اور عصا کے معجزات سے نوازے گئے۔ چنانچہ وہ موسیٰؑ جو دس سال پہلے جان بچانے کے لئے مصر سے بھاگ کر جزیرہ نمائے سینا میں پناہ گزیں ہوئے تھے' جو ایک زمانے میں فرعون کے شاہی محل میں کھیلتے تھے' جنہوں نے بچپن کی آسائشوں اور راحتوں سے بنی اسرائیل کی غلامی اور ذلت کا شعور حاصل کیا تھا' جب طور سے مصر کو چلے تو خلعت نبوت کے باعث آپ کے قدموں میں ایک عزم و استقلال تھا۔ آپ کو یقین تھا کہ آپ اپنے اسرائیلی بھائیوں کے نجات دہندہ ہوں گے اور اس مقصد کے لئے آپ کو تائید ایزدی مل چکی ہے۔

جب آپ دوبارہ مصر پہنچے تو آپ نے بنی اسرائیل کو اللہ کا پیغام سنایا۔ آپ نے انہیں بتایا کہ وہ انبیاء کی اولاد ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے خاص الخاص بندے ہیں' وہ بندے جن کو "یہوا" نے اپنے لئے چن لیا ہے۔ بنی اسرائیل غلامی کے لئے نہیں' ساری دنیا کی رہبری و رہنمائی کے لئے مقرر کئے جا چکے ہیں۔ اب انہیں مصریوں کی غلامی سے نجات پا کر اس ارض مقدس کو لوٹنا ہو گا جہاں دودھ اور شہد کی نہریں بہتی ہیں۔

حضرت موسیٰؑ کا پیغام بڑا خوش آئند تھا' لیکن ان کے دل فراعنہ کے رعب و جلال سے خوفزدہ تھے۔ چند نوجوانوں کے سوا بنی اسرائیل کی پوری قوم میں سے کوئی بھی اس بات پر آمادہ نہ ہوا کہ حضرت موسیٰؑ کو اپنا رہبر و پیشوا مان کر ان کی پیروی اختیار کر لیتا۔ سورہ یونس کی آیت ۸۳ میں آیا ہے:

> "موسیٰؑ کو اس کی قوم میں سے چند نوجوانوں کے سوا کسی نے نہ مانا' فرعون کے ڈر سے اور خود اپنی قوم کے سربرآوردہ لوگوں کے ڈر سے' جنہیں خوف تھا کہ فرعون ان کو عذاب میں مبتلا کرے گا' اور واقعہ یہ ہے کہ فرعون زمین میں غلبہ رکھتا تھا اور وہ ان لوگوں میں سے تھا جو کسی حد پر رکتے نہیں ہیں۔"

بنی اسرائیل کے اس طرز عمل کی اصل وجہ یہ نہ تھی کہ انہیں حضرت موسیٰؑ کے صادق ہونے اور ان کی دعوت کے برحق ہونے میں کوئی شک تھا' بلکہ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ اور خصوصاً ان کے اکابر و اشراف حضرت موسیٰؑ کا ساتھ دے کر اپنے آپ کو فرعون کی سخت گیری کے خطرے میں

COME & READ
GO & LEAD
HIRA SCHOOL
English Medium
Highly qualified and trained teaching faculty
ADMISSION OPEN
For Session 2002-2003
HIRA
MONTESSORI
Based on the fundamental Principles of LONDON SCHOOL OF MONTESSORI EDUCATION
Shaped and developed Under the Islamic Perspectives and teachings
DEPARTMENT OF HIFZ-E-QUR'AN
Separate Classes for Boys & Girls
Coaching of School Course and Computer along with the HIFZ
Complete Revision program with school students after completion of HIFZ
Primary Section & Senior Girls Branch
Montessori Section & Senior Boys Branch

ڈالنے کے لئے تیار نہ تھے۔ اگرچہ یہ لوگ نسلی اور مذہبی دونوں حیثیتوں سے ابراہیم' اسحاق' یعقوب اور موسیٰ علیہم السلام کے امتی تھے' لیکن چار صدیوں کے اخلاقی انحطاط نے اور اس پست ہمتی نے جو غلامی سے پیدا ہوئی تھی' ان میں اتنا حوصلہ نہ چھوڑا تھا کہ کفر و ضلالت کی فرماں روائی کے مقابلے میں ایمان و ہدایت کا پرچم لے کر خود اٹھتے یا جو اٹھا تھا' اس کا ساتھ دیتے۔

حضرت موسیٰؑ اور فرعون کی اس کشمکش میں عام اسرائیلیوں کا طرزِ عمل کیا تھا' اس کا اندازہ بائبل کی اس عبارت سے ہوسکتا ہے:

"جب وہ فرعون کے پاس سے نکلے آ رہے تھے تو ان کو موسیٰ ؑ اور ہارونؑ ملاقات کے لئے راستے پر کھڑے ملے۔ تب انہوں نے ان سے کہا کہ خداوند ہی دیکھے اور تمہارا انصاف کرے۔ تم نے تو ہم کو فرعون اور اس کے خادموں کی نگاہ میں ایسا گھنونا کیا ہے کہ ہمارے قتل کے لئے ان کے ہاتھ میں تلوار دے دی ہے۔" (خروج: باب ششم: آیات ۲۰'۲۱)

تلمود میں لکھا ہے کہ بنی اسرائیل موسیٰؑ اور ہارونؑ سے کہتے تھے:

"ہماری مثال تو ایسی ہے جیسے ایک بھیڑیے نے بکری کو پکڑا اور چرواہے نے آ کر اس کو بچانے کی کوشش کی اور دونوں کی کشمکش میں بکری کے ٹکڑے اڑ گئے۔ بس اسی طرح تمہاری اور فرعون کی کھینچا تانی میں ہمارا کام ہو کر رہے گا۔"

ان باتوں کی طرف سورہ اعراف کی آیت ۱۲۹ میں بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ سے کہا:

"تیرے آنے سے پہلے بھی ہم ستائے جاتے تھے اور اب تیرے آنے پر بھی ستائے جارہے ہیں۔ اس نے جواب دیا: قریب ہے وہ وقت کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور تم کو زمین میں خلیفہ بنائے۔ پھر دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔"

حضرت موسیٰؑ دو چیزوں کی دعوت لے کر فرعون کے پاس گئے۔ ایک یہ کہ وہ اللہ واحد کی بندگی قبول کرے۔ دوسرے یہ کہ بنی اسرائیل کی قوم کو جو پہلے سے مسلمان تھی' اپنے پنجۂ ظلم سے رہا کر دے۔ لیکن فرعون تو خود خدا بنا بیٹھا تھا۔ را کا بیٹا' سورج' عظیم سورج کا فرزند۔ وہ تمام دیوی دیوتاؤں' تمام اصنام' تمام خداؤں سے روگردانی کر کے ایک' صرف ایک ان دیکھے خدا "یہوا" کو کیسے مان لیتا۔ "یہوا" — جس کی آواز کو سنا' جس سے ہم کلام ہوا' جس کا عکس دیکھا تو ایک موسیٰؑ نے۔ موسیٰ ؑ ' جادوگر موسیٰ ؑ ' جس کا عصا اژدہا بن جاتا اور جس کی ہتھیلی سورج کی طرح چمک اٹھتی تو لوگوں کی آنکھیں چندھیا جاتیں۔ مصر میں خداؤں کی کمی نہ تھی۔ اگر یہوا ان کے درمیان اپنا بت بنوانے کے لئے تیار ہو جاتا تو کوئی جھگڑا نہ تھا' اور جس کا جی چاہتا اسے بھی پوجتا' لیکن ستم یہ تھا کہ یہوا کا پیغام دینے والا یہودی فرعون ہی کے گھر کا پروردہ تھا۔ غلاموں کے جھونپڑوں میں جنم لینے والے موسیٰ ؑ کے کہنے پر سورج کا فرزند' مصر کا عظیم فرعون اور اس کے زبردست کاہن سب کے سب اپنے عقائد بدل لیں اور اپنے غلاموں کے غلام ہو جائیں' اور اپنے تمام عظیم الشان بتوں کو ڈھا دیا جائے اور ان کے مندروں کو مسمار کر دیا جائے — نہیں' یہ کیسے ہوسکتا تھا۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ کو باغی قرار دے دیا گیا کہ آخر ایک شخص کے ذاتی کردار کی عظمت اور اس کے تمام اسرائیلی بھائی بندوں کی بے غیرتی' بے حیائی اور ذلت کو دیکھ کر تمام اہل مصر اس کے سامنے کیسے جھک جاتے۔ بنی اسرائیل کا وجود اہل مصر کے اقتدار کے لئے ضروری تھا' لیکن ان کی عادات و اطوار گھناؤنے تھے اور وہ خود طرح طرح کی جسمانی بیماریوں کا شکار تھے' جن میں سب سے شدید کوڑھ کی بیماری تھی۔ مصریوں کا خیال تھا کہ ان کے دیوتا اس نجس اور ناپاک قوم کو مٹانے کے لئے وہ بیماریاں اور وبائیں نازل کر رہے تھے جو اس زمانے میں شدت اختیار کر گئیں۔

اس کے برعکس حضرت موسیٰؑ کا دعویٰ یہ تھا کہ "یہوا" کے حکم سے مصری قوم پر عذاب ڈھایا جا رہا ہے۔ عجب کشمکش و پیچ کا عالم تھا۔ تاہم مصریوں کو ان غلاموں کی ضرورت تھی جو ان کی معیشت' کاروبار اور کھیتی باڑی کے علاوہ شان و شوکت کا ذریعہ بھی تھے۔ چنانچہ جب حضرت موسیٰؑ اپنی قوم کو لے کر نکلے تو فرعون نے اپنی فوج کے ساتھ ان کا تعاقب کیا۔ قوم کی اخلاقی حالت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے ساتھ مصری آقاؤں کے زیورات اور مال و دولت بھی اٹھا لائی۔ بحیرۂ احمر میں اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی فوجوں کو غرق کر دیا' لیکن بنی اسرائیل نے اس موقع پر جس بے کرداری کا مظاہرہ کیا' وہ اس وقت بھی شرمناک تھا اور آج بھی ذلت و پستی کے لحاظ سے اپنی مثال آپ ہے۔

بحیرۂ احمر کے کنارے جب فرعون کی فوجیں بنی اسرائیل کے سر پر پہنچ چکی تھیں' تو وہ حضرت موسیٰ ؑ سے اس بات پر جھگڑ رہے تھے کہ سمندر میں ہمارے لئے بارہ رستے پیدا کئے جائیں تاکہ ہر قبیلہ اپنے اپنے راستے سے ہو کر سفر کرے۔ ایک ہی راستے پر سب کا چلنا ان کے لئے قابل قبول نہ تھا۔ لیکن اسی پر بس نہیں' بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے جب اپنے اپنے راستے پر گامزن ہوئے تو انہیں سمندر کے پانی کی بلند موجوں (والی دیوار) کی وجہ سے دوسرے قبیلے دکھائی نہ دیتے تھے۔ انہیں گمان ہوا کہ کہیں ہمارے دوسرے قبیلے ڈوب ہی نہ گئے ہوں۔ چنانچہ اب یہ تقاضا ہوا کہ سمندر کی موجوں میں سے ان کو دوسرے قبیلے دکھائے جائیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ ؑ کے رب نے اپنی رحمتِ خاص سے یہ مطالبہ بھی پورا کیا۔

اس قبائلی ذہنیت اور جہالت سے بنی اسرائیل کی نفسیات کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے۔ انہوں نے فرعون کو اپنے تعاقب میں دیکھا تو حضرت موسیٰؑ سے کہا:

"کیا مصر میں قبریں نہ تھیں جو تو ہم کو مرنے کے لئے بیاباں میں لے آیا ہے۔ تو نے ہم سے یہ کیا کیا کہ مصر سے نکال لایا۔ کیا ہم تم سے مصر میں یہ بات نہ کہتے تھے کہ ہم کو رہنے دے کہ ہم مصریوں کی خدمت کریں' کیونکہ ہمارے لئے مصریوں کی خدمت کرنا بیاباں میں مرنے سے بہتر ہوتا۔"
(خروج: باب ۱۴)

اور جب بحیرہ قلزم سے باہر نکلے تو مصری فوج فرعون سمیت غرق ہو چکی تھی "اور اسرائیلیوں نے مصریوں کو سمندر کے کنارے مرے ہوئے پڑے دیکھا۔"

یہ اور دوسرے محیر العقول معجزات کو رونما ہوتا دیکھ کر بھی بنی اسرائیل کو ہوش نہ آیا۔ قلزم سے نکل کر ان کی عورتوں نے دف پر خوشی کے گیت گائے۔ حضرت موسیٰؑ نے قوم کو جمع کیا اور فرمایا: "یہوا کا حکم ہے' وہ میں ہوں جس نے تم کو اس زبردست فتنے سے نجات دی۔ سو میرا شکر ادا کرو اور میری ہی بندگی کرو۔"

اس کے بعد حضرت موسیٰ ؑ نے انہیں ساتھ لے کر سینا کی راہ لی۔ راستے میں ایک بستی آئی جس میں صنم پرست پوجا پاٹھ میں لگے ہوئے تھے۔ بنی اسرائیل نے انہیں دیکھا تو کہنے لگے: "اے موسیٰ! جیسے ان لوگوں کے معبود بت ہیں' ایسے ہی ہمارے لئے بھی بنا دے۔ تو حضرت موسیٰؑ نے کہا: افسوس تم پر' بلاشبہ تم جاہل قوم ہو۔" حضرت موسیٰؑ کے اس ردعمل پر مزید تبصرے کی گنجائش نہیں۔

بنی اسرائیل نے بحر قلزم پار کر کے بیابانِ شور "سینا" میں قدم رکھا جو لق و دق' بے آب و گیاہ میدان ہے۔ یہاں شدید گرمی پڑتی ہے۔ دور دور تک پانی اور سبزے کا نشان تک نہیں۔ اس لئے بنی اسرائیل گھبرا اٹھے اور حضرت موسیٰؑ سے فریاد کرنے لگے کہ ہم پانی کہاں سے پئیں۔ ہم تو بلاوجہ پیاس سے تڑپ تڑپ کر مر جائیں گے۔ حضرت موسیٰ ؑ نے بارگاہِ الٰہی میں التجا کی تو حکم ہوا کہ اپنا عصا زمین پر مارو۔ تعمیلِ ارشاد پر بارہ چشمے ابل پڑے تاکہ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے اپنے اپنے چشمے سے پانی پئیں۔ پانی کا مسئلہ حل ہوا تو کھانے کا سوال پیدا ہو گیا۔ چنانچہ من و سلویٰ نازل فرمایا گیا۔ "من" شبنم کی طرح آسمان سے برستا تھا اور کھانے میں نہایت خوش ذائقہ تھا۔ "سلویٰ" بٹیر کی قسم کے پرندے تھے جو زمین پر آ بیٹھتے تھے۔ بنی اسرائیل ان کو

آسانی سے پکڑ لیتے تھے اور بھون کر کھاتے تھے۔ لیکن ان نعمتوں کے لئے شرط یہ تھی کہ ان کا ذخیرہ نہ کیا جائے۔ بنی اسرائیل اس سادہ سی ہدایت پر بھی کاربند نہ ہو سکے اور انہوں نے لالچ کی بنا پر ذخیرہ اندوزی شروع کر دی۔ کھانے پینے کے مسائل سے فراغت ملی تو گرمی کی شدت نے ستایا۔ اب سایہ ناپید تھا' اور سفر میں قیام بھی ممکن نہ تھا' اس لئے شور وغوغا برپا ہوا کہ یہ گرمی اور تپش ہمارے لئے ناقابل برداشت ہے۔ ہم ایسے مذہب کا پیروکار بننے سے باز آئے۔ حضرت موسیٰؑ نے دعا فرمائی اور آسمان پر بادلوں کے پرے کے پرے سایہ فگن ہو گئے۔ چنانچہ بنی اسرائیل سفر کرتے تو یہ سائبان ان کے سروں پر ساتھ ساتھ چلتا۔ حضرت موسیٰؑ کے طفیل اللہ تعالیٰ کی یہ بندہ نوازی بھی بنی اسرائیل کو شاکر وصابر نہ بنا سکی۔ آخر اس عجیب الفطرت قوم نے اپنی بوالعجبی کا مظاہرہ کیا اور مل کر حضرت موسیٰؑ سے شکایت کرنے آئے کہ ہم روز ایک ہی غذا کھاتے کھاتے تنگ آ گئے ہیں۔ اپنے خدا سے دعا کرو کہ وہ ہمارے لئے زمین سے کھیرا' ککڑی' مسور' لہسن' پیاز جیسی چیزیں اگائے۔ "کیا خدا اس بیابان میں مائدہ نازل کر سکتا ہے؟" (زبور: نغمہ ۷۸) حضرت موسیٰؑ نے جواب دیا: "کیا تم بہتر اور عمدہ چیز کے بدلے گھٹیا چیز کے خواہش مند ہو؟ اچھا' کسی شہر میں جاؤ۔ جو کچھ تم مانگتے ہو' وہاں مل جائے گا۔" (سورہ بقرہ: آیت ۶۰)

یہ عالم تھا کہ حضرت موسیٰؑ کو عطائے شریعت کے لئے طور پر طلب فرمایا گیا۔ آپ اپنی قوم سے تیس دن کی میعاد مقرر فرما کر گئے' لیکن اعتکاف کی مدت میں دس دن کا اضافہ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم کلامی کا شرف بخشا۔ آپ نے دیدار کا تقاضا کیا تو تجلی کا ظہور ہوا۔ آپ کو تورات عطا کی گئی اور "الواح" پر ہر نصیحت اور ہر حکم کی تفصیل لکھی ہوئی دی گئی۔ آپ یہ الواح لے کر اپنی قوم میں آئے تو وہ گوسالہ پرستی میں مشغول تھی۔ آپ حضرت ہارونؑ سے ناراض ہوئے اور بقول تورات' اس کی سزا کے طور پر تین ہزار اسرائیلیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ کمال یہ ہے کہ "مصنفین تورات" نے گوسالہ کے پجاریوں کو تو سزائے موت دینا ضروری سمجھا' لیکن حضرت ہارونؑ پر اس صنم سازی کا بہتان باندھ کر بھی انہیں بری الذمہ قرار دیا۔ حقیقت وہی ہے جو قرآن حکیم میں بیان فرمائی گئی کہ اس جرم کا مرتکب سامری تھا۔

اب حضرت موسیٰؑ نے قبائل کے سربراہوں کو جمع کیا۔ ان سے "یہوا" کا اقرار کرایا اور اس معاہدے پر حلف لیا جس کا اعادہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے سورۂ توبہ کی آیت ۱۱۱ میں فرمایا ہے۔ لیکن علمائے یہود اس سے منکر ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ دس احکام ہیں جو شریعت موسوی یا "احکام عہد" کے نام سے موسوم ہیں۔ قرآن مجید واضح طور پر کتاب اور فرقان کی تخصیص فرماتا ہے' جو حضرت موسیٰؑ کو چلہ کشی کے بعد عطا کی گئیں۔

"اور ہم نے موسیٰؑ کو کتاب اور حق و باطل میں تمیز کرنے والی چیز (فرقان) عطا کی' تاکہ تم ہدایت پاؤ۔" (سورہ بقرہ: آیت ۵۳)

خود "عہد نامہ عتیق" میں کتاب استثناء کے باب ۲۷ میں حکم ہے: "اور ان پتھروں پر اس تورات کی تمام آیتوں کو جلی خط میں لکھو۔" حالانکہ احکام کی الواح جو حضرت موسیٰؑ طور سے لائے تھے' قوم کی گوسالہ پرستی کو دیکھ کر آپ نے زمین پر پٹخ دی تھیں اور وہ ٹوٹ گئی تھیں۔ انجیل بھی اس کی تصدیق کرتی ہے کہ تورات کی آیات کو بنی اسرائیل نے خود پتھروں پر لکھا: "بنی اسرائیل نے بموجب حکم موسیٰؑ' ایک مذبح بنایا اور اس کے پتھروں پر تورات کو لکھ دیا۔"

بہرکیف بنی اسرائیل نے عہد کیا کہ وہ "یہوا" کے قوانین پر عمل کریں گے' زکوٰۃ دیں گے اور اس کے عوض "یہوا" ہر خطرے اور مشکل میں ان کی دست گیری کرے گا۔ وہ انہیں ارض موعود میں پہنچا کر اپنی خاص نعمتوں سے نوازے گا۔ اس بیعت اور یقین دہانی کے بعد حضرت موسیٰؑ نے قبۂ عبادت اور تابوتِ شہادت بنانے کا حکم دیا جس کی تفصیلات تورات میں درج ہیں:

"حکم دیا گیا ہے کہ یہوا کے لئے شمشاد یا شیشم کی لکڑی کا ایک صندوق بنائیں' جس کا طول ڈھائی ہاتھ اور عرض اور اونچائی ڈیڑھ ڈیڑھ ہاتھ ہو' اور اندر اور باہر اس پر سونے کے پترے چڑھائے جائیں' اور اس کے گرد طلائی کلس ہوں اور سونے کے چار حلقے ڈھلے ہوئے دو ایک طرف' دو ایک طرف لگائے جائیں۔ اور شمشاد ہی کی لکڑی کی دو چوبیں بنا کر ان پر بھی سونا منڈھا جائے اور وہ چوبیں صندوق اٹھانے کی غرض سے ان حلقوں میں ڈال دی جائیں۔ عہد نامہ اسی صندوق میں رکھا جائے۔"

صحرائے سینا (وادیٔ تیہہ) میں مارے مارے پھرنے والے بنی اسرائیل نے صندوقِ شہادت' قبۂ عبادت و وحی اور قربان گاہ بنانے کی یہ اور اس قسم کی دوسری شرائط کیسے پوری کیں' یہ تو ایک الگ موضوع ہے' تاہم بقول تورات ایک چلتا پھرتا ہیکل تیار کیا گیا جو "یہوا کا گھر" تھا۔ اب بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کے نمائندے اسے قافلے کے آگے آگے لے کر چلتے۔ سر پر بادلوں کا سایہ ہوتا اور وہ تورات کی آیات گاتے ہوئے بڑھتے جاتے۔ جوں جوں وہ فلسطین کی سرزمین کے قریب پہنچتے گئے' صحرا کی وسعتیں سمٹتی گئیں اور سرسبز وادیاں ابھرنے لگیں۔ خود رو اناج' ہرے بھرے درخت' پھول پھل اور پانی کے ذخیرے دیکھ کر ان کی باچھیں کھل گئیں۔ سفر کی صعوبتیں اور مصر کی حسین یادیں قصۂ پارینہ ہو گئیں۔ پہاڑیوں کے دامن میں انہوں نے اپنے خیمے نصب کئے' اور ہر قبیلے سے ایک ایک جوان لے کر قوم "جبارین" کی جاسوسی پر روانہ کیا جو ارضِ مقدس پر قابض تھی۔ چھ ہفتوں کے بعد یہ جاسوس پلٹے تو معلوم ہوا کہ زمین واقعی زرخیز ہے۔ پھل بافراط پائے جاتے ہیں۔ زمین پر دودھ اور شہد کی نہریں بہتی ہیں' لیکن شہروں کے لوگ جنات کی طرح قد آور' تناور اور بہادر ہیں جن کا مقابلہ اسرائیلیوں کے بس کا روگ نہیں۔ شہروں کے چاروں طرف بڑی فصیلیں ہیں جن کو سر کرنا بہت مشکل ہے۔

"سرزمین موعود" میں خوشحالی کے امکانات نے ان کے حوصلے جتنے بلند کئے تھے' جبارین کی طاقتوری نے اتنے ہی پست بھی کر دیئے۔ یقیناً جنگ کرنا ہو گی۔ لیکن جنگ ہی کرنا تھی تو وہ مصری قوم سے لڑتے' جس نے ان کے نومولود بچوں کو ماؤں کی گود سے چھین کر قتل کیا تھا۔ حضرت موسیٰؑ نے تو کچھ اور وعدہ کیا تھا۔ غرضیکہ بنی اسرائیل سخت پریشان ہو گئے۔ وہ لڑ کر مرنے کو تیار نہ تھے۔ موسیٰؑ اور یہوا جائیں اور فلسطین کے بہادروں سے لڑیں' ملک فتح کر کے ہمارے حوالے کریں۔ ہم ایسے خدا کو نہیں مانتے جو خود تو تماشائی بنا بیٹھا رہے اور ہمیں مرنے کے لئے تنہا چھوڑ دے۔

حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کو بہتیرا سمجھایا لیکن وہ اپنی ضد پر اڑے رہے۔ انہوں نے چلانا شروع کر دیا: "اس سے تو فرعون کی غلامی ہی بہتر تھی۔ کاش ہم صحرا ہی میں مر جاتے۔ کیا یہوا ہمیں اسی لئے مصر سے لایا تھا کہ ہمیں دشمنوں کے تیروں کا نشانہ بنائے اور ہمارے بیوی بچوں کو

یہودیوں نے فرعون کو اپنے تعاقب میں دیکھا تو حضرت موسیٰؑ سے کہا: "کیا مصر میں قبریں نہ تھیں جو تو ہم کو مرنے کے لئے بیابان میں لے آیا ہے! تو نے ہم سے یہ کیا کیا کہ مصر سے نکال لایا۔ کیا ہم تم سے مصر میں یہ بات نہ کہتے تھے کہ ہم کو رہنے دے کہ ہم مصریوں کی خدمت کریں' کیونکہ ہمارے لئے مصریوں کی خدمت کرنا بیابان میں مرنے سے بہتر ہوتا۔"

فلسطینیوں کا غلام بنا دے۔'' رات بھر وہ اسی بزدلی کا مظاہرہ کرتے رہے' اور جب دن نکلا تو فلسطینیوں نے ان پر دھاوا بول دیا۔ بنی اسرائیل نے شکست کھائی۔ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے اور صحرا میں پناہ گزیں ہوئے۔ ''یہوا'' نے ان کو یہ سزا دی کہ چالیس برس تک صحرا میں سرگرداں پھرتے رہیں اور انہیں انسانی بستیوں کی راہ تک نہ ملے۔

یہ چالیس برس حضرت موسیٰؑ نے توبہ و استغفار میں گزارے۔ عتابِ الٰہی سے نجات کی اور کوئی صورت نہ تھی۔ بنی اسرائیل چالیس برس تک (۱۵۴۱ تا ۱۴۹۱ ق م) مارے مارے پھر رہے تھے اور حضرت موسیٰؑ ان کے پیچھے پیچھے مغفرت کی التجائیں کرتے ہوئے چلتے رہتے۔ لوگوں کو آپ سے گلہ تھا کہ انہیں کس عذاب میں مبتلا کر دیا۔ سبز باغ دکھا دکھا کر بے پناہ مصائب کے جہنم میں دھکیل دیا۔ اگرچہ ''عہد نامہ'' کی رو سے وہ اپنی جانیں ''یہوا'' کے حوالے کر چکے تھے' لیکن ان کا رونا تو یہ تھا کہ حضرت موسیٰؑ نے انہیں بے موت مروا دیا۔ تورات و قرآن متفق ہیں کہ ان لوگوں نے حضرت موسیٰؑ کی شان میں بے حد گستاخیاں کیں۔ تورات کی روایت ہے کہ اللہ کا غضب جوش میں آیا اور ان میں سے کئی زمین میں زندہ دھنس گئے۔

چالیس برس کے بعد اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہوا۔ مغضوب قوم کے افراد مر کھپ گئے۔ ان کے بیٹے جوان ہو کر فلسطین پر حملہ آور ہوئے' لیکن اس وقت جب حضرت موسیٰؑ کا وصال ہو چکا تھا۔

حضرت موسیٰؑ کی وصیت

حضرت موسیٰؑ نے وفات سے چند روز قبل بنی اسرائیل کو ایک وصیت کی تھی' جس کا ذکر قرآن مجید میں سورۂ ابراہیم کی آیت ۷ میں آیا ہے:

''اور یاد رکھو! تمہارے رب نے خبردار کر دیا تھا کہ اگر شکر گزار بنو گے تو میں تم پر اور زیادہ نوازشات کروں گا۔ اگر ناشکری کرو گے تو میری سزا بہت سخت ہے۔''

اس وصیت کے سلسلے میں حضرت موسیٰؑ کی تقریر بائبل کی کتاب استثناء میں تفصیل کے ساتھ نقل کی گئی ہے' جس میں انہوں نے بنی اسرائیل کو ان کی تاریخ کے سارے اہم واقعات یاد دلائے اور تورات کے وہ تمام احکام دہرائے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے بنی اسرائیل کو بھیجے تھے۔ اس تقریر کے بعض مقامات کمال درجے کے موثر اور عبرت انگیز ہیں' مثلاً:

- ''...... اور اگر تُو خدا کی بات کو خلوصِ دل سے مان کر اس کے احکامات پر عمل کرے گا تو تیرا خدا دنیا کی سب قوموں سے زیادہ تجھ کو سرفراز کرے گا...... لیکن اگر تُو ایسا نہ کرے' خدا کی بات سن کر اس اثر کے سب احکامات پر عمل نہ کرے گا تو یہ سب کی لعنتیں تجھ پر ہوں گی' اور تجھ کو لگیں گی۔ شہر میں بھی تو لعنتی ہو گا اور کھیت میں بھی لعنتی۔ وبا تجھ سے لپٹی رہے گی...... آسمان جو تیرے سر پر ہے پیتل کا' اور زمین جو تیرے نیچے ہے' لوہے کی ہو جائے گی۔ خدا تجھے تیرے دشمنوں کے سامنے زیر کرے گا' زبردست شکست دلائے گا...... عورت سے منگنی تو تُو کرے گا' مگر اس سے مباشرت دوسرا کرے گا۔ تُو گھر بنائے گا' مگر اس میں بس نہ پائے گا۔ تو تاکستان لگائے گا' لیکن اس کا پھل نہ کھا سکے گا۔ تیرا بیل تیرے سامنے ذبح کیا جائے گا۔ تُو بھوکا پیاسا' ننگا اور سب چیزوں کا محتاج ہو کر اپنے ان دشمنوں کی خدمت کرنے پر مجبور ہو جائے گا جن کو خدا تیرے خلاف بھیجے گا' اور غنیم تیری گردن پر لوہے کا جوا رکھے گا جب تک وہ تیرا ستیاناس نہ کر دے۔ خدا تجھ کو زمین کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک تمام قوموں میں پراگندہ کرے گا۔''

حضرت یوشع بن نون

جب حضرت موسیٰؑ اپنی قوم کو ارضِ مقدس لے جانا چاہتے تھے اور بنی اسرائیل عمالقہ سے لڑنے سے جی چراتے تھے' اس وقت صرف دو خدا ترس آدمیوں نے آپ کا ساتھ دیا (مائدہ ۲۱ تا ۲۵)۔ یہ یوشع اور کالب ہیں۔ یوشع حضرت یوسفؑ کے پوتے ہیں۔ انہوں نے ۱۴۵۱ ق م میں بیت المقدس (یروشلم) پر حملہ کیا۔ اس وقت یہاں متعدد مشرک قومیں آباد تھیں: حتی' اموری' کنعانی' فرزی' یبوسی' فلسطی وغیرہ۔ ان میں بدترین شرک پایا جاتا تھا۔ ساری خدائی بہت سے معبودوں میں بٹ کر رہ گئی تھی۔ ان دیویوں اور دیوتاؤں کی طرف ایسے ایسے ذلیل اوصاف اعمال منسوب تھے کہ اخلاقی لحاظ سے انتہائی بدکردار انسان بھی ان کے ساتھ مشتہر ہونا پسند نہ کرے گا۔ ان کے ہاں بچوں کی قربانی کرنے کا عام رواج تھا۔ ان کی عبادت گاہیں فحاشی اور زناکاری کے اڈے بنی ہوئی تھیں۔ عورتوں کو دیوداسیاں بنا کر عبادت گاہوں میں رکھنا اور ان سے بدکاری کرنا عبادت میں شامل تھا۔

تورات میں حضرت موسیٰؑ کے ذریعے ان قوموں کے سلسلے میں جو ہدایات بنی اسرائیل کو دی گئی تھیں' ان میں صاف صاف کہہ دیا گیا تھا کہ یہ قومیں چونکہ ناقابلِ اصلاح ہو چکی ہیں' اس لئے تم ان کو ہلاک کر کے ان کے قبضے سے فلسطین کی سرزمین چھین لینا اور ان کے ساتھ رہنے بسنے اور ان کی اخلاقی و اعتقادی خرابیوں میں مبتلا ہونے سے پرہیز کرنا' لیکن بنی اسرائیل نے فلسطین میں داخل ہونے کے بعد ان ہدایات کو پس پشت ڈال دیا۔ انہوں نے اپنی کوئی متحدہ سلطنت قائم نہ کی۔ اپنی اپنی قبائلی عصبیت کے باعث ہر قبیلے نے اس بات کو پسند کیا کہ مفتوحہ علاقوں کا ایک ایک حصہ لے کر الگ ہو جائے۔ اس طرح فلسطین کا مختصر سا علاقہ بنی اسرائیل کے بارہ قبائل میں تقسیم ہو گیا۔

اس تقسیم' تفرقہ بازی اور باہمی نفاق اور انتشار کی وجہ سے بنی اسرائیل کا کوئی قبیلہ بھی اتنا طاقتور نہ ہو سکا کہ اپنے علاقے کو مشرکین سے پاک کر دیتا۔ آخرکار انہیں یہ گوارا کرنا پڑا کہ مشرکین اُن کے ساتھ رہیں اور ان میں رچ بس جائیں۔ اس کا پہلا خمیازہ بنی اسرائیل کو یہ بھگتنا پڑا کہ ان قوموں کے اندر تمام اخلاقی مفاسد' فحاشی اور عیاشی کے طور طریقے اور شرک و بدعت کی رسمیں ان کے اندر گھس آئیں۔ دوسرا خمیازہ انہیں یہ بھگتنا پڑا کہ جن قوموں کی شہری ریاستیں انہوں نے چھوڑ دی تھیں' انہوں نے فلسطینیوں کے ساتھ مل کر' جن کا علاقہ غیر مفتوح رہ گیا تھا' بنی اسرائیل کے خلاف ایک متحدہ محاذ قائم کر لیا اور پے در پے حملے کر کے فلسطین کے بڑے حصے سے ان کو بے دخل کر دیا' حتیٰ کہ ان سے خداوند کے عہد کا صندوق (تابوتِ سکینہ) تک چھین کر لے گئے۔

اہلِ مصر کی صدیوں کی غلامی نے بنی اسرائیل کی ذہنیت کو جس حد تک بگاڑ دیا تھا' اُس کا اندازہ اس بات سے بہ آسانی کیا جا سکتا ہے کہ مصر سے نکل آنے کے ۷۰ سال کے بعد' جبکہ بنی اسرائیل نے فلسطین میں آباد مشرکین کی پیروی میں بت پرستی شروع کر دی تھی' حضرت موسیٰؑ کے خلیفہ اول حضرت یوشع بن نون نے ایک مجمع عام میں بنی اسرائیل سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''تم خوفِ خدا رکھو اور نیک نیتی اور صداقت کے ساتھ اس کی پرستش کرو اور ان دیوتاؤں سے دور ہٹو جن کی پرستش تمہارے باپ دادا دریا کے پار مصر میں کرتے رہتے تھے اور صرف خدا کی

آخر اس عجیب الفطرت قوم نے اپنی بوالعجبی کا مظاہرہ کیا اور مل کر حضرت موسیٰؑ سے شکایت کرنے آئے کہ ہم روز ایک ہی غذا کھاتے کھاتے تنگ آ گئے ہیں۔ اپنے خدا سے دعا کرو کہ وہ ہمارے لئے زمین سے کھیرا' ککڑی' مسور' لہسن' پیاز جیسی چیزیں اگائے۔

پرستش کرو۔ اگر اس کی پرستش تمہیں بری معلوم ہوتی ہے تو آج ہی تم اسے چن لو' جس کی پرستش کرو گے...... اب رہی میری اور میرے گھرانے کی بات' سو ہم تو خداوند ہی کی پرستش کرتے رہیں گے''۔

اس تقریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ چالیس سال تک حضرت موسیٰؑ اور اٹھائیس سال تک حضرت یوشعؑ کی تربیت و رہبری میں زندگی بسر کر لینے کے بعد بھی یہ قوم اپنے باطن میں ان اثرات کو نہ نکال سکی جو فراعنہ مصر کی بندگی اور غلامی کے دور میں اس کی رگ رگ کے اندر اتر گئے تھے۔

آخرکار زوال پزیر بنی اسرائیل کو اپنے نبی حضرت موسیٰؑ کی ہدایات یاد آ ہی گئیں' اور اب انہیں ایک ''طاقتور بادشاہ'' کے تحت اپنی متحدہ سلطنت قائم کرنے کی ضرورت شدت سے محسوس ہوئی۔ بنی اسرائیل کی اس متحدہ سلطنت کے تین فرماں روا ہوئے' حضرت طالوت' حضرت داؤد' حضرت سلیمان۔ ان تینوں نے اس کام کو مکمل کیا جسے بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ کے بعد نامکمل چھوڑ دیا تھا۔

بنی اسرائیل کا پہلا بادشاہ: طالوت!

حضرت موسیٰؑ کے بعد بنی اسرائیل کے انبیائے کرام کا طویل سلسلہ ہے جو حضرت عیسیٰؑ تک پہنچا ہے۔ پانچ ساڑھے پانچ صدیوں پر محیط اس دور میں کس قدر انبیاء و رسل مبعوث ہوئے' ان کی صحیح تعداد اللہ ہی کو معلوم ہے۔ فلسطین' بیت المقدس اور مملکتِ اسرائیل کے حوالے سے ایک اہم نبی حضرت سیموئیلؑ ہیں۔

اس وقت بنی اسرائیل پر عمالقہ غالب ہو گئے تھے اور انہوں نے مقامی اقوام کے ساتھ مل کر اسرائیلیوں سے فلسطین کے اکثر علاقے اور ''تابوتِ سکینہ'' تک چھین لئے تھے۔ بنی اسرائیل کے بزرگ جمع ہو کر حضرت سیموئیلؑ کے پاس آئے اور کہا کہ آپ بوڑھے ہو چکے ہیں اور آپ کے بیٹے آپ کے نقش قدم پر نہیں' اس لئے اب آپ کسی کو ہمارا بادشاہ مقرر کر دیں' جو ہم پر حکومت کرے۔ سیموئیلؑ نبی نے انہیں بادشاہوں اور شخصی حکمرانوں کی کمزوریاں اور خرابیاں بیان کرتے ہوئے خبردار کیا: ''دیکھو' وہ تمہارے بیٹوں کو لے جائے گا اور انہیں اپنا غلام بنا لے گا۔ اپنے رتھوں اور گھوڑوں کے لئے اُن سے کام لے گا اور اپنے رتھ کے آگے آگے انہیں دوڑائے گا۔ وہ انہیں ہزاری پلٹنوں اور پچاس پچاس کے دستوں پر سالار مقرر کرے گا اور انہیں اپنی زمینوں پر ہل چلانے اور اپنے کھیتوں کی کٹائی پر لگائے گا۔ ان سے جنگیں لڑے گا اور تمہاری لڑکیوں کو مطبخ میں رکھے گا کہ طرح طرح کے پکوان پکائیں۔ اور وہ تمہارے کھیت' تمہارے انگوروں کے باغ' تمہارے زیتون کے درخت تم سے چھین لے گا اور اپنے ملازموں میں بانٹ دے گا' اور وہ تمہارے خادموں اور کام کرنے والی لڑکیوں اور بہادروں اور گدھوں کو زبردستی ہانک کر لے جائے گا اور اپنے کام میں لائے گا۔ وہ تمہاری بھیڑوں کا عشر مانگے گا اور تم اُس کے چاکر بن کر رہ جاؤ گے۔ اور تم اُس دن کو روؤ گے جس دن تم نے اسے اپنا بادشاہ چنا تھا اور تمہارا رب تمہاری فریاد نہیں سنے گا''۔

لیکن لوگوں نے سیموئیلؑ نبی کی آواز پر کان نہ دھرے اور کہا: ''نہیں' ہم بادشاہ مانگتے ہیں تا کہ ہم بھی دوسری قوموں کی طرح ہو جائیں تا کہ ہمارا بادشاہ بھی ہمارے ساتھ انصاف کرے اور ہمارا رہبر ہو اور ہماری جنگیں لڑے (سیموئیل۔ باب ۸)

چنانچہ سیموئیلؑ نبی نے ساؤل بن قیس کو بنی اسرائیل کا بادشاہ مقرر کیا۔ پھر لوگوں کو آدابِ سلطنت بتائے اور اس کے بارے میں ایک کتاب لکھی۔ باسٹھ برس کی عمر میں وہ انتقال کر گئے۔ قرآن مجید نے اس بادشاہ کا نام طالوت بتایا ہے' جسے بائبل میں ساؤل لکھا گیا ہے۔ یہ قبیلہ بن یمین کا ایک تیس سالہ نوجوان تھا۔ بہت خوبصورت' وجیہ و شکیل اور ایسا قد آور تھا کہ لوگ اُس کے کندھے تک آتے تھے۔ اپنے باپ کے گم شدہ گدھے کو ڈھونڈنے نکلا تھا۔ راستے میں جب سیموئیل نبی کی قیام گاہ کے قریب پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے نبی کو اشارہ کیا کہ یہی شخص ہے' جس کو ہم نے بنی اسرائیل کی بادشاہت کے لئے منتخب کیا ہے چنانچہ سیموئیل نبی اسے اپنے گھر لے آئے۔ تیل کی کپی لے کر اس کے سر پر انڈیلی اور اسے چوما اور کہا کہ خداوند نے تجھے مسح کیا' تا کہ تو اس کی میراث کا پیشوا ہو۔ اس کے بعد انہوں نے بنی اسرائیل کا اجتماع عام کر کے اس کی بادشاہی کا اعلان کیا۔ (سیموئیل۔ کتاب اوّل۔ باب ۹) طالوت کو ۱۰۲۱ قبل مسیح میں بادشاہ بنایا گیا تھا۔

''تابوتِ سکینہ'' مقدس صندوق تھا جس میں تورات کا اصل نسخہ' حضرت موسیٰؑ کا عصا اور حضرت ہارونؑ کا پیراہن اور من کا مرتبان محفوظ تھے۔ پتھر کی وہ الواح بھی تھیں جو طور سینا پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو دی تھیں۔ جب یہ صندوق یہود کے ہاتھ سے نکل گیا تو ان کی ہمت جواب دے گئی اور وہ سوچنے لگے کہ خدا کی رحمت ہم سے دور ہو گئی ہے اور اب ہمارے برے دن آ گئے ہیں۔

لیکن بنی اسرائیل کے سرکردہ لوگوں نے اس انتخاب پر اعتراض کیا اور کہا: ''ہم پر بادشاہ بننے کا وہ کیسے حق دار ہو گیا؟ اس کے مقابلے میں بادشاہی کے ہم زیادہ حق دار ہیں۔ وہ تو کوئی بڑا مالدار آدمی نہیں ہے''۔ نبی نے جواب دیا: ''اللہ نے تمہارے مقابلے میں اسی کو منتخب کیا ہے اور اس کو دماغی اور جسمانی دونوں قسم کی اہلیتیں فراوانی کے ساتھ عطا فرمائی ہیں' اور اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ اپنا ملک جسے چاہے دے' اللہ تعالیٰ بڑی وسعت رکھتا ہے اور سب کچھ اس کے علم میں ہے۔ (سورہ بقرہ۔ آیت ۲۴۷)

اگلی آیت ۲۴۸ میں یوں آیا ہے: ''اس کے ساتھ نبی نے اُن کو یہ بھی بتایا کہ خدا کی طرف سے اس کے بادشاہ مقرر ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس کے عہد میں وہ صندوق تمہیں واپس مل جائے گا' جس میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے لئے سکونِ قلب کا سامان ہے' جس میں آلِ موسیٰ اور آلِ ہارون کے چھوڑے ہوئے تبرکات ہیں''۔

یہ صندوق ''تابوتِ سکینہ'' کہلاتا ہے۔ اس متبرک صندوق میں تورات کا اصل نسخہ' حضرت موسیٰؑ کا عصا اور حضرت ہارونؑ کا پیراہن اور من کا مرتبان محفوظ تھے۔ پتھر کی وہ الواح بھی تھیں جو طور سینا پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو دی تھیں۔ بنی اسرائیل اس صندوق کو بڑا متبرک اور اپنے لئے فتح و نصرت کا نشان سمجھتے تھے۔ ایک لڑائی کے موقع پر فلسطینی مشرکین نے بنی اسرائیل سے چھین لیا تھا۔ جب یہ صندوق ان کے ہاتھ سے نکل گیا تو پوری قوم کی ہمت جواب دے گئی اور ہر ایک اسرائیلی یہ سوچنے لگا کہ خدا کی رحمت ہم سے دور ہو گئی اور اب ہمارے برے دن آ گئے۔

طالوت نے فلسطینیوں کو شکست سے دوچار کیا ''تابوتِ سکینہ'' بھی اُن سے چھین کر دوبارہ بنی اسرائیل کو واپس مل گیا۔ طالوت نے فلسطینیوں کو کیونکر شکست سے دوچار کیا۔ اُس کی تفصیل تو بہت زیادہ ہے' قرآن مجید میں سورۂ بقرہ کی آیات ۲۴۹ تا ۲۵۱ کا مطالعہ اہلِ خرد کے لئے کافی ہے (ترجمہ: ''پھر جب طالوت لشکر لے کر چلا تو اس نے کہا' ایک دریا پر اللہ کی طرف سے تمہاری آزمائش ہونے والی ہے۔ جو اس کا پانی پیئے گا وہ میرا ساتھی نہیں۔ میرا ساتھی صرف وہ ہے جو اس سے پیاس نہ بجھائے۔ ہاں ایک آدھ چلو کوئی پی لے تو پی لے''۔ مگر ایک گروہ قلیل کے سوا وہ سب اس دریا سے سیراب ہوئے۔ پھر جب طالوت اور اس کے ساتھی دریا پار کر کے آگے بڑھے تو انہوں نے طالوت سے کہہ دیا کہ آج ہم میں جالوت اور اس کے لشکر کا مقابلہ

کرنے کی طاقت نہیں ہے' لیکن لوگ یہ سمجھتے تھے کہ انہیں ایک دن اللہ سے ملنا ہے' انہوں نے کہا' بارہا ایسا ہوا ہے کہ ایک قلیل گروہ اللہ کے اذن سے ایک بڑے گروہ پر غالب آ گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے''۔ اور جب وہ جالوت اور اس کے لشکروں کے مقابلے پر نکلے تو انہوں نے دعا کی: ''اے ہمارے رب' ہم پر صبر کا فیضان کر۔ ہمارے قدم جما دے اور اس کافر گروہ پر ہمیں فتح نصیب کر''۔ آخر کار اللہ تعالیٰ کے اذن سے انہوں نے کافروں کو مار بھگایا اور داؤدؑ نے جالوت کو قتل کر دیا اور اللہ نے اسے سلطنت اور حکمت سے نوازا اور جن جن چیزوں کا چاہا' اسے علم دیا۔ اگر اس طرح اللہ انسانوں کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے ذریعے سے نہ ہٹاتا رہتا تو زمین کا نظام بگڑ جاتا' لیکن دنیا کے لوگوں پر اللہ کا بڑا فضل ہے کہ وہ اس طرح دفع فساد کا انتظام کرتا رہتا ہے''۔

داؤدؑ اس وقت ایک کم سن نوجوان تھے۔ اتفاق سے طالوت کے لشکر میں عین اس وقت پہنچے جب فلسطینیوں کی فوج کا گراں ڈیل پہلوان جالوت (Goliath) بنی اسرائیل کی فوج کو دعوت مبارزت دے رہا تھا اور اسرائیلیوں میں سے کسی کو ہمت نہ پڑتی تھی کہ اس کے مقابلے کو نکلے۔ حضرت داؤدؑ یہ رنگ دیکھ کر بے محابا اس کے مقابلے میں میدان میں جا پہنچے اور اس کو قتل کر دیا۔ اس واقعے نے انہیں تمام اسرائیلیوں کی آنکھوں کا تارا بنا دیا۔ طالوت نے اپنی بیٹی اُن سے بیاہ دی اور آخر وہی اسرائیلیوں کے فرماں روا ہوئے۔ ان کے فرماں روا بننے سے پہلے حضرت سیموئیل نبی کا انتقال ہو چکا تھا۔

حضرت داؤدؑ اور بنی اسرائیل

حضرت داؤدؑ پہلے شخص ہیں جو اللہ کے پیغمبر بھی تھے اور بادشاہ بھی۔ انبیائے کرام میں سے حضرت آدمؑ کے علاوہ حضرت داؤدؑ ہی وہ پیغمبر ہیں جن کو قرآن مجید نے ''خلیفہ'' کے لقب سے پکارا ہے۔ قرآن مجید میں آپ کا ذکر نو سورتوں میں آیا ہے' جن کی رو سے حضرت داؤدؑ کو اللہ تعالیٰ نے خاص فضیلت دی۔ پہاڑوں اور پرندوں کو ان کا مطیع بنا دیا گیا جو صبح و شام ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرتے تھے۔ حضرت داؤدؑ اور ان کے بیٹے حضرت سلیمان کو پرندوں کی بولیوں کی تعلیم اور فہم عطا کیا تھا۔ لوہے کو ان کے لئے موم کی طرح نرم کر دیا تھا اور وہ لوہے کو جس طرح چاہتے موڑ لیتے تھے۔ انہیں زرہ سازی کا فن عطا کیا گیا جس سے وہ اپنی روزی اپنے ہاتھ سے کماتے تھے۔ انہیں ایک عبرانی سلطنت عطا کی گئی تھی جس میں فلسطین' شام اور عرب کے بعض حصے شامل تھے۔ یہ سلطنت انہوں نے ۱۰۰۰ قبل مسیح میں قائم کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکمت' نبوت' خطابت اور صحیح فیصلے کی قوت بخشی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ پر زبور نازل کی تھی۔ بنی اسرائیل کی رشد و ہدایت کے لئے اصل کتاب ''تورات'' تھی' لیکن تورات کے اصول و قوانین کے اندر رہ کر زبور بھی اسرائیلیوں ہی کی رشد و ہدایت کے لئے بھیجی گئی تھی۔ زبور خدا کی حمد کی نغموں سے معمور تھی اور حضرت داؤدؑ کو اللہ تعالیٰ نے ایسا لہجہ اور طلسم خیز لحن عطا فرمایا تھا کہ جب آپ زبور کی تلاوت فرماتے تو جن و انس' حتیٰ کہ جانور اور پرندے تک وجد میں آ جاتے' اس لئے آج تک ''لحنِ داؤدی'' ضرب المثل ہے۔

قرآن مجید میں تو حضرت داؤدؑ کا وہ نقشہ کھینچا ہے جو اللہ کے نبی کے شایانِ شان ہے' لیکن علمائے یہود نے بنی اسرائیل کی کتابوں میں ان کا ایک ایسا نقشہ کھینچا ہے جسے پڑھتے ہوئے بھی ندامت ہوتی ہے۔ ان کی کتابوں کے مطابق حضرت داؤدؑ نے طالوت کی زندگی میں اپنی بادشاہت کے لئے خفیہ کارروائیاں شروع کر رکھی تھیں۔ گویا کہ انہیں نبی تسلیم کرتے ہوئے بھی یہ قوم انہیں سازشی قرار دیتے ہوئے نہیں شرماتی۔ اس سلسلے میں آپ کو فلسطینیوں سے گٹھ جوڑ کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے' جن سے مل کر آپ نے اپنے ہم وطنوں' ہم قوم اور ہم مذہب بھائیوں (یعنی اسرائیلیوں) پر چڑھائی کی۔ اس لڑائی میں آپ کو شکست ہوتی ہے اور آپ ''باغی سپاہی'' بن کر ملک کے جرائم پیشہ اور جلاوطن اوباشوں کی فوج بناتے ہیں۔ اودام کے غار کو اپنا بھٹ بنا کر اردگرد کے علاقوں پر چھاپے مارتے ہیں۔ کھاتے پیتے کسانوں کا غلہ لوٹتے ہیں۔ چرواہوں کی بھیڑیں اٹھا لاتے ہیں اور جو کوئی اپنے حق کے لئے مدافعت کرتا ہے' اسے موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں۔ یہ تصویر کھینچ کر بنی اسرائیل آپ کی تقدیس کا بھرم یہ کہہ کر رکھتے ہیں کہ لوٹ مار کی مہمات پر روانہ ہونے سے پہلے اپنے ''بت'' سے مشورہ کر لیتے جو یہوا کے احکامات اور خواہشات سے آپ کو مطلع کر دیتا۔

بنی اسرائیل کی کتب کی رو سے طالوت کی موت پر اُس کا بیٹا اسبوشت تخت نشین ہوا۔ بنی اسرائیل کے گیارہ قبیلوں نے اس کی بادشاہت کو تسلیم کیا' لیکن داؤدؑ نے اپنے لٹیروں کے گروہ اور اپنے قبیلے کی حمایت کے زور سے اکثریت کے منتخب بادشاہ پر دھاوا بول دیا۔ گویا انہیں تختِ شاہی کے سچے دعویدار کی حیثیت سے کوئی جواز حاصل نہ تھا' لیکن وہ قتل و غارت اور ناجائز حربوں سے کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اور حضرت موسیٰؑ سے ساڑھے چار سو برس کے بعد یروشلم کو فتح کر لیتے ہیں۔ یہی نہیں' وہ فلسطین کے ساحلی علاقوں اور کنعان کے میدانوں پر بھی فتح یاب ہو کر ملکِ شام پر اپنی شاہی کا ڈنکا بجواتے ہیں اور یوں فرات سے بحر قلزم تک کا سارا علاقہ ان کے زیرنگین آ جاتا ہے۔

یہ حضرت داؤدؑ کی وہ تصویر ہے جو یہود کی کتب مقدسہ میں کھینچی گئی ہے۔ یہودیوں کے نزدیک گویا ایک زانی' اوباش' غنڈہ' باغی' چور' لٹیرا اور غاصب ہونا کوئی جرم نہیں۔ یہود حضرت داؤدؑ کو اولوالعزم نبی اور صاحب زبور بھی تسلیم کرتے ہیں اور انہی کی نسل سے مسیح موعود کے بھی منتظر ہیں۔ حالانکہ شرافت اور انسانی اقدار تو رہی ایک طرف' خود شریعتِ موسوی کے اعتبار سے بھی یہ گناہ' گناہِ کبیرہ ہے۔ ان کے ایک گروہ کی مثال دیتے ہوئے انجیل محرف کی کتاب سیموئیل ثانی' باب ۱۱ میں ہے:

> ''اور شام کے وقت داؤد اپنے پلنگ پر سے اٹھ کر بادشاہی محل کی چھت پر ٹہلنے لگا اور چھت پر سے اُس نے ایک عورت کو دیکھا جو نہا رہی تھی اور وہ عورت نہایت خوبصورت تھی۔ تب داؤد نے لوگ بھیج کر اُس عورت کا حال دریافت کیا۔ کسی نے کہا' کیا وہ العام کی بیٹی بت سبع نہیں جو حتی اور یاہ کی بیوی ہے۔ اور داؤد نے لوگ بھیج کر اُسے بلا لیا۔ وہ اُس کے پاس آئی اور اُس نے اُس سے صحبت کی۔ پھر وہ اپنے گھر کو چلی گئی اور وہ عورت حاملہ ہو گئی۔ سو اُس نے داؤد کے پاس خبر بھیجی کہ میں حاملہ ہوں۔ اور داؤد نے یوآب کو کہلا بھیجا کہ حتی اور یاہ کو میرے پاس بھیج دے۔ سو یوآب نے اور یاہ کو داؤد کے پاس بھیج دیا۔''

یہ کتاب سیموئیل ثانی ایسے ناروا اور ناشائستہ قصے کہانیوں سے بھری پڑی ہے۔ اگلے ہی باب میں داؤد کا بیٹا امنون اپنی بہن تمر کو خلوت میں بلا کر کہتا ہے:

> ''اے میری بہن' مجھ سے وصل کر۔ اس نے کہا' نہیں میرے بھائی ــــ میرے ساتھ جبر نہ کر' کیونکہ اسرائیلیوں میں کوئی ایسا کام نہیں ہونا چاہئے۔ تُو ایسی حماقت نہ کر۔ اور بھلا میں اپنی رُسوائی کہاں لئے پھروں گی؟ اور تُو بھی اسرائیلیوں میں احمقوں میں سے ایک کی مانند ٹھہرے گا۔ سو تُو بادشاہ سے عرض کر' کیونکہ وہ مجھ کو تجھ سے روک نہیں رکھے گا۔ لیکن اُس نے اُس کی بات نہ مانی' اور چونکہ وہ اُس سے زور آور تھا' اس لئے اُس کے ساتھ جبر کیا اور اُس سے صحبت کی''۔ (معاذ اللہ)

اللہ کے نبی بھی ملوث' اُن کا بیٹا اور بیٹی بھی آپس میں ملوث' معاذ اللہ! اور یہ داستانیں خود اُن کی قوم نے گھڑ کر کتب مقدسہ میں شامل کر رکھی ہیں۔ سخت تعجب ہے کہ یہود کی غیرت آج بھی اس جلیل القدر صاحب کتاب پیغمبر کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے جوش میں نہیں آتی۔ حضرت علی مرتضیٰؓ نے ایسے من گھڑت قصے کہانیاں بیان کرنے پر سزا مقرر فرمائی اور حکم دیا کہ جو شخص تم میں سے حضرت داؤدؑ کا قصہ اس طور پر بیان کرے گا جس طرح یہودی قصہ گو بیان کرتے ہیں تو اُس کو ایک سو ساٹھ دُرّے ماروں گا۔ یہ

سزا ہے انبیائے کرام پر بہتان لگانے کی (اس کے راوی حضرت سعید بن المسیب ہیں)۔

حضرت سلیمانؑ اور بنی اسرائیل

حضرت سلیمانؑ، حضرت داؤدؑ کے صاحب زادے ہیں۔ آپ اپنے والد کی وفات کے بعد تیرہ سال کی عمر میں تخت سلطنت پر فائز ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت اور حکومت دونوں میں اپنے والد حضرت داؤدؑ کا جانشین بنایا۔ پھر حضرت داؤدؑ کی طرح انہیں بھی بعض خصوصی امتیازات سے نوازا اور اپنی نعمتوں میں سے بعض ایسی نعمتیں عطا فرمائیں جو اُن کی زندگی کا طغرائے امتیاز ہیں۔ قرآن مجید کی رُو سے آپ چرند پرند کی بولیاں سمجھ لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو اُن کے حق میں مسخر کر دیا تھا۔ اُن کے زیر نگیں صرف انسان ہی نہیں تھے بلکہ جنات اور حیوانات بھی تابع فرمان تھے۔ اُن سے بنی اسرائیل کا وہ مثالی اتحاد بھی منسوب ہے جو یہودیوں کو اپنی طویل تاریخ میں صرف ایک ہی مرتبہ نصیب ہوا۔ اور وہ عدل و انصاف بھی جس کی رو سے ملک میں امن و امان ہوا۔ اُن کے عہد میں صنعت و حرفت کو عروج حاصل ہوا۔ یروشلم جسے حضرت داؤدؑ نے دارالحکومت بنایا تھا، اُن کے عہد میں دولت کا فراواں خزانہ بن گیا۔ آپ نے یروشلم کو یورپ کے ساتھ تجارت کی سب سے بڑی منڈی بنا دیا۔ آپ نے دوسرے ملکوں کے تاجروں کو اپنا مال تجارت لے کر فلسطین سے گزرنے پر راضی کیا اور آس پاس کے ملکوں سے زراعت و صنعت کے تبادلے کے معاہدے کئے۔ آپ نے بحیرۂ قلزم پر کشتیوں کا بیڑا بنا کر یہود کو جہاز راں قوم بنایا، اور یوں مشرق وسطیٰ کے ممالک عقبہ کی بندرگاہ سے مصر، عرب اور افریقہ کے ساتھ تجارت کرنے لگے۔ چنانچہ آپ کے عہد میں مملکتِ اسرائیل مہذب دنیا میں باوقار مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی اور بنی اسرائیل جو ابتدا ہی سے گمراہی کے راستے پر چل رہے تھے، حضرت سلیمانؑ کے عہد میں تہذیب و شرافت کے دائرے میں آ گئے۔

لیکن تورات نے جہاں حضرت سلیمانؑ کی عقل و دانش، تدبر و حکمت اور شاہانہ عظمت و جلالت کو خراج عقیدت پیش کیا ہے، وہاں اُن کی ذات کو ملوث کرنے میں بھی کسی دریغ سے کام نہ لیا۔ ایک ''عیاش'' اور ''نفس پرست'' بادشاہ کی حیثیت سے آپ کا موازنہ دنیا کے کسی بھی ''بدترین'' حکمران سے کیا جا سکتا ہے۔ تلمود میں آپ کی بیویوں کی تعداد سات سو بیان کی گئی ہے اور اسی پر بس نہیں، سات سو بیویوں پر تین سو لونڈیاں بھی مستزاد ہیں۔ اس کے علاوہ آپ پر یہ الزام بھی ہے کہ مملکت کا سارا خزانہ حکومت کے استحکام اور یروشلم کے حسن پر نچھاور کر دیا۔ آپ نے یروشلم کی فصیل بھاری پتھروں سے تعمیر کرائی۔ قلعے بنوائے۔ مملکت کے اہم مقامات پر فوجی چوکیاں قائم کیں۔ آپ نے مملکت کو بارہ ضلعوں میں تقسیم کر کے نظم و نسق کو بہتر کیا۔ شاہی خزانے کو پُر کرنے کے لئے آپ نے مختلف دھاتوں کی کانیں دریافت کیں، اور اپنی حسن پرستی کو تسکین دینے کے لئے مور اور ہاتھی دانت درآمد کئے۔ اپنی مملکت سے گزرنے والے قافلوں پر جزیہ عائد کیا۔ عوام پر محصول لگائے۔ بالآخر طے کیا کہ یروشلم میں یہوا کا عالی شان اور عظیم معبد تیار کیا جائے۔ حضرت موسیٰؑ کی وفات کے بعد بنی اسرائیل کے بارہ قبائل نے شلوہ کے مقام پر ایک مختصر سی چاردیواری کو یہوا کا گھر ٹھہرایا تھا۔ ساڑھے چار سو برس میں اُن کے باہمی جھگڑوں اور انتشار کے علاوہ لاقانونیت، بدامنی اور شرک و شر نے انہیں اس کی مہلت نہ دی کہ کسی باقاعدہ معبد کی تعمیر کی جاتی۔ بالعموم چھوٹے موٹے معبد بنا کر اُن کے ساتھ ایک مختصر سائیلہ یہوا کے لئے بھی وقف کر دیا جاتا، جس پر اتنا احساس ضرور کیا گیا کہ اُس کو کسی بُت سے مزین نہیں کیا اور نہ ہی یہوا کو کسی قدرتی مظہر سے منسوب کیا گیا۔ حضرت سلیمانؑ نے یروشلم میں یہوا کے شایانِ شان ایک عظیم الشان معبد بنانے کا فیصلہ کیا۔ اس ہیکل کا خاکہ حضرت داؤدؑ نے عالم رویا میں دیکھا تھا اور اس کو تفصیل سے انہوں نے اپنے فرزند سلیمانؑ کو سمجھا دیا تھا۔ ۱۰۱۲ ق م میں ہیکل کی تعمیر شروع ہوئی۔ ہیکل اُسی جگہ تعمیر ہوا جسے حضرت داؤدؑ نے منتخب کیا تھا۔ یہودی کبھی اچھے معمار نہیں رہے، اس لئے حضرت سلیمانؑ نے ہیکل کی تعمیر کے لئے لبنان و مصر سے معمار منگوائے۔ اس کی تعمیر کے لئے خزانہ عامرہ سے سونا، چاندی، پیتل، لوہا، لکڑی اور قیمتی پتھر مہیا کئے گئے۔ اس کی تعمیر سات سال تک جاری رہی اور دو لاکھ آدمی مسلسل کام کرتے رہے۔ معبد کے لئے ایک پہاڑی مقام کا انتخاب ہوا۔ اس کا نقشہ مصری صناعوں اور کاریگروں کی بہترین عمارات سے مستعار لیا گیا تھا۔ اس کی منبت کاری اور مرصع کام کے لئے اسوریہ اور بابل کے نمونوں کو سامنے رکھا گیا۔ بنی اسرائیل مملکت کے مختلف حصوں سے اس کی شان و شوکت دیکھنے آتے تو اسے عجائبات عالم میں شمار کرتے۔ معبد کا دروازہ ۱۸۰ فٹ بلند تھا۔ جس پر سونے کے پترے جڑے گئے تھے۔ اس کی لمبائی ۹۰ فٹ، چوڑائی ۳۰ فٹ اور اونچائی ۴۵ فٹ تھی۔ دیواریں چٹانیں کاٹ کاٹ کر بنائی گئی تھیں۔ اس کی تعمیر و تزئین کے لئے جنات سے بھی کام لیا گیا تھا کہ حضرت سلیمانؑ کی حکومت جنات، حیوانات، پرندوں حتیٰ کہ ہوا پر بھی تھی۔ ہیکل کے اندر ''پاک ترین جگہ'' بنائی گئی جہاں خداوند کے عہد کا صندوق ''تابوت سکینہ'' رکھا گیا (یہ تابوت بخت نصر کے حملے کے بعد ایسا غائب ہوا کہ آج تک اُس کا سراغ نہیں ملا)۔

حضرت سلیمانؑ نے ہیکل کی تعمیر کے لئے لبنان و مصر سے معمار منگوائے۔ خزانۂ عامرہ سے سونا، چاندی، پیتل، لوہا، لکڑی اور قیمتی پتھر مہیا کئے گئے۔ اس کی تعمیر سات سال تک جاری رہی اور دو لاکھ آدمی مسلسل کام کرتے رہے۔ ہیکل کے اندر ''پاک ترین جگہ'' بنائی گئی جہاں ''تابوت سکینہ'' رکھا گیا۔ یہ تابوت بخت نصر کے حملے کے بعد ایسا غائب ہوا کہ آج تک اس کا سراغ نہیں ملا۔

حضرت سلیمانؑ نے اپنے لئے بھی ایک شاندار محل تعمیر کرایا، جس میں ہاتھی دانت اور صندل کی لکڑی کا کام کرایا گیا۔ محل میں بڑے بڑے کشادہ ہال کمرے تھے۔ اپنی خاص بیگمات کے لئے علیحدہ علیحدہ کمرے بنوائے، جن کے فرش ایسے بلور سے بنائے گئے تھے کہ دیکھنے والے انہیں پانی کے حوض خیال کرتے۔ لیکن بارہ میں سے گیارہ صوبے حضرت سلیمانؑ کی فضول خرچی اور عیاشی سے نالاں تھے کہ ان تمام اخراجات کا بار زیادہ تر انہی کی گردنوں پر تھا۔ بالآخر جب حضرت سلیمانؑ نے یہودا کے قبیلے کو دوسرے قبیلوں پر فوقیت دے کر قبیلوں کی باہمی مساوات کو ختم کر دیا تو بغاوت کی آگ بھڑکنے لگی۔ افراہیم قبیلہ جو مذہبی عبادات و رسوم کے سلسلے میں معزز سمجھا جاتا تھا، اس آگ کو ہوا دینے لگا۔ چنانچہ حضرت سلیمانؑ کے وصال (۹۷۵ ق م) کے ساتھ ہی مملکت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ شام نے اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیا۔ عربوں نے بحیرۂ احمر کا راستہ کاٹ دیا۔ فرعون مصر نے فوج بھیج کر ہیکل سلیمانی کو لوٹنے کا حکم دیا۔ بارہ میں سے دس قبائل اُس کے مطیع ہو گئے، اور یوں ریاست پھر دو حصوں میں بٹ گئی۔ شمال میں دس قبیلوں کی ریاست ''اسرائیل'' اور جنوبی پہاڑوں میں یہودا اور بن یمین کے دو قبیلوں کی ریاست یہودیہ۔ شمالی ریاست اسمارہ اور جلیل تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس کا دارالحکومت سماریہ تھا۔

یہودیہ نے مذہبی و دینی اقتدار پھر لاوی قبیلے کو سونپا۔ ہیکل سلیمانی کی عبادات اُن کے سپرد کی اور اپنے عوام کو ''یہود'' کا نام دیا۔ یروشلم ہی ان کا صدر مقام رہا۔ ظاہر ہے

اھم اعلان

رفقاء و احباب نوٹ فرما لیں

تنظیم اسلامی کا

آل پاکستان سالانہ اجتماع

فردوسی فارم' سادھوکے (دراجکے) میں

25 تا 27 / اکتوبر 2002ء

منعقد ہو رہا ہے' ان شاء اللہ

کہ اس کے بعد اسرائیل اور یہودیہ دونوں ریاستوں میں خانہ جنگی چھڑ گئی اور اُن کی حیثیت گرتے گرتے قابلِ رحم ہو گئی۔ اس اثنا میں مصر کا اقتدار ختم ہو گیا اور شام کو مشرقِ وسطیٰ کی قیادت حاصل ہو گئی۔ اسرائیل اور یہودیہ دونوں نے شام کا باج گزار ہونا قبول کر لیا اور نینوا کو خراج ادا کرنا شروع کیا۔ لیکن یہ صورتِ حال بھی زیادہ دیر قائم نہ رہی۔ دونوں نے بغاوت کی۔ شاہی حکمران نے اسرائیل پر چڑھائی کی۔ دس قبیلوں کو زیر کیا' غلام بنایا اور ملک بدر کیا۔ یہودیہ پہاڑی علاقے میں ہونے کی وجہ سے محفوظ رہا۔ یہود بڑی بے جگری سے لڑے' لیکن جب دشمن یروشلم کے دروازے پر آن پہنچا تو خداوند خدا نے اُس کی فوجوں میں وبا پھیلا دی اور وہ بھاگ نکلیں۔ اس طرح یہودیہ ہی نہیں' مصر بھی شامی حملہ آوروں کی دست بُرد سے محفوظ رہا کہ شامیوں کی اگلی منزل وادیٔ نیل تھی۔ کمال یہ ہے کہ یہود اور مصری دونوں اپنی گلو خلاصی کے لئے اپنے اپنے خداؤں کے احسان مند ہیں۔ دونوں اِس معجزے کے لئے اپنے دیوی دیوتاؤں کی بارگاہوں میں جھک گئے۔

یروشلم پر سترہ حملے

جب کوئی ملک اندرونی خلفشار اور خانہ جنگی میں مبتلا ہو جاتا ہے تو قدرتی بات ہے کہ ایسے ملک پر بیرونی طاقتیں حریصانہ نظریں رکھتی ہیں اور موقع ملنے پر اُس پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ حضرت سلیمانؑ کی وفات کے بعد اسرائیل اور یہودیہ میں مسلسل خانہ جنگی ہونے کے علاوہ ایک اور آفت یہ ہوئی کہ یہود پھر شریعتِ موسوی سے ہٹ گئے۔ اُن پر زر پرستی کا پھر شدید غلبہ ہوا۔ انہوں نے زیادہ سے زیادہ دولت سمیٹنے اور آس پاس کے علاقے ہتھیانے کی کوشش کی مملکتِ اسرائیل کے حکمران اور باشندے ہمسایہ مشرک اقوام کے عقائد اور اخلاقی مفاسد سے زیادہ متاثر ہوئے۔ حضرت الیاسؑ اور حضرت الیسعؑ نے فحاشی' عیاشی' بدمعاشی اور بت پرستی کے اس نئے سیلاب کو روکنے کی انتہائی کوشش کی مگر یہود جس تنزل کی طرف بڑھ رہے تھے' اُس سے باز نہ آئے۔ بالآخر ہمسایہ ممالک نے یکے بعد دیگرے اسرائیل اور یہودیہ کی ریاستوں پر جارحانہ حملے شروع کر دیئے۔ تاریخ میں حضرت سلیمانؑ کی وفات سے لے کر حضرت عیسیٰؑ کی ولادت تک' تقریباً ایک ہزار سال کے دوران میں یہودی اپنے ہمسایہ ملکوں سے باہم دست و گریباں رہے۔ شاید ہی کوئی دہائی امن و امان کی آئی ہو گی۔ فلسطین کی دونوں یہودی ریاستوں کے چاروں اطراف میں مشرک اقوام آباد تھیں۔ شمال میں شام' مشرق میں عراق کی اشوریہ اور بابل و نینوا کی طاقتور سلطنتیں' جنوب میں عرب' مغرب میں مصر کے فراعنہ جو ابھی تک بنی اسرائیل کو صدیوں تک غلام بنائے رکھنے کے زعم میں مبتلا تھے۔ یہاں بیرونی حملوں کا خلاصہ پیش کیا جا رہا ہے:

۸۹۹ق م: حضرت سلیمانؑ کی وفات کے ۷۵ سال بعد جب یہودہ کی سلطنت پر یہورام حکمران تھا' فلسطیوں اور عربوں کی متحدہ طاقت نے یروشلم پر حملہ کیا۔ انہوں نے ہیکل کو لوٹا اور بادشاہ کے محل میں داخل ہو کر جو کچھ ملا' اٹھا لیا حتیٰ کہ بادشاہ کی بیویاں اور بچے قیدی بنا کر ساتھ لے گئے۔ یہ محض لوٹ مار کی خاطر تھا' اس لئے حملہ آوروں نے شہر کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ لیکن اِس حملے کے فوراً بعد اسرائیل نے یروشلم پر حملہ کیا۔ اسرائیلی فوج نے ہیکل کا سونا چاندی سمیٹا اور سامرہ واپس چلا گیا۔

۷۴۰ق م: شامی فوجوں نے یروشلم پر حملہ کیا۔ شدید لڑائی ہوئی اور یہودہ کا بادشاہ آحز شام کا مطیع ہو گیا۔ شامی فوجوں کے لوٹتے ہی شمالی یہودی بادشاہت اسرائیل نے حملہ کر دیا۔ یہودہ کی کمزور سلطنت مقابلہ نہ کر سکی۔ اسرائیلی فوج نے یروشلم کو لوٹا اور دو لاکھ یہودی عورتوں کو گرفتار کر کے ساتھ لے گئے' لیکن سامرہ پہنچتے ہی انہیں آزاد کر کے واپس بھیج دیا۔

۷۲۰ق م: آحز کے بعد اُس کا بیٹا حزقیاہ پچیس سال کی عمر میں یہودہ کا بادشاہ بنا۔ اس نے ۷۴۰ تا ۷۰۰ قبل مسیح چالیس برس حکومت کی۔ اس نے یہودیوں کو شرک اور بت پرستی کی لعنت سے نجات دلائی اور ہیکل سلیمانی کی عظمت کو بحال کیا۔ اُس کے عہد میں پہلے اشوریہ کے بادشاہ سنحریب نے یروشلم پر حملہ کیا' لیکن ابھی محاصرہ جاری تھا کہ ہیضے کی وبا پھوٹ پڑی جس سے اُس کے جرنیل اور سپاہ مرنے لگے اور وہ محاصرہ اٹھا کر واپس چلا گیا۔ اس کے بعد اشوریہ کے نئے مگر سخت گیر حکمران سارگون نے ۷۲۰ق م میں سامریہ کو فتح کر کے شمالی یہودی سلطنت اسرائیل کا خاتمہ کر دیا۔ اب یہودی کی سلطنت بھی اشوریوں کے مسلسل حملوں کی زد میں آنا شروع ہو گئی۔ اس کے کئی شہر تباہ کر دیئے گئے۔ حملہ آوروں نے اسے مکمل طور پر برباد تو نہیں کیا' لیکن باج گزار بننے پر مجبور کر دیا۔

۵۸۷ق م: بابل کا بادشاہ بخت نصر یہودیوں کی بار بار کی بدعہدیوں سے تنگ آ چکا تھا۔ یہودی اُس کے خلاف فرعونِ مصر سے ساز باز کر رہے تھے۔ بالآخر وہ بابل سے بحیثیتِ قوم یہودیوں کے مکمل استیصال کا عزم لے کر نکلا اور فاتح کی حیثیت سے یروشلم میں داخل ہوتے ہی اپنے فوجیوں کو قتلِ عام کا حکم دے دیا۔ یروشلم کی گلیوں میں خون کی ندیاں بہہ نکلیں۔ انہوں نے خدا کے گھر کو نذرِ آتش کر دیا اور یروشلم کو زمین کے برابر کر دیا۔ جب بخت نصر نے اپنا کام مکمل کیا تو یروشلم میں راکھ کے ڈھیر تھے اور ہر طرف دھواں چھایا ہوا تھا۔ وہ مالِ غنیمت اور بچے کھچے یہودیوں کو ساتھ لے کر بابل کی طرف لوٹ گیا۔ تین سال پہلے اُس نے یہودیوں کی گوشمالی کے لئے یروشلم کا محاصرہ کیا تھا تو دس ہزار امیر کبیر یہودیوں کو پابہ زنجیر' پاپیادہ بابل لے گیا تھا۔

یہ یہود کی پہلی قومی تباہی تھی۔ اس تباہی میں تابوتِ سکینہ غائب ہو گیا اور آج تک اس کا سراغ نہیں مل سکا۔ یہودیوں کے تمام صحائف نذرِ آتش کر دیئے گئے۔ اصل تورات صفحۂ ہستی سے نابود ہو گئی۔ ہیکل سلیمانی کا نشان تک مٹ گیا۔ ایک لاکھ یہودی مرد و زن کو قیدی بنا کر کئی میل لمبے جلوس کی صورت میں بابل پہنچایا گیا۔ بابل میں یہودی غلاموں کو دریائے فرات کے کنارے آباد کیا گیا۔ انہوں نے اس بستی کا نام ''تل ابیب'' رکھا۔ اسرائیل کا موجودہ دارالحکومت تل ابیب اُسی دور کی یاد تازہ کرتا ہے۔

بابل کی اسیری میں دانیال اور عزیز نبی اور حزقیاہ نبی یہود کی رہنمائی کرتے رہے۔ یہاں تک کہ زروبابل بن

سالتی ایل نے' جو حضرت داؤدؑ کی نسل سے تھا' صیہونیت کی پہلی تحریک کا آغاز کیا۔ صیہون دراصل بیت المقدس کی ایک پہاڑی ہے جس پر حضرت داؤدؑ نے یروشلم کو فتح کرنے کے بعد ''جشنِ فتح'' منایا تھا' چنانچہ یہودی اسی نسبت سے صیہون پہاڑی کو مقدس سمجھتے ہیں اور یروشلم کو ''دخترِ صیہون'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ تحریک صیہونیت جو آج تک جاری ہے' اُس کا مقصد کھوئی ہوئی ریاست کو دوبارہ حاصل کرنا اور ہیکل سلیمانی کی از سرِ نو تعمیر تھا۔

بابل میں طویل اسیری کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہود نے رفتہ رفتہ غلامانہ بے بسی سے نکل کر تجارت' کاروبار اور دوسری مصروفیتوں میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ اس طرح بنی اسرائیل کے دس قبائل جواب تک ''اسرائیل'' کی ریاست بنے بیٹھے تھے' شریعتِ موسوی سے تائب ہو گئے۔ اُن میں کاہنوں کا کوئی ایسا مستقل سلسلہ نہ تھا جو اُن کے مذہبی عقائد و رسوم کو سنبھالتا اور انہیں اپنے آباء و اجداد کے راستے پر لگائے رکھتا۔ حضرت موسیٰؑ کے دس احکامات' تورات کی آسمانی الواح اور تابوتِ سکینہ ہیکل سلیمانی کے ساتھ تباہ ہو گئے تھے' اس لئے یہودی بھی منتشر ہونے لگے اور دوسری قوموں میں مدغم ہو کر چاروں طرف اس طرح پھیل گئے کہ تاریخ آج تک اُن کا تعاقب نہ کر سکی۔ تاہم سودخور ذہنیت' عصمت فروشی' فحاشی و عریانی' مادہ پرستی اور تنگ نظری و تعصب کے حوالے سے ایشیا میں دجلہ و فرات کے درمیان' عرب' کوہ قاف کے نواح میں بالخصوص اور ہندوستان' افغانستان' جاپان' ترکستان اور کشمیر میں بالعموم ان کے نقوش قدم نظر آتے ہیں۔ بلکہ جہاں جہاں انسان دشمنی کے عناصر پروان چڑھتے نظر آتے ہیں' وہیں اسرائیلی گم شدگان کے وجود کے ناپاک سائے گمنام گوشوں سے اُبھرتے دکھائی دیتے ہیں۔

۵۳۹ ق م: سلطنت اسرائیل اور سلطنت یہودہ اشوریوں کی فتح اور بخت نصر کے زوردار حملے کے بعد نابود تو ہو گئیں مگر عام باشندوں میں سے باقی بچ جانے والوں میں کچھ لوگ خیر پر قائم اور خیر کی دعوت دینے والے موجود تھے' جنہوں نے اصلاح کا کام جاری رکھا اور انہیں توبہ و استغفار کی ترغیب دی جو دوسرے ملکوں میں جلاوطن کر دیئے گئے تھے۔ آخر کار رحمتِ الٰہی جوش میں آئی۔ بابل کی تباہی کے بعد ایران برسرِ اقتدار آیا۔ ۵۳۹ ق م میں ایرانی فاتح سائرس اعظم (کیخسرو) نے بابل فتح کیا اور دوسرے ہی سال اُس نے فرمان جاری کر کے بنی اسرائیل کو فلسطین جانے' وہاں دوبارہ آباد ہونے اور ہیکل سلیمانی کی تعمیرِ نو کی اجازت دے دی۔

حضرت سلیمانؑ کے وصال سے لے کر سائرس کے دور تک یہود نے جو ہولناک مصائب دیکھے' ان کی بدولت اُن کے فکر و نظر میں بھی تبدیلیاں آئیں۔ اب وہ کنوئیں کے مینڈک نہ رہے تھے۔ وہ بابل' اشوریہ اور ایران کی تہذیبوں کا مطالعہ کر چکے تھے۔ غلامی در غلامی کی صعوبتوں نے انہیں سکون و عافیت کی قدر کرنا سکھا دیا تھا۔ پھر سائرس نے مصر پر بھی دانت گاڑ رکھے تھے۔ وہ چاہتا تھا کہ ایران اور مصر کے درمیان ایک ایسی قوم آباد کی جائے جس پر اعتماد کیا جا سکے۔ اس نے یہود کو بابل سے نکل کر واپس فلسطین جانے کی اجازت تو دے دی' لیکن اس سے پوری قوم مستفید نہ ہوئی۔ وہ تاجر اور ملازمین جو بابل میں خوشحال زندگی بسر کر رہے تھے' یہود لوٹنے پر آمادہ نہ ہوئے اور اس طرح تخمِ یہود کو ایک اور زمین مل گئی جہاں سے بارور ہو کر وہ سارے یورپ میں پھیل گیا' لیکن یروشلم کی محبت اُن کے سینے میں دھڑکتی رہی اور اُن کے کانوں میں ایک ہی ترانہ گونجتا رہا:

''اے یروشلم! اگر میں تجھے بھول جاؤں تو میری آنکھیں دیکھنے سے محروم ہو جائیں اور میرا دایاں ہاتھ اپنی عیاری کھو بیٹھے۔''

اب ارضِ مقدس یہودیوں کے لئے ''وطن'' نہ تھا' خوابوں کی ''جنت'' تھی۔ یروشلم کی روحانی تمنا اُن کے دل میں مچلتی رہی اور انہیں اقوامِ عالم کے سیلاب سے سفینۂ نوح کی طرح بچا کر لے آئی۔ یہودہ کو لوٹنے والے یا تو کاہن تھے یا مذہبی جنونی یا وہ جن کو بابل کی سرزمین قبول نہ کر سکی' اور وہ ایران کی وفاداری کے ساتھ یہودہ میں قیام پذیر ہو چکے تھے۔ علاوہ ازیں انہیں ایرانی خدا اہرمن میں یہوا دکھائی دیتا تھا۔ انہوں نے ژند اوستا کی تعلیم حاصل کر کے اپنے مذہب کو از سرِ نو مرتب کرنا شروع کیا اور سائرس کو اس نئے مذہب میں ''خدا کا نائب'' قرار دیا۔

سائرس نے اُن کے لئے جس ہمدردی اور رحم دلی کا مظاہرہ کیا تھا' اُس نے ان کے افکار و خیالات میں بھی انقلاب برپا کیا۔ اب ان کے دلوں میں ایک ہی آرزو تھی کہ خداوند خدا' حضرت داؤدؑ کی اولاد میں کوئی ایسا بادشاہ پیدا کر دے جو اُن کا مسیحا ہو اور جو سابقہ جاہ و جلال اور بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کو پھر ایک مرکز پر جمع کر دے۔ اس کی بشارت دانیال نبی نے بھی اُن کو دے دی تھی۔ بابل کا عذاب بھی انہوں نے اسی امید پر سہہ لیا تھا۔ چنانچہ اس دور سے ان کے عقائد میں ''مسیح'' کا تصور داخل ہو گیا' جو یہودیوں کی جمعیت و وحدت کا بھی باعث ہوا اور غیر یہودی اقوام کے جلال یہوا کا مظہر بھی۔ اس زمانے میں حضرت حزقی ایل (عزکائیل) نبی نے یہوا کی بندگی کا حق ادا کیا اور یہودیوں کو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت یعقوبؑ کے خدا کے حضور لا کھڑا کیا۔ حضرت حزقی ایل کی پیش گوئیوں میں سائرس کے اقتدار اور یروشلم کی بحالی کی بشارتیں بھی شامل تھیں۔ انہوں نے خبر دی تھی کہ یہود واپس یروشلم آئیں گے اور ہیکل دوبارہ تعمیر کریں گے۔ نیا شہر بنائیں گے۔ ایک نئی جنتِ ارضی جس میں بھیڑ اور بھیڑیا کا بچہ پل کر چریں گے اور شیر بکری کی طرح گھاس کھائے گا اور سانپ کی غذا مٹی ہو گی۔

بیشتر یہودی یروشلم واپس تو آ گئے لیکن ایک عرصے تک یہاں مسلسل آباد ہونے والی دوسری اقوام نے اُن کے خلاف مزاحمت شروع کر دی۔ شاہ ایران دارا اوّل (وفات ۵۲۲ ق م) نے یہودہ کے آخری بادشاہ کے پوتے زروبابل بن سالتی ایل کو یہودہ کا گورنر مقرر کیا جس نے نبی زکریا نبی اور سردار کاہن کی نگرانی میں ہیکل مقدس کی از سرِ نو تعمیر شروع کرائی۔ لیکن معماروں میں جذبے کے فقدان کی بنا پر یہ کام بائیس سال میں مکمل ہوا۔ رفتہ رفتہ یروشلم پھر یہودیوں سے آباد ہوا اور ہیکل اُن کی مناجاتوں سے گونجنے لگا۔ اب یہودہ کو پھر ایک طاقتور فوج والے زورآور بادشاہ کی ضرورت تھی' لیکن اس سے پہلے کاہنوں کی ضرورت تھی جس پر مذہبی عبادات و رسوم کا دارومدار تھا۔ ۴۴۴ ق م میں حضرت عزیرؑ نے ان کی تنظیم نو شروع کی۔ وہ ایک بڑے اور ماہر فقیہہ تھے۔ اصل تورات تو بخت نصر کے حملے کے وقت نابود ہو چکی تھی۔ انہوں نے اپنی یادداشتوں اور بزرگانِ یہود کے مشورے سے ''تورات'' از سرِ نو مرتب کی' اور نہ صرف اندازِ بیان میں بہت سی تبدیلیاں کیں بلکہ الحاقی عبارتیں بھی شامل کر دیں۔ اس کے بعد تمام کاہنوں نے یک زبان ہو کر ان کا اقرار کیا اور عہد کیا کہ قیامت تک شریعتِ موسوی کا احترام کیا جائے گا۔ انہوں نے یہودیوں کے تمام اہلِ خیر' مخیر اور ذی اثر لوگوں کو ہر طرف سے بلا کر جمع کر کے ایک مضبوط نظام قائم کیا۔ ان کی دینی تعلیم پر خاص توجہ دی۔ حضرت عزیرؑ نے قوانین شریعت نافذ کر کے ان کی اعتقادی اور اخلاقی برائیوں کو دور کرنا شروع کیا جو

یروشلم کی محبت یہود کے سینے میں دھڑکتی رہی اور ان کے کانوں میں ایک ہی ترانہ گونجتا رہا: ''اے یروشلم! اگر میں تجھے بھول جاؤں تو میری آنکھیں دیکھنے سے محروم ہو جائیں اور میرا دایاں ہاتھ اپنی عیاری کھو بیٹھے''۔

غیر قوموں سے میل جول کے اثر سے گھس آئی تھیں۔ ان ''مشرک'' عورتوں کو طلاق دلوائی جن سے یہودیوں نے بیاہ کر رکھے تھے۔ یہودیوں سے ازسرنو یہوا کی بندگی اور اس کے آئین کی پابندی کرنے کا میثاق لیا۔ ڈیڑھ سو سال بعد بیت المقدس نئے سرے سے آباد ہوا اور یہودی مذہب اور تہذیب کا مرکز بن گیا۔

یونانی تہذیب کا تسلط

ایرانی شہنشاہ سائرس مصر پر حملہ نہ کر سکا اور اس کے جانشین یونانیوں سے جنگوں میں الجھ گئے' لیکن جب یونان اسکندریہ اور اطاکیہ پر چھا گیا تو یہودہ ان کی بساط پر مہرہ بن کر رہ گیا۔ شام بھی یونانی چھاؤنی بن گیا۔ یونانی حکمران اپنی مملکت کے گوشے گوشے میں اپنی تہذیب اور اپنے دیوی دیوتاؤں کی ترویج کرنے لگے۔ یونانی سارے فلسطین میں آباد ہونے لگے' یہاں تک کہ یہودہ کی ریاست میں بھی یونانی وضع قطع کے شہر ابھرنے لگے۔ یہودی کاہن اس تہذیب کی راہ میں مزاحمت کرنے لگے' جو خاصی کامیاب ثابت ہوئی۔

۳۲۶ ق م میں مقدونیہ سے بیس سال نوجوان سکندر اعظم دنیا کو فتح کرنے کے لئے اٹھا اور اس نے سپارٹا سے ہندوستان تک ہر ملک کو یونانی تہذیب کے رنگ میں رنگ دیا اور تمام ممالک کو یونانی آمیز زبان دے کر یونانی تصورِ حیات سے آشنا کیا۔ سکندر کی موت سے یونانی فتوحات دو حصوں میں تقسیم ہو گئیں۔ مصر اور یہودہ پر بطلوی قابض ہو گیا اور تھریس سے ہندوستان تک کا علاقہ سلیوکس کے قبضے میں آ گیا۔ سلیوکس کا دارالحکومت اطاکیہ تھا جو یہودہ سے تقریباً دو سو میل شمال میں تھا۔ بطلوی سے کوئی سو سال بعد سلیوسی سلطنت نے پھیل کر مصر پر قبضہ کر لیا اور یوں یہودہ کے یونانی حکمران تبدیل ہو گئے۔

نئے یونانی حکمرانوں نے یہودیوں کے دلوں پر ہاتھ ڈالنے کے لئے انہیں مکمل مذہبی آزادی عطا کی اور اعلان کیا: ''ہر کس و ناکس کو خبردار کیا جاتا ہے کہ شہنشاہ والا شکوہ' والیٔ روم و ممالک محروسہ نے یہ حکم نافذ کر دیا ہے کہ اُن کی یہودی رعایا اپنے خداوند خدا کی عبادت میں پوری طرح آزاد ہو گی۔ وہ جہاں چاہیں' ہیکل تعمیر کریں اور یہوا کی عبادت کریں لیکن اُن کے لئے ایک پابندی ہو گی کہ وہ خداوند زیوس (یونانی دیوتا) کی خوشنودی اور رضا جوئی کا ہمیشہ خیال رکھیں اور اُسی کو اعلیٰ ترین معبود سمجھیں۔'' لیکن سلیوسی حکمرانوں کی یہ آزادخیالی زیادہ دیرپا ثابت نہ ہوئی۔ انطوکس نے یہودیوں کو نئی تہذیب سے روشناس کرانا چاہا۔ اس نے حکم دیا کہ اُس کے بت کے آگے سال میں چار مرتبہ سجدہ کیا جائے' لیکن یہود کہ شرک و منافقت کی منزل سے بہت آگے نکل چکے تھے' اس پر رضامند نہ ہوئے۔

چنانچہ انطوکس (Antiochus) نے یہودی قوانین منسوخ کر کے یونانی قوانین عائد کر دیئے۔ یہودیوں نے مدافعت کی' جس کے جواب میں انطوکس نے ان پر وہ مظالم ڈھائے' جنہوں نے اسے تاریخ میں ''یزذ'' کے نام سے یاد کیا۔ اوّل اوّل تو یوں نظر آتا تھا کہ ان حربوں سے وہ کامیاب ہو جائے گا۔ یروشلم کے امیر طبقے نے اُس کے آگے سرِتسلیم خم کر دیا۔ ہیکل کے قریب تماشا گاہ تعمیر کی گئی جس کے اکھاڑے میں عریاں یہودی اپنے ختنوں کی مصنوعی کھالیں چھپائے ہوئے اترتے تھے۔ انطوکس کے حکم سے نومولود بچوں کا ختنہ کرانا جرم تھا اور اس کی سزا زچہ بچہ دونوں کی موت تھی۔ اس کے بعد سبت (ہفتے کا دن امتِ موسیٰؑ پر کام کاج کے لئے واجب الحرمت ٹھہرایا گیا ہے) کی اہمیت ختم کر دی گئی۔ یروشلم کو فوج کی تحویل میں دے دیا گیا اور جتنے بچوں کو مختون پایا گیا' انہیں ان کی ماؤں سمیت فصیل سے گرا کر ہلاک کر دیا گیا۔ ہیکل کے کاہنوں کی ضیافت سؤر کے گوشت سے کی گئی اور جس جس نے تناول سے انکار کیا' اسے ناقابلِ بیان اذیتوں سے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یہودیوں نے کھلم کھلا بغاوت کر دی۔ یونان کی سلطنت اس وقت اندرونی طور پر انتشار پذیر تھی۔ باغی یہود نے اپنی سلطنت یہودہ کو یونانی تسلط سے آزاد کرا لیا۔

۱۹۸ ق م: شام کی سلیوسی سلطنت کے حاکم انطوکس سوم نے ۱۹۸ قبل مسیح میں فلسطین پر حملہ کر دیا اور خوں ریز جھڑپوں کے بعد اس پر قبضہ کر لیا۔ یہ یونانی فاتح جو مذہباً مشرک اور اخلاقاً بے راہ رو تھے' یہودی مذہب و تہذیب سے سخت نفرت کرتے تھے۔ انہوں نے اس کے مقابلے میں سیاسی اور معاشی دباؤ کے تحت یونانی تہذیب و تمدن کو فروغ دینا شروع کر دیا۔ خود یہودیوں میں سے ایک اچھا خاصا طبقہ ان کا آلۂ کار بن گیا۔ اس خارجی مداخلت نے یہودی قوم میں تفرقہ ڈال دیا۔ ایک گروہ نے یونانی لباس' یونانی زبان' یونانی طرزِ معاشرت اور یونانی کھیلوں کو اپنا لیا' جبکہ دوسرا گروہ اپنی تہذیب پر سختی سے قائم رہا۔

مکابی تحریک

انطوکس چہارم جو ''مظہرِ نورِ خدا'' کہلاتا تھا' تخت نشین ہوا تو اُس نے پوری جابرانہ طاقت سے یہودی مذہب و تہذیب کی بیخ کنی شروع کر دی۔ لیکن یہودی اس سے مغلوب نہ ہوئے اور ان کے اندر شدید ردِعمل پیدا ہو گیا' جس کے نتیجے میں ایک زبردست تحریک اٹھی جو تاریخ میں مکابی بغاوت (Maccabean Revolt) کے نام سے مشہور ہوئی۔ مکابی دراصل ایک کاہن تھا۔ اس نے اپنے پانچ بیٹوں کی مدد سے یونانیوں کے خلاف بغاوت منظم کی۔ اگرچہ اس کشمکش میں یونانیت زدہ یہودیوں کی ساری ہمدردیاں غیرملکی یونانیوں کے ساتھ تھیں' اور انہوں عملاً مکابی بغاوت کو کچلنے میں اطاکیہ والوں کا پورا پورا ساتھ دیا' لیکن عام یہودیوں میں حضرت عزیرؑ کی تعلیمات کا اتنا زبردست اثر تھا کہ وہ سب مکابیوں کے ساتھ ہو گئے اور آخرکار انہوں نے یونانیوں کو نکال کر اپنی آزاد مذہبی ریاست قائم کر لی جو ۶۷ قبل مسیح تک قائم رہی۔ اس ریاست کی حدود پھیلتے پھیلتے اس پورے رقبے پر حاوی ہو گئیں جو کبھی یہودہ اور اسرائیل کی دونوں سلطنتوں کے زیرنگیں تھا' بلکہ فلستیہ کا بھی ایک بڑا حصہ اس کے قبضے میں آ گیا جو حضرت سلیمانؑ اور حضرت داؤدؑ کے زمانے میں بھی مسخر نہ ہو سکا تھا۔

مکابی تحریک کے بعد

یہ صورتِ حال زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکی۔ مکابیوں کی تحریک جس دینی اور اخلاقی روح کے ساتھ اٹھی تھی' رفتہ رفتہ فنا ہوتی چلی گئی اور اس کی جگہ خالص دنیا پرستی' خواہشاتِ نفسانی اور بے روح ظاہرداری نے لے لی۔ آخر کار ان کے درمیان پھوٹ پڑ گئی اور انہوں نے رومن فاتح جنرل پومپی کو فلسطین پر حملے کی دعوت دے دی۔ چنانچہ اس نے ۶۳ قبل مسیح میں بیت المقدس پر قبضہ کر کے یہودیوں کی آزادی کا خاتمہ کر دیا۔ لیکن رومن فاتحین کی مستقل پالیسی تھی کہ وہ مفتوحہ علاقوں پر براہِ راست اپنا نظم و نسق قائم کرنے کی بجائے مقامی حکمرانوں کے ذریعے کام کرتے تھے' اس لئے انہوں نے ایک ایسی دیسی ریاست قائم کر دی جو بالآخر ہیرود (Herod) کے قبضے میں آ گئی۔ وہ اہلِ روم کا باج گزار تھا۔ یہودی نہ تھا بلکہ ادومی تھا جو حضرت یعقوبؑ کے بڑے بھائی عیسو کی اولاد تھے۔ وہ جہاں دیدہ حکمران تھا۔ اُس نے ایک طرف تو مذہبی پیشواؤں کی مالی سرپرستی کر کے یہودیوں کو خوش رکھا اور دوسری طرف رومن تہذیب کو فروغ دے کر بیرونی آقاؤں کی زیادہ سے زیادہ وفاداری کا مظاہرہ کیا اور قیصرِ روم کی خوشنودی حاصل کی۔ اس زمانے میں یہودیوں کی دینی اور اخلاقی حالت زوال کی آخری حد کو پہنچ چکی تھی۔ ہیرود کی وفات کے بعد جب سلطنت اُس کے تین عیاش اور عاقبت نااندیش بیٹوں میں تقسیم ہو گئی تو تمام نظام بدل گیا۔ یہودہ کا حکمران بھی اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے معزول کر دیا گیا اور یہودہ شام میں شامل ہو گیا۔ امن و امان قائم کرنے اور مالیات کی وصولی کے لئے ایک گورنر یروشلم میں متعین کیا گیا جو یہودیوں کے اندرونی معاملات اور عدلیہ کے نظام میں مداخلت نہ کرتا۔ تاہم اُسے یہودیوں کو پھانسی دینے کا اختیار نہ تھا۔ ان کے ربیوں کا مقولہ تھا کہ ''یہوا کی بادشاہت کا تاج یہودہ میں ہے اور مذہبی قیادت کا تاج بنی ہارون کے سر پر ہے اور شریعتِ موسوی کا تاج ہر یہودی کا مقدر ہے''۔

چنانچہ" قانونِ موسیٰ" " کا مطالعہ ہر یہودی کا مذہبی فرض تھا۔ عبرانی زبان جو مقدس کتابوں کی زبان تھی مُردہ ہو چکی تھی۔ لیکن ہر یہودی تورہ (قانونِ موسیٰ) کا مطالعہ کرتا اور وہ لوگ جو اس میں کمال حاصل کر لیتے 'ربی' کہلاتے۔ وہی ان کتابوں کے محرر تھے اور مذہبی اُمور میں فیصلہ کرنے کا حق رکھتے تھے۔ عوام پر ربیّوں کی حکومت تھی' جو اپنے علم کی بنیاد پر عوام میں سے منتخب ہوتے تھے' اور اس طرح ذاتوں اور برہمنی نظام کی بجائے ذاتی دینی صلاحیت' پاکبازی' ذوق وشوق اور بلند کردار کی بنا پر ربی مقرر ہوتے اور اختیارات حاصل کرتے۔

آگ اور خون' انقلاب در انقلاب کی مسلسل قیامت میں یہودی اپنے عقائد میں اور بھی پختہ ہو گئے۔ ملک کی اکثریت کا معاشی انحصار کاشت کاری اور زمین کی پیداوار پر تھا۔ حضرت عیسیٰؑ کی ولادت تک یہودہ ریاست اس قابل ہو گئی تھی کہ اپنی ضرورت سے زیادہ گندم پیدا کرے اور برآمد کرے۔ یہودہ کی کھجوریں' انگور' زیتون' شراب اور تیل کی مانگ بحیرۂ قلزم کے ساحلی علاقوں میں ہر جگہ تھی۔ صنعت و حرفت اور دست کاریاں موروثی فنون تھے۔ تجارت کے لئے مرکزی مقامات پر مال لایا جاتا تھا۔ محنت کرنا عار نہ تھا۔ چنانچہ ہر طبقے کے لوگ حتیٰ کہ ربّی بھی گلہ بانی' کاشت کاری اور دست کاری سے پرہیز نہ کرتے۔ ہیکل میں اسرائیل کے کنیسۂ عظمیٰ کے ۷۰ علمائے یہود ملک کے مذہبی اُمور کا فیصلہ کرتے۔ اس کونسل کے فیصلے کی رو سے مذہب کے معاملے میں راسخ العقیدہ اور مخلص یہودیوں کو فریسی جبکہ پاکبازی اور پرہیزگاری سے کام نہ لینے والوں کو صدوقی کا نام دیا گیا۔

فریسیوں نے تورہ یعنی پانچ اسفار (پیدائش' خروج' احبار' گنتی اور استثناء) کو دوبارہ مرتب کیا۔ یہ عذرا اور نحیاء نبی کی کوششوں سے ۵۳۲ قبل مسیح میں مکمل کیا گیا تھا جن کو رومیوں نے ہیکل سلیمانی کے ساتھ نابود کر دیا تھا۔ فریسیوں نے ان کتب قوانینِ موسیٰؑ کی تفسیریں لکھیں اور ان کے اطلاق کے لئے مثالیں بہم پہنچائیں اور وہ آیات جو سینہ بہ سینہ چلی آ رہی تھیں' انہیں یکجا کیا اور یہود کے دلوں پر یہ نقش بٹھا دیا کہ اپنی بقا کے لئے انہیں تورات اور زبانی آیات پر ایمان لانا ہوگا۔ وہ جانتے تھے کہ دوسری قوموں میں مدغم ہونے اور دس قبیلوں کی طرح مٹ جانے سے اگر کوئی طاقت انہیں بچا سکتی ہے تو وہ اُسی ایمان کی ہے جس کی رو سے انہوں نے سادگی' روزے' پاکیزگی اور عقیدے پر پوری شدت سے عمل کرنا شروع کیا۔ وہ سلطنت روما کے مطیع ہو کر راضی برضا ہو گئے' لیکن ان کی نگاہیں اپنے مستقبل پر لگی تھیں جس کے لئے حال کا سودا کرنا کوئی بڑی بات نہ تھی۔

یہ فریسی اور صدوقی یہودہ کے شریعتِ موسوی کے پابند' شارح' مفسر تورات اور مقنن ہی تھے جنہوں نے یہودیت کو اپنے خون سے تعمیر کیا' اور جب ان کی اولاد کو یورپ' ایشیا اور افریقہ میں تتر بتر کیا گیا تو وہ اپنے عقائد پر جان چھڑکتے اور یہوا کی برگزیدہ قوم کی حیثیت سے دنیا پر چھا جانے کے خواب دیکھتے۔ انہیں یقین تھا کہ یہوا کی دانش ان کی میراث ہے۔ وہ انبیاء کی اولاد ہیں اور یہوا کی منتخب اور پسندیدہ قوم۔ ان کا نجات دہندہ مسیح آئے گا اور انہیں ساری دنیا کا حکمران بنا دے گا۔ کتاب ''عیسیاہ'' میں یہ فقرات آتے ہیں:

> ''اور دیکھو کہ ایک دوشیزہ حاملہ ہوگی اور ایک بچہ جنے گی اور اس کا نام امانوئل رکھے گی۔ اور حکومت اس کے کندھوں پر ہوگی اور اس کو حیرت انگیز مشیر' عظیم طاقت والا خدا' ابدی باپ اور سلامتی کا شہزادہ کے ناموں سے یاد کیا جائے گا۔ اور عیسیٰؑ کے شجر سے ایک شاخ پھوٹے گی اور آقا کی روح اس پر قیام کرے گی — دانشوری اور تفہیم کی روح' وکالت اور طاقت کی روح' اور روحِ علم اور خوفِ خدا کی۔ اور وہ غریبوں کے ساتھ انصاف کرے گا اور زمین کے بیماروں سے مساوی سلوک کرے گا اور اپنی پھونک سے بدکرداروں کا خاتمہ کرے گا اور اس کی کمر میں حق کی پٹی ہوگی اور وفاداری اس کی لگام ہوگی اور بھیڑیا بھی بھیڑ کے بچے کے ساتھ رہے گا اور چیتا میمنے کے ساتھ لیٹے گا اور بچھڑا شیر کے بچے کے ساتھ بڑھے گا اور ایک بچہ انہیں لئے لئے پھرے گا۔ اور اپنی تلواروں کو ہل میں لگا کر زمین کھودیں گے اور اپنے نیزوں کو درختوں کی شاخیں تراشنے کے لئے برتیں گے۔ کوئی قوم کسی قوم کے خلاف تلوار نہیں اٹھائے گی' اور پھر وہ آئندہ جنگ کے لئے کبھی تربیت بھی حاصل نہیں کریں گی۔''

لیکن کون جانتا تھا کہ یہود اس واضح عبارت کے باوجود حضرت عیسیٰؑ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیں گے' اور انہوں نے دوسری قوموں کے ہاتھوں جو دکھ اٹھائے ہیں' ان کی قیمت صدیوں تک تمام بنی نوع انسان کو ادا کرنی ہو گی' اور بابل' شام' اشور' یونان اور روما کے ظلم اُن کی روح میں رچ بس کر پورے کرۂ ارض پر وباؤں کی طرح پھیل جائیں گے۔

☆ ☆ ☆

KHALID TRADERS
IMPORTERS - INDENTORS - STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER - SMALL TO SUPER - LARGE
NTN

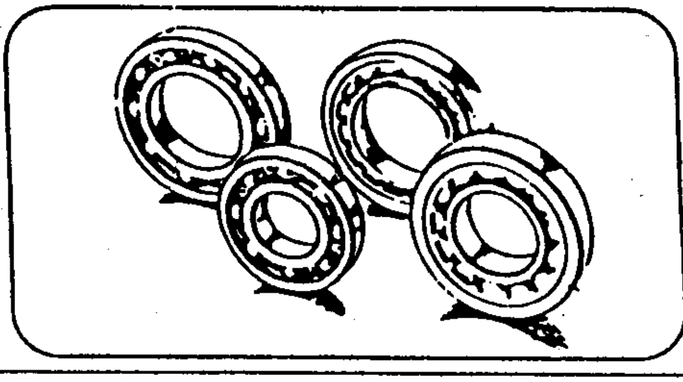

PLEASE CONTACT
Opp. K.M.C. Workshop, Nishtar Road, Karachi-74200, Pakistan.
G.P.O. Box # 1176 Phones : 7732952 - 7730595 Fax : 7734776 - 7735883
E-mail : ktntn@poboxes.com
FOR AUTOMOTIVE BEARINGS · SIND BEARING AGENCY, 64 A-65 Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400(Pakistan)
Tel : 7723358-7721172
LAHORE : 5 - Shahsawar Market, Rehaman Gali No. 4, 53-Nishtar Road, Lahore-54000, Pakistan. Phones: 7639618,7639718,7639818, Fax: (42) : 763-9918
GUJRANWALA: 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210807
WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

یہود‘ حضرت عیسیٰؑ اور عیسائیت

حضرت عیسیٰؑ ہیرودِ اعظم کے عہد میں پیدا ہوئے جو اہلِ روم کا باج گزار تھا۔ وہ یہودی نہ تھا بلکہ ادومی تھا جو حضرت یعقوبؑ کے بڑے بھائی عیسو کی اولاد تھے۔ یہودی اُس کو غاصب سمجھتے اور اس سے ناخوش تھے۔ تاہم ہیرود نے سردار کاہن کی لڑکی سے شادی کی اور ہیکل کی ازسرِنو تعمیر اور اُس کی آرائش وزیبائش پر بے شمار دولت خرچ کر کے یہودیوں کے دل میں گھر کرنے کی بہت کوشش کی۔ یہ شخص بڑا ظالم اور سفاک تھا۔ جب ناصرہ میں حضرت عیسیٰؑ کے پیدا ہونے کی خبر ملی تو اس نے اُن سب لڑکوں کو قتل کروا دیا جو دو سال یا اس سے چھوٹے تھے‘ اور مرتے وقت اس خیال سے کہ لوگ اُس کی موت کی خبر سن کر خوش ہوں گے‘ یہ حکم دیا کہ شہر کے معززین اور سرداروں کو بلا کر ایک مکان میں بند کر دیا جائے اور اُس کی وفات پر اُن سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے تا کہ لوگ اُس کی وفات پر خوشی منانے کی بجائے ان سرداروں کا سوگ منائیں۔ ہیرود کی موت حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے تھوڑے عرصے بعد واقع ہوئی۔ حضرت عیسیٰؑ کو بیت المقدس میں پہلے پہل چار سال کی عمر میں لایا گیا تا کہ ہیکل میں خدا کے حضور نذرانہ گزارا جائے۔

اُس زمانے میں یہود کسی ایسے مسیح (مسیحا) کی آمد کے منتظر تھے جو انہیں محکومی کی ذلت اور زوالِ سلطنت کے عذاب سے نجات دلا سکے‘ شیاطین اور دشمنانِ دین کا قلع قمع کر کے بیت المقدس کو ازسرِنو آباد کر سکے‘ اور دنیا میں یہودی بادشاہت کی بنیاد رکھ سکے۔ دریں اثنا ایران سے میل جول بڑھ جانے کی وجہ سے ان کے عقائد میں جہاں بعض دوسری بنیادی تبدیلیاں رونما ہوئیں‘ وہاں انہیں یہ تاثر بھی ملا کہ خیر کے خالق ”یزداں“ اور شر کے خالق ”اہرمن“ کے مابین ازلی آویزش میں آخری فتح یزداں ہی کی ہوگی اور وہ اپنی فتح کا اعلان کرنے کے لئے ایک نمائندہ بھیجے گا جس کے ظہور کے وقت آسمان سے تارے گریں گے‘ قحط اور دوسری آفات نازل ہوں گی اور آخر کار یہ ساری دنیا ختم ہو جائے گی۔ اس ایرانی عقیدے کے زیرِ اثر بھی یہودیوں کو اپنی دیرینہ تمنا پوری ہوتی دکھائی دی۔ ان کے نبیوں نے بشارت دی کہ ”یہوا ایک مسیحا نازل فرمائے گا‘ دنیا کی بادشاہت اسی کی ہوگی۔ اُس کے آنے سے حضرت داؤدؑ کی سلطنت بحال ہو جائے گی اور یروشلم یہوا کا دارالحکومت بن جائے گا“۔

چنانچہ جب بھی اُن میں کوئی سربرآوردہ یا جواں ہمت شخص پیدا ہوتا‘ وہ فوراً اُس سے امیدیں وابستہ کر لیتے تھے کہ شاید یہی مسیحا ہے۔ ادنیٰ اور نچلے طبقے کے یہودی جو ”صدوقی“ کہلاتے تھے‘ اس قسم کی توقعات کے پیشِ نظر بار بار بغاوتیں کرتے اور یونانی حکمرانوں کے مظالم کا شکار ہوتے‘ لیکن اعلیٰ طبقے کے باشعور یہود ”مسیح“ سے ایسا نبی مراد لیتے تھے جو انہیں اس دور کی شیطنت اور استبداد سے نجات دلائے اور دنیا کو امن وسکون کا گہوارہ بنا دے۔

”بادشاہت“ سے مراد آسمانی بادشاہت تھی اور یروشلم بھی یہود والا نہ تھا‘ بلکہ آسمانی شہر تھا جو ہیرے جواہرات وغیرہ سے مرصع تھا اور جس کی ندیوں میں آبِ حیات رواں تھا۔ اس کیفیت نے اُن کے دلوں کی دھڑکنیں تیز کر دی تھیں۔ پارسا قسم کے یہودی شہر سے نکل کر غاروں میں جا بیٹھے‘ رہبانیت کو شعار بنایا اور فاقوں اور دعاؤں سے مسیحا کی آمد کو ”قریب تر“ کرنے لگے۔

چنانچہ ان امیدوں اور تمناؤں سے پیدا شدہ حالات میں ایک دن ایک خوبصورت نوجوان آنکھوں میں حیرت انگیز چمک لئے‘ کاندھوں پر زلفیں پھیلائے جو اُس کے روشن چہرے کے گرد ہالہ بنائے ہوئے تھیں‘ ہیکل سلیمانی میں داخل ہوا۔ دربارِ یہوا کی قدسی فضا اور نورانی ماحول میں یہودی بنچوں پر بیٹھے سکے کھنکھنا رہے تھے اور پیسے بٹور رہے تھے۔ حرم کے احاطے میں لوگ بازار سجائے عبادت کی بجائے خرید وفروخت میں مصروف تھے۔ یہ منظر دیکھ کر وہ جیالا نوجوان مشتعل ہو گیا اور اُس نے سارے بازار کا تختہ الٹ دیا۔ اس نے نہایت بارعب آواز میں احبار کی ریاکاری اور فریسی فقیہوں کی ملمع سازی کے خلاف پُرجوش تقریر کی۔ پاکباز یہودیوں نے سنا تو اس کے ساتھ ہو لئے اور نعرے لگانے لگے ”داؤد بیٹا آ گیا‘ داؤد بیٹا آ گیا۔ جس کا انتظار تھا‘ وہ داؤد بیٹا آ گیا“۔

پھر اس نوجوان کے ہاتھوں کئی مریضوں کو شفا ہوئی۔ جذامیوں کا کوڑھ دور ہوا اور کئی اندھوں کی بینائی لوٹ آئی۔ یہ خدا کے پیغمبر حضرت عیسیٰؑ تھے جو شریعتِ موسوی کی تجدید کے لئے یروشلم میں وارد ہوئے‘ لیکن وہ یہود تو یہ خواب دیکھ رہے تھے کہ اُس کی آمد سے انہیں دنیا جہان کی بادشاہت مل جائے گی اور وہ ساری دنیا کا خون پئیں گے۔ کوئی انہیں پوچھنے والا نہ ہوگا۔ اُن کے گھر ہیرے جواہرات سے مزین ہوں گے۔ دوسروں کے بچے اُن کے غلام جبکہ بیویاں اُن کی لونڈیاں بن جائیں گی‘ جن سے وہ عیش حاصل کریں گے۔ حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات سن کر نہ صرف اُن کا جوش و

حیاتِ مسیح علیہ السلام

۸ء	حضرت عیسیٰؑ بارہ سال کی عمر میں بیت المقدس آئے
مارچ ۲۹ء	عیدِ فصح پر دوبارہ بیت المقدس تشریف لائے
۱۶اپریل ۲۹ء	تیسری مرتبہ بیت المقدس آئے
۵اپریل ۳۰ء	عیدِ فصح آپ نے بیت المقدس میں منائی
۶اپریل ۳۰ء	گڈ فرائیڈے کے دن سولی پر چڑھائے گئے (عیسائیوں کے بقول)
۸اپریل ۳۰ء	ایسٹر سنڈے کو قبر سے اٹھائے گئے (عیسائیوں کے بقول)
۱۷مئی ۳۰ء	رفعِ مسیح ہوا۔ ۱۲۰ حواری بیت المقدس میں جمع ہوئے

(نوٹ: مسلمانوں کے نزدیک حضرت عیسیٰؑ سولی پر چڑھائے ہی نہیں گئے بلکہ یہودیوں نے آپ کے دھوکے میں کسی اور کو سولی چڑھایا اور اللہ نے آپ کو زندہ آسمان پر اٹھا لیا)

خروش ٹھنڈا ہو گیا بلکہ مایوسی اور ناامیدی بھی چھا گئی۔ چنانچہ انہوں نے آپؑ کو نبی ماننے سے صاف انکار کر دیا اور کہا ''عیسیٰؑ ناصری جلیل (گلیلی) کا باشندہ ہے۔ جلیل سے کوئی نبی پیدا نہیں ہو سکتا۔'' چنانچہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰؑ کو اپنے مظالم کا تختۂ مشق بنانا شروع کر دیا اور ان کے ظلم کا ہاتھ اس وقت تک نہ رکا جب تک انہوں نے بزعم خود ''مصلوب'' نہ کر دیا۔

یہود کے دل میں ایک بدنام اور خطرناک ڈاکو برابا کے لئے تو نرم گوشہ موجود تھا' مگر خدا کے فرستادہ نبی کے لئے اُن کا دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو چکا تھا۔ چاروں مروجہ اناجیل (مرقس' متی' لوقا اور یوحنا اس امر کی گواہی دیتی ہیں کہ حضرت مسیحؑ محض ایک دھرم کا پرچار کرنے نہیں اٹھے تھے' بلکہ پورے نظام تمدن کو بدل دینا اُن کا نصب العین تھا' جس کی تکمیل میں رومی سلطنت' یہودی ریاست' یہودی فقہا اور فریسیوں کے اقتدار اور تمام ذی ہوس یہودیوں سے جنگ کا خطرہ تھا۔ اسی لئے وہ لوگوں کو صاف الفاظ میں بتا دیتے تھے کہ جو کام میں کرنے جا رہا ہوں' وہ نہایت خطرناک ہے اور میرے ساتھ اُسی کو آنا چاہئے جو اِن تمام خطرات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو:

''جو کوئی میرے پیچھے آنا چاہے' وہ اپنی خودی سے انکار کر دے اور اپنی صلیب اٹھائے اور میرے پیچھے ہولے۔'' (متی ۱۶:۲۴)

حضرت عیسیٰؑ نے یہودی علماء پر تنقید کرتے ہوئے فرمایا:

''یہ فقیہہ اور فریسی حضرت موسیٰؑ کی گدی پر براجمان ہیں۔ پس جو کچھ وہ تمہیں بتائیں' اِن کو مانو لیکن اُن کے سے کام نہ کرو۔ کیونکہ وہ جو کہتے ہیں' کرتے نہیں۔ وہ ایسے بھاری بوجھ جن کا اٹھانا مشکل ہے' باندھ کر لوگوں کے کندھوں پر رکھ دیتے ہیں' مگر خود اُسے اٹھانے کے لئے انگلی بھی نہیں ہلانا چاہتے۔
وہ سب کام لوگوں کو دکھانے کے لئے کرتے ہیں۔ اپنے تعویذ بڑے بناتے ہیں۔ اپنی پوشاک لمبی چوڑی رکھتے ہیں اور ضیافتوں میں صدر نشین بن جاتے ہیں اور عبادت خانوں میں اعلیٰ درجے کی کرسیوں پر بیٹھتے ہیں۔ بازاروں میں سلام کرانا اور خود کو ربّی کہلانا پسند کرتے ہیں''۔

ایک اور موقع پر فرمایا:

''اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس ہے کہ آسمان کی بادشاہت لوگوں پر بند کرتے ہو — نہ خود داخل ہوتے ہو اور نہ داخل ہونے والوں کو داخل ہونے دیتے ہو۔
تم پر افسوس ہے کہ ایک مرید کرنے کے لئے بحر و بر کا دورہ کرتے ہو اور جب وہ تمہارا مرید بن چکتا ہے تو اُسے اپنے سے دوگنا جہنم کا فرزند بنا دیتے ہو۔
اے اندھی راہ بتانے والو! تم مچھر کو تو چھانتے ہو اور اونٹ کو نگل جاتے ہو۔
تم پر افسوس ہے کہ تم سفیدی پھری قبروں کی مانند ہو جو اوپر سے تو خوبصورت دکھائی دیتی ہیں' مگر اندر وہ مُردوں کے ڈھانچوں اور ہر طرح کی نجاست سے بھری ہوئی ہیں۔ اسی طرح تم بھی ظاہر میں لوگوں کو راست باز دکھائی دیتے ہو' مگر باطن میں ریاکاری' مکاری اور عملاً بے دینی سے بھرے ہوئے ہو''۔ (متی ۲۳:۲۸)

یوں حضرت عیسیٰؑ نے یہودی علماء اور فریسیوں کی ریاکاریوں کا پردہ چاک کر دیا تو اُن کے لئے آپؑ کی ذات ایک کھلا چیلنج بن گئی۔ وہ اپنے دوغلے کردار کے بے نقاب ہونے اور مکاریوں پر پڑے ہوئے پردوں کو اٹھتے ہوئے کیسے برداشت کر سکتے تھے! چنانچہ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اس آواز کو کیسے دبایا جائے۔ پس ایک منصوبہ تیار کیا گیا جس کے تحت انہوں نے اپنے شاگردوں کو ہیرودیوں (خفیہ پولیس کے اہل کاروں) کے ہمراہ حضرت عیسیٰؑ کے پاس بھیجا۔ انہوں نے کہا:

''اے استاد! ہم جانتے ہیں کہ تو سچا ہے اور سچائی سے خدا کی راہ کی تعلیم دیتا ہے اور کسی کی پروا نہیں کرتا۔ ہمیں بتا کہ کیا قیصر روم کو جزیہ دینا جائز ہے؟ حضرت عیسیٰؑ اُن کی شرارت کو فوراً سمجھ گئے۔ انہوں نے فرمایا: مکارو! مجھے کیوں آزماتے ہو' جزیے کا سکہ مجھے دکھاؤ۔ وہ دینار کا سکہ حضرت عیسیٰؑ کے پاس لے آئے۔ آپؑ نے ان سے کہا کہ: اس پر یہ صورت اور نام کس کا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ قیصر کا۔ اس پر آپؑ نے کہا: جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو اور جو خدا کا ہے وہ خدا کو ادا کرو۔'' (متی ۲۲:۱۵)

خفیہ پولیس کے اہل کاروں کو ہمراہ لے جانے کا یہود کا مقصد حضرت عیسیٰؑ کا قبل از وقت ریاستی حکمران سے تصادم کرانا اور تحریک کو جڑ پکڑنے سے پہلے ہی حکومت کے زور سے اُسے کچل ڈالنا تھا۔ اس کے جواب میں حضرت عیسیٰؑ نے جو ذو معنی بات کہی اُس کو دو ہزار سال سے مسیحی اور غیر مسیحی اس معنی میں لے رہے ہیں کہ عبادت خدا کی کرو اور اطاعت حکومتِ وقت کی کرتے رہو۔

اس سازش کے ناکام ہو جانے کے بعد یہودیوں نے خود حضرت مسیحؑ کے حواریوں میں سے ایک یہوداہ (Judas) کو رشوت دے کر اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ کسی ایسے موقع پر انہیں گرفتار کرائے گا جبکہ عوامی بلوے یا احتجاج کا خطرہ نہ ہو۔ چنانچہ یہ تدبیر کارگر ثابت ہوئی اور یہوداسکریوتی نے حضرت مسیحؑ کو گرفتار کرا دیا۔

''پھر ان کی ساری جماعت اٹھ کر اسے رومی حاکم پیلاطس کے پاس لے گئی اور انہوں نے الزام لگانا شروع کیا کہ اسے ہم نے اپنی قوم کو بہکاتے' قیصر کو جزیہ دینے سے منع کرتے اور اپنے آپ کو مسیح بادشاہ کہتے پایا ہے۔ پیلاطس نے یہودی کاہنوں اور عام لوگوں سے کہا کہ میں اس شخص کو قصوروار نہیں پاتا' لیکن یہودی اور بھی زور دے کر کہنے لگے کہ یہ تمام یہودہ میں لوگوں کو بغاوت پر اُبھارتا ہے۔ وہ چلاّ چلاّ کر اصرار کرتے رہے کہ اسے صلیب پر چڑھا دیا جائے۔ بالآخر اُن کا چلاّنا کارگر ہوا''۔

رومی حکمران نے حضرت عیسیٰؑ کو کوڑے لگوا کر سپاہیوں کی حفاظت میں دے دیا۔ سپاہی آپؑ کو کالوری پہاڑ پر لے گئے اور یہودیوں نے آپ کو جاتے ہوئے دیکھا۔ آپؑ رات بھر سجدے کی حالت میں دعا کرتے رہے: ''میرے پروردگار! مجھے صلیب کی ملعونی موت سے بچانا''۔ یہ ایک جلیل القدر پیغمبر کی معصوم دعا تھی جو حضرت ابراہیمؑ' حضرت اسحاقؑ' حضرت یعقوبؑ اور حضرت موسیٰؑ کے گھرانے کا نمائندہ تھا۔ اُن کی دعا کو شرفِ قبولیت حاصل ہوا' جس پر قرآنِ مجید کی سورۂ نساء کی آیت ۱۵۷ میں گواہی موجود ہے:

﴿وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ﴾

''حالانکہ فی الواقع انہوں نے نہ اس کو قتل کیا نہ صلیب پر چڑھایا بلکہ اُن کے لئے معاملہ مشتبہ کر دیا گیا''۔

تنظیم اسلامی کا پیغام
نظام خلافت کا قیام

بہہ گئی

عرب کو تھا اپنی جس عظمت پہ ناز
وہ عظمت دھری کی دھری رہ گئی
ہوا غرقِ پٹرول جوشِ جہاد
حیا تیل کی دھار میں بہہ گئی

(رئیس امروہوی)

یہود ظہورِ اسلام تک

یہود اگر حضرت عیسیٰؑ کا پیغام قبول کر لیتے تو یقیناً آج تاریخ انسانی کی شکل کچھ اور ہی ہوتی' لیکن انہوں نے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ کی طرح حضرت عیسیٰؑ کے پیغام کی بھی پروا نہ کی' اور اپنے جھوٹے وقار اور گھمنڈ میں آ کر اُن کی تکذیب کی' اور اُن کی تعلیمات کو غلط رنگ میں پھیلانے کی سازشیں کرنے لگے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰؑ کے بعد ریاست یہودہ اور یہودی پھر ظلم و تشدد کا شکار ہوئے۔ یروشلم ایک بار پھر تاراج ہو گیا اور یہودی منتشر ہو کر یورپ' ایشیا اور شمالی افریقہ میں پناہ گزیں ہوئے۔ لیکن وہ جہاں بھی گئے' اپنی عظمت اور افضلیت کے ڈنکے بجانے سے باز نہ رہے اور یہ خیال اُن کے ذہن میں ہمیشہ مسلط رہا کہ وہ تمام اقوامِ عالم میں سب سے افضل ہیں اور باقی تمام اقوام اور اُمتیں اُن کے آگے ''اُمّی'' ہیں۔

یہودیوں نے عیسائیوں کو اپنا مطیع بنانے کے لئے اپنے تین نکات کو ترویج دی:

۱) اپنی غلامی' غربت' بے بسی' بے چارگی اور بے مائیگی کو دلیل عظمت گرداناکہ اس طرح اُن پر ''آسمان کی ابدی بادشاہت'' کے دروازے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کھل جائیں گے۔

۲) اپنے گناہوں کا بار حضرت عیسیٰؑ پر ڈالنا جو ''خدا کا بیٹا'' ہونے کے باوجود اپنے پیروکاروں کو گناہوں سے پاک کرنے کے لئے صلیب پر چڑھ گئے۔

۳) انبیائے بنی اسرائیل پر ایمان رکھنا اور اُن کتابوں کو ماننا' جو ۴۰۰ قبل مسیح سے لے کر ۲۵۰ عیسوی تک یہودی احبار لکھتے رہے اور اپنی قوم کو ''اُمّیوں'' کے ساتھ خلط ملط ہونے سے بچانے کی کوششیں کرتے رہے۔ رفتہ رفتہ یہ کتابیں بھی انجیل میں شامل ہو کر الہام کا مقام پا گئیں' لیکن ان کے ''قوانین'' سے سینٹ پال کے ایک خط نے پردہ اٹھایا اور عیسائیوں کو اُن پر عمل کرنے سے بچالیا۔ ورنہ عجب نہ تھا کہ ''عیسائی بھیڑیں'' انہیں ناقابلِ عمل جان کر عیسائیت ہی سے برگشتہ ہو جاتیں۔

ان تمام کارروائیوں کے باوجود یہودی علماء اور احبار اُن مفادات و معاملات کے بارے میں سوچ بھی نہ سکے جو اُن کی آئندہ نسلوں پر مرتب ہونے والے تھے۔

پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ یونانیوں کی تباہ کاری کے بعد یہودیہ پر روم کا تسلط قائم ہو گیا تھا۔ ۶ عیسوی میں روم کے شہنشاہ آگسٹس نے یہودیہ کو داخلی آزادی عطا کی' لیکن اُسے شام کے گورنر ہی کی تحویل میں رہنے دیا۔ اسی سال رائے شماری کے روی طریق کار کے سبب یہودیوں میں بغاوت کی لہر اٹھی اور اُن میں ایک خاص طبقہ اُبھرا جس نے خود کو ''سرفروش'' کہنا شروع کیا۔ یہ طبقہ یہودیوں کی مکمل تباہ کاری تک سرگرمِ عمل رہا۔ اس کا دائرہ کار خاص طور پر جلیلیہ کا صوبہ تھا۔ اسی سال دارالحکومت یروشلم سے قیصریہ منتقل ہو گیا اور حکومت کا تمام انتظام ہیکل کے اسقف اعظم اور اُس کے نمائندوں کے ہاتھوں میں دے دیا گیا' جو ملک میں امن و امان اور انصاف و عدل بھی قائم رکھتے اور تورات کے مطابق لوگوں سے نذرانے اور جزیہ بھی وصول کرتے۔

۱۴ عیسوی میں آگسٹس کی موت پر تائبریس روم کا شہنشاہ بنا۔ اس کے ۲۳ سالہ عہد میں یہودیہ مسلسل سازشوں اور ہنگاموں کا مرکز رہا اور وہ داخلی خود مختاری جو آگسٹس نے دی تھی' رفتہ رفتہ ان ہنگاموں کی نذر ہو گئی۔ یہودیوں کو خداوند یہوا کے نام پر جتنے چڑھاوے اور نذرانے پیش کرنا ہوتے تھے' سرکاری احکامات کے مطابق وہ تمام تر شہنشاہ روم کے واسطے اور وسیلے سے چڑھانا ہوتے تھے۔ چنانچہ یہودی ''سرفروشوں'' کے لئے عوام کو مذہب کے نام پر روم کے خلاف بھڑکانا بہت آسان ہو گیا۔ شہنشاہ کیلی گولا کا دیوتائی اعلان جلتی پر تیل ثابت ہوا۔ اس کے حکم کے مطابق یونان کے محروسہ علاقوں میں اُس کے بتوں کو بھی دیوتاؤں کے ساتھ پوجا جانے لگا۔ دوسری طرف یہوا کے پجاری شہنشاہ کے نام پر چڑھاوے تو چڑھاتے رہے لیکن انہوں نے اس کے بت کو ہیکل اور کینساؤں میں رکھنے سے انکار کر دیا۔ ایک روایت کے مطابق کئی سو یہودی شام کے گورنر کے پاس اس بارے میں ایک فریاد بھی لے کر گئے۔ تین دن تک بچے' بوڑھے' عورتیں' مرد بھوک پیاس اور گرمی کی شدت کے باوجود اپنے مطالبے پر ڈٹے رہے۔ دریں اثنا کیلی گولا نے اسکندریہ میں سختی سے کام لیا اور جن یہودیوں نے اُس کی بندگی سے انکار کیا' ان کا قتل عام کیا گیا۔ کینساؤں میں کیلی گولا کے بت زبردستی رکھ دیئے گئے۔ حمایت نہ کرنے والے راہبوں کو طرح طرح کی اذیتیں دی گئیں۔

کیلی گولا کے قتل (۴۱ء) کے بعد کلاڈیس اول شہنشاہ روم کی حیثیت سے تخت نشین ہوا۔ اُس نے ہیرود اعظم کے پوتے اگریپا کو پورے فلسطین کا بادشاہ مقرر کیا اور یوں ایک طویل عرصے کے بعد تین برس کے لئے یہودیوں پر ایک یہودی حکمران مقرر رہا۔

۴۴ء میں کلاڈیس کی موت پر فاڈس اُس کا جانشین بنایا گیا۔ اُس کے عہد کی خاص بات یہ تھی کہ اس دور میں تھیوڈاس نے ''نبوتِ یہود'' کا دعویٰ کیا۔ بے تعداد میں یہودی اُس کے دعوے پر ایمان لائے لیکن فاڈس نے تھیوڈاس اور اُس کے پیروکاروں کو قتل کروا کر اس سلسلے کو ختم کر دیا۔

۴۴ء تا ۵۲ء یہودیہ کا گورنر کیوماس تھا۔ اس نے ہیکل میں قتل عام کروادیا۔ ۵۲ء تا ۶۰ء فیلکس گورنر رہا۔ اس کے زمانے میں رومیوں کے خلاف یہودیوں نے بغاوت کی۔ صدوکیوں نے ان لوگوں کا قتل عام کیا۔ اسقفِ اعظم کو بھی قتل کیا گیا۔ اس سے بدامنی اور انتشار کا ماحول سارے ملک پر چھا گیا۔ اس پر طرہ یہ کہ ان پر ایسے گورنر بھیجے گئے جو ظلم و ستم کے شوقین تھے۔ فلورس گورنر کی بجائے جلاد ثابت ہوا۔ اس نے چوروں' ڈاکوؤں اور قاتلوں کو بڑی بڑی رقمیں لے کر رہا کر دیا۔ ان حالات سے نبرد آزما ہونے کے لئے صدوکیوں نے جان بازوں اور شمشیر برداروں کے گروہ پیدا کئے جو ہر اُس یہودی کو قتل کر دیتے جس پر ''روم نوازی'' کا شائبہ ہوتا۔ گورنر فلورس نے ہیکل کے سرمائے میں سے

کہاں ہے؟

جو اہل فلسطین کو خطرے سے بچائے
وہ عزم، وہ تحریک، وہ اقدام کہاں ہے؟
اب عالمِ اسلام کو اٹھنے کی ضرورت
بے شک ہے، مگر عالمِ اسلام کہاں ہے؟

(رئیس امروہوی)

سونے کے سترہ توڑے حاصل کئے تو یہود کے صبر کا پیمانہ چھلک اٹھا۔ نوجوانوں نے اس ذلت کی تشہیر کرنے کے لئے بھیک کے کاسے لے کر نکلنا شروع کر دیا۔ فلورس کے سپاہیوں نے یہودیوں کے ہجوموں پر زبردست حملے کیے۔ ان کے گھر لوٹے اور انہیں رسوا کیا۔ کہتے ہیں کہ ایک دن میں چار ہزار یہودی قتل کئے گئے۔ بڑے بوڑھے جب نوجوانوں کو صبر کی تلقین کرتے تو نوجوان انہیں بزدلی کا طعنہ دیتے اور روما کے زر خرید غلام ٹھہراتے۔ یروشلم جس کی آبادی ایک لاکھ نفوس پر مشتمل تھی، دو حصوں میں بٹ گیا: شمالی یروشلم اور جنوبی یروشلم، اور دونوں حصے ایک دوسرے کے دشمن بن گئے۔

۶۸ عیسوی میں جھڑپوں نے باقاعدہ جنگ کی صورت اختیار کر لی۔ بارہ ہزار یہودی جنگ کا شکار ہوئے۔ باغیوں نے روما کی فوجی چھاؤنی کا بھی محاصرہ کر لیا اور رومن سپاہیوں سے ہتھیار چھین کر انہیں بھی قتل کر دیا جس کے نتیجے میں قیصریہ کے غیر یہود نے ۲۲ ہزار یہودی مار ڈالے اور ہزاروں کو غلام بنا کر فروخت کر دیا۔ دمشق میں بھی ۲۰ یہودی موت کے گھاٹ اتارے گئے۔ انتقاماً باغیوں نے فلسطین اور شام کے کئی رومی شہروں کو نذرِ آتش کیا۔ اب بغاوت عام ہو گئی۔ ایک یروشلم ہی کیا، سارا فلسطین اس رو میں بہہ گیا۔ وسپاشین نے پورے فلسطین کو زیر کرنے کے بعد اسکندریہ کی راہ لی اور ٹائٹس نے یروشلم کا محاصرہ کیا۔ شہر میں چھ لاکھ باغی جمع تھے۔ ہر شخص مسلح تھا۔ عورتیں مردوں کے دوش بدوش کھڑی تھیں، لیکن اس دوران میں قحط پھیل گیا۔ یہودی دانے دانے کو محتاج ہو گئے اور انجام کار ہزاروں یہودی رومیوں کے ہتھے چڑھ گئے۔

۷۰ء کا یہ محاصرہ پانچ مہینے جاری رہا۔ اس دوران ایک لاکھ سولہ ہزار یہودی صرف بھوک کی وجہ سے موت کا شکار ہوئے۔ قحط سے تنگ آ کر یہودی سونے کے سکے نگل کر یروشلم سے باہر نکلنے کی کوشش کرتے تو انہیں شامی اور رومی فوجی پکڑ کر مار ڈالتے اور ان کے پیٹوں سے سکے نکال لیتے۔ پانچ مہینوں میں رومیوں نے آدھا یروشلم فتح کر لیا۔ ہیکل کو نذرِ آتش کر دیا۔ یہودی بڑی بے جگری سے لڑے، لیکن رومیوں نے کسی کو نہ بخشا۔ ۹۷ ہزار یہودیوں کو غلام بنا کر روم میں بھوکے شیروں کے آگے ڈالا گیا۔ وہ اہلِ روم کی تفریح کا شکار ہوئے۔ یہودیوں کے اپنے تخمینے کے مطابق مارے جانے والوں کی تعداد گیارہ لاکھ ستانوے ہزار تھی، جبکہ رومی تخمینے کے مطابق چھ لاکھ یہودی اس موقع پر مارے گئے۔

ہیکل کی آگ نے یہودیہ کی ریاست کو نگل لیا۔ باغیوں کی جائیدادیں ضبط کر لی گئیں۔ ملک بھر میں اگر کوئی یہودی بچا تھا تو وہ فاقہ کش اور بیکار تھا اور یہودی ہونے کے سبب اُس پر جزیہ ادا کرنا بھی لازم تھا۔ اسقفِ اعظم، اس کا عہدہ اور اس کی کونسل ختم ہو گئی۔ یہودی اب پھر ایک آوارہ اور گم گشتہ اور سرگرداں قوم تھی جس کا کوئی مرکز، کوئی ہیکل باقی نہ رہا۔ صدوکی مٹ گئے۔ فریسی جو بچ گئے، وہ بے خانماں پھرنے لگے۔ اب ان کے پاس یہوا کا وعدہ تھا۔ یورپ، افریقہ اور ایشیا کی بھیک تھی اور یہ امید کہ وہ ایک بار پھر جمعیت کی حیثیت سے ابھریں گے اور تمام دنیا سے انتقام لیں گے۔

۷۰ء کی یہ شکست یہودیوں کی اجتماعی زندگی میں ایک انتہائی اہم سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ انہوں نے مستقبل کی خوش امیدی پر اپنے حال کے کٹھن ہونے کو برداشت کرنا گوارا کر لیا۔ یہ کٹھن حالات صرف برس دو برس یا نصف صدی تک محدود نہیں رہے، بلکہ حقیقت میں ۷۰ء سے ۲۰۰۲ء تک بیس صدیوں پر محیط ہیں۔

طالبات کے لئے ایف اے اور بی اے کی تعلیم کا جدید ادارہ

طُوبیٰ گرلز کالج لاہور

ایف اے سال اول / دوم میں داخلے جاری ہیں

- بہترین محل وقوع
- تجربہ کار اور کوالیفائڈ ٹیچنگ سٹاف
- جملہ تدریسی آلات سے مزین
- ماڈرن کمپیوٹر لیب اور کمپیوٹر کی لازم تعلیم بلا اضافی فیس
- اسلامی تعلیمات اور نظریہ پاکستان کے فروغ پر خصوصی توجہ
- کشادہ لائبریری ہال ● باپردہ اور پاکیزہ ماحول ● خوبصورت اور کشادہ عمارت
- تفریح کے لئے ان ڈور اور آؤٹ ڈور کھیلوں کی سہولت اور صاف ستھری کینٹین

اقتدار احمد ویلفیئر ٹرسٹ کے زیر اہتمام طوبیٰ گرلز کالج کا قیام فروغِ تعلیم اور کردار سازی کو ایک مقدس مشن سمجھتے ہوئے عمل میں لایا گیا ہے۔ طوبیٰ گرلز کالج میں اسلامی نقطۂ نگاہ سے بچیوں کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے کہ جنہیں آنے والی نسل کی تربیت کا فریضہ سرانجام دینا ہے۔

مزید معلومات کے لئے کالج کا پراسپیکٹس حاصل کریں

طُوبیٰ گرلز کالج لاہور 78 سیکٹر اے ون۔ ٹاؤن شپ لاہور
فون: 5114581 e-mail:toobacollege@ hotmail.com

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہود کا رویہ

اللہ کے آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ظہورِ اقدس تک یہودی اقصائے عالم میں منتشر و آوارہ ہو چکے تھے۔ سود در سود' تجارت' کاروبار اور بردہ فروشی کی بدولت اپنی بستیاں جگہ جگہ آباد کر چکے تھے۔ ہر جگہ ان کا ہاتھ مقامی معیشت اور تجارت کی گردن پر تھا۔ وہ اپنے مفادات کے لئے اوروں میں جہالت کو پروان چڑھاتے اور دوسروں کی بے بسی اور بے چارگی کا مذاق اڑا کر اپنی ''دستارِ فضیلت'' کا طرہ بلند کرتے۔

حضور ﷺ کی بعثت کی اوّلین تائید مکّہ کے مشہور راہب ورقہ بن نوفل نے کی تھی۔ اس نے اقرار کیا تھا کہ حضور ﷺ ہی وہ نبی ہیں جن کی آمد کا انتظار یہود و نصاریٰ دونوں کو تھا۔

حضور ﷺ کو یہود سے پہلا سابقہ ہجرت کے بعد پڑا۔ مدینہ کے نواح میں یہودیوں کی بستیاں قلعوں کی صورت میں آباد تھیں۔ تجارت' سود' طب اور فطری شر انگیزی نے انہیں مدینہ کی اجتماعی زندگی میں امتیازی حیثیت دے دی تھی۔ وہ مقامی لوگوں کو آپس میں لڑاتے' ان کے اختلافات کو ہوا دیتے اور اس باہمی جنگ و جدال سے اپنے ہاتھ رنگتے۔

میثاقِ مدینہ

جن دنوں آنحضرت ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ میں رونق افروز ہوئے' یہود کے تین قبیلے بنونضیر' بنو قینقاع اور بنوقریظہ اطراف مدینہ میں آباد تھے اور مضبوط قلعے اور برج بنا رکھے تھے۔ انصار کے دو مشہور قبائل اوس اور خزرج کے مابین جو آخری معرکہ (جنگ بعاث) ہوا تھا' اس نے انصار کا زور توڑ دیا تھا۔ دونوں قبائل نے اسلام قبول کر کے آپس میں اتحاد و یگانگت کا ماحول پیدا کر لیا تھا۔ لیکن یہود ہمیشہ اس کوشش میں رہتے کہ انصار کے دونوں قبائل میں اتحاد نہ ہو۔ چنانچہ اس مقصد کے پیش نظر یہودی ریشہ دوانیاں کرتے رہتے۔ حضور ﷺ نے مدینہ میں پہلا کام یہ کیا کہ مسلمانوں اور یہودیوں کے تعلقات واضح اور منضبط فرمائے۔ یعنی حضور ﷺ نے انصار اور یہود کے درمیان ایک معاہدہ لکھوایا جسے فریقین نے قبول کیا۔ تاریخ میں یہ ''میثاقِ مدینہ'' کے نام سے موسوم ہے۔ یہ دنیا کا پہلا باقاعدہ تحریری وفاقی دستور تھا جو آنحضرت ﷺ کی قیادت میں مرتب و نافذ ہوا۔ یہ معاہدہ جمادی الثانی ایک ہجری/ جنوری ۶۲۳ء میں ہوا' جس کا خلاصہ یہ ہے:

۱) یہ سب لوگ ایک ہی قوم سمجھے جائیں گے۔ بنی عوف کے یہودی مسلمانوں کے ساتھ ایک قوم ہیں۔
۲) جو کوئی معاہد قوم کے ساتھ جنگ کرے گا تو اُس کے خلاف سب مل کر کام کریں گے۔ مسلمان اُس کی نصرت کریں گے۔
۳) معاہد اقوام کے باہمی تعلقات' باہمی خیر خواہی' خیر اندیشی اور فائدہ رسانی کے ہوں گے' ضرر اور گناہ کے نہ ہوں گے۔
۴) جنگ کے دنوں میں یہودی بھی مسلمانوں کے ساتھ جنگ کے اخراجات برداشت کریں گے۔
۵) یہودیوں کی دوست اقوام کے حقوق یہودیوں کے برابر سمجھے جائیں گے۔
۶) کوئی شخص اپنی معاہد قوم کے ساتھ مخالفانہ کارروائی نہ کرے گا۔
۷) مظلوم کی مدد و نصرت کی جائے گی۔
۸) مدینہ کے اندر کشت و خون تمام معاہد قوموں پر حرام ہوگا۔
۹) زنہاری بھی معاہد قوموں جیسے سمجھے جائیں گے۔
۱۰) اس معاہدے کی قوموں کے اندر اگر کوئی ایسی نئی بات یا جھگڑا پیدا ہو جائے جس میں فساد کا خوف ہو تو اللہ اور اس کے رسول محمد ﷺ کا فیصلہ دونوں کو تسلیم کرنا ہوگا۔

''میثاقِ مدینہ'' سے یہود اور مسلمانوں کی جمعیت سے ایک پُرامن اور سلامتی والا معاشرہ وجود میں آیا۔

غزوۂ بدر اور یہودی

یہودی بظاہر اس معاہدے سے مطمئن نظر آ رہے تھے لیکن اندر سے ان کا خون کھول رہا تھا۔ غزوۂ بدر سے قبل کے واقعات اور مشرکین مکّہ کے منصوبوں سے انہیں امید تھی کہ مسلمان زیادہ دیر تک نہیں جئیں گے۔ یہ جلد ختم ہو جائیں گے یا کمزور پڑ جائیں گے تو اسلام کی تحریک خود بخود ختم ہو جائے گی۔ اس کے لئے قریش مکہ کے ساتھ اُن کا خفیہ نامہ و پیام جاری رہا۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے ساتھ بھی اُن کی درپردہ سازباز تھی۔

لیکن ''میثاقِ مدینہ'' کے چار ماہ بعد ہی غزوۂ بدر نے اسلام کو ایک ''مستحکم'' ''ریاست'' بنا دیا تو یہودیوں کی تمام امیدوں پر پانی پھر گیا۔ اب تک انہیں یہی توقع تھی کہ قریش مکہ کی جمعیت اسلام کو اور رسول کریم ﷺ کو (نعوذ باللہ) ختم کر دے گی' لیکن جب غزوۂ بدر کا نتیجہ ان کی توقعات اور خواہشات کے برعکس نکلا تو اُن کے دلوں پر غم کے بادل چھا گئے۔ آتشِ رقابت اور دلوں میں چھپی ہوئی دشمنی سامنے آئے بغیر نہ رہ سکی۔ انہوں نے تو اپنے اندازے کے مطابق مسلمانوں کو مدینہ میں چند روز کا مہمان سمجھ کر معاہدے پر وقتی طور پر دستخط کئے تھے مگر غزوۂ بدر کی بدولت مسلمان اب صرف ایک مذہب کے پیروکار ہی نہیں بلکہ ایک مستقل سیاسی و عسکری طاقت دکھائی دینے لگے۔ اور ''میثاقِ مدینہ'' مسلمانوں کی تقویت کا باعث بنتا محسوس ہو رہا تھا۔ چنانچہ یہودیوں نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق میثاق کی خلاف ورزیاں شروع کر دیں۔

یہودی سردار کعب بن اشرف نے جب فتح بدر کی خبر سنی تو وہ چیخ اٹھا: ''آج زمین کا پیٹ ہمارے لئے اس کی پیٹھ سے بہتر ہے''۔ وہ چند لوگوں کو ساتھ لے کر مکّہ جا پہنچا اور انہیں جوش دلانے اور مسلمانوں سے شکست کا بدلہ لینے کی تلقین کرنے لگا۔ وہ ہیجان خیز مرثیے پڑھ کر قریش کو جوش دلانے اور انہیں انتقام پر اکسانے لگا۔ ایک مرثیے کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

بدر کی چکی نے تمہارے جوانوں کا خون پیس ڈالا
بدر کے واقعات پر چیخو' آنسو بہاؤ!
تمہارے بہترین بہادروں کی گردنیں کٹ کر زمین پر گریں
تمہارے شہزادوں کی لاشیں بدر میں پڑی رہ گئیں
کیسے کیسے حسین' شجیع اور خاندانی جوان تھے وہ
وہ جو بھوکے' بے گھر لوگوں کی پناہ تھے' کٹ مرے
وہ کھلے خزانے خیرات کرتے' جب ستاروں سے بارش نہ برستی
وہی تو تھے جو دوسروں کا بوجھ اٹھاتے تھے
وہ راج دلارے تھے
جو صرف اپنا حق لیا کرتے تھے

بعض لوگ جن کے غصے پر میرا جی خوش ہوتا ہے' کہتے ہیں
کعب بن اشرف تو بالکل مایوس ہوگیا
وہ سچے ہیں
اے کاش! جب وہ قتل ہوئے تو زمین پھٹ جاتی
اور اپنے بچوں کو نگل لیتی
اور وہ جو اس خبر کو پھیلانے آئے تھے'
نیزوں پر چڑھائے جاتے
یا اندھے' بہرے اور گونگے بن کر زندہ رہتے

بنی قینقاع کی شرارت

آنحضور ﷺ بدر میں کفارِ مکہ سے برسرِ پیکار تھے کہ مدینہ کے یہودیوں نے آپؐ کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مسلمانوں کو تنگ کرنا شروع کیا۔ جب مسلمان بدر میں فتح یاب ہوئے تو مدینہ کے یہودیوں کو اسلام کی ''طاقت'' سے خطرہ محسوس ہوا۔ اہل یہود میں سے بنی قینقاع سب سے بہادر اور لڑاکا قبیلہ تھا۔ اسلام کی ابھرتی ہوئی طاقت سے مرعوب ہو کر سب سے پہلے اس قبیلے نے مسلمانوں کے خلاف اعلانِ جنگ کیا۔ بنو قینقاع پہلے یہود تھے جنہوں نے ''میثاق مدینہ'' کو توڑ ڈالا۔ مؤرخ ابن سعید لکھتے ہیں: ''واقعہ بدر میں سب یہودیوں نے شورش کی اور حسد ظاہر کیا اور عہد کو توڑ ڈالا''۔

ایک اتفاقی حادثے نے حسد کی اس آگ کو مزید بھڑکایا۔ واقعہ یہ ہوا کہ ایک انصاری عورت مدینہ کے بازار میں ایک یہودی کی دکان پر گئی۔ یہودی نے اس کی بے حرمتی کی۔ اس سے غضب ناک ہو کر ایک غیرت مند مسلمان نے یہودی دکاندار کو قتل کر دیا' جس سے سارے مدینہ میں کشیدگی پھیل گئی۔

آنحضور ﷺ جب غزوۂ بدر سے واپس مدینہ تشریف لائے تو آپؐ کو حالات کا علم ہوا۔ آپؐ نے اس فعل پر یہودیوں کی ملامت کی' جس پر بنو قینقاع بگڑ گئے اور بولے کہ ہم قریش نہیں' جب ہم سے معاملہ پڑے گا تو ہم دکھلا دیں گے کہ لڑائی کسے کہتے ہیں۔ یہودیوں کی طرف سے یہ جواب نہ صرف معاہدہ توڑنے بلکہ اعلانِ جنگ کے ہم معنی تھا۔ چنانچہ وسط شوال دو ہجری میں آنحضور ﷺ نے یہودیوں کا محاصرہ کر لیا' جو پندرہ دن تک جاری رہا۔ بالآخر مسلمانوں کی طاقت سے مرعوب ہو کر بنو قینقاع نے غیر مشروط طور پر رسولِ کریم ﷺ کے حکم پر رضامندی ظاہر کی۔ رأس المنافقین عبد اللہ بن اُبی اور حضرت عبادہؓ بن صامت کی سفارش پر بنو قینقاع قتل سے تو بچ گئے' مگر آنحضور ﷺ نے ان کی جلاوطنی کا حکم صادر فرمایا۔

بنی نضیر کی ہٹ دھرمی: بنی کلاب کے دو آدمی مقتول ہوئے تو آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بنی کلاب ہمارا معاہد قبیلہ ہے' اس لئے ان کی دیت دینی ہوگی۔ یہودیوں کا قبیلہ بنی نضیر بھی چونکہ بنی کلاب کا حلیف تھا' اس لئے آنحضور ﷺ دیت کے متعلق گفتگو کرنے کے لئے بنی نضیر کے پاس تشریف لے گئے۔ حضور ﷺ کے ساتھ حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے علاوہ دوسرے صحابہؓ بھی تھے۔ بنی نضیر بظاہر آپؐ سے بڑے اخلاق سے ملے اور حضور ﷺ کو ایک دیوار کے پاس بٹھایا' لیکن پوشیدہ طور پر ایک شخص کو بھاری پتھر دے کر چھت پر چڑھانے کا مشورہ کیا کہ جس وقت حضور ﷺ دیت کے متعلق گفتگو میں مصروف ہوں' اس وقت پتھر گرا کر آپؐ کا کام تمام کر دیا جائے۔ سلام بن مشکم یہودی کو جب اس مشاورت کی خبر ہوئی تو اس نے اہل یہود سے کہا: ''ایسا ہرگز نہ کرو۔ خدا کی قسم اس کا ربّ اس کو خبر کر دے گا۔ نیز یہ بدعہدی ہے''۔

مگر اہل یہود نے اس بات کی پروانہ کی اور عمرو بن حجاش کو پتھر گرانے کے لئے چھت پر چڑھا دیا۔ اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آنحضور ﷺ کو یہودیوں کے سازشی مشورے سے مطلع کر دیا۔ آنحضور ﷺ فوراً وہاں سے اٹھ کر مدینہ تشریف لے آئے۔ حضور ﷺ وہاں سے اس طرح اٹھے تھے' جیسے کوئی کسی اہم ضرورت کے تحت اٹھتا ہو۔ اس لئے صحابہؓ وہیں بیٹھے رہے۔ یہود کو جب حضور ﷺ کے چلے جانے کا علم ہوا تو بہت نادم ہوئے۔ کنانہ بن حویرا یہودی نے کہا: ''تم کو معلوم نہیں کہ محمدؐ کیوں اٹھ کر چلے گئے ہیں۔ خدا کی قسم' ان کو تمہاری غداری کا علم ہو گیا ہے۔ بخدا وہ اللہ کے رسول ہیں''۔

بہرحال جب آنحضرت ﷺ کی واپسی میں تاخیر ہوئی تو صحابہؓ آپؐ کی تلاش میں مدینہ آئے۔ حضور ﷺ نے صحابہؓ کو یہودیوں کی غداری سے مطلع فرمایا۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے بنی نضیر کو کہلا بھیجا کہ تم کو دس روز کی مہلت دی جاتی ہے' تم اطرافِ مدینہ سے نکل جاؤ ورنہ اس مدت کے بعد تمہارا جو شخص بھی پایا جائے گا' قتل کر دیا جائے گا۔

بنو نضیر کو یہ شرط منظور تھی اور دس دن کے اندر مدینہ سے نکل جانے پر راضی تھے' مگر اس بنا پر انکار کر دیا کہ رأس المنافقین عبد اللہ بن اُبی نے بنی قریظہ اور بنی غطفان کی حمایت اور اپنی طرف سے دو ہزار آدمی بھیج کر انہیں امداد کا یقین دلایا تھا۔

آنحضرت ﷺ نے بنی نضیر کے انکار کے بعد حملے کی تیاری کا حکم دیا۔ چنانچہ ربیع الاول ۴ ہجری/ستمبر ۶۲۵ء میں حضرت عبد اللہ بن مکتومؓ کو اپنے پیچھے مدینے کا عامل بنا کر آپؐ بنی نضیر کی طرف روانہ ہوئے۔ اس غزوے میں اسلام کا پرچم حضرت علیؓ کے ہاتھ میں تھا۔ حضور ﷺ نے جاتے ہی بنی نضیر کا محاصرہ کر لیا۔ مسلمانوں کے خوف

> اب کہاں جاؤ گے؟ اے دیدہ ورو!
> اب تو اُس سمت بھی ظلمت ہے
> جہاں شب کے الاؤ میں نہا کر
> مرے سورج کو نکلنا تھا
> گجر بجنے تھے
> اب تو مشرق پہ بھی مغرب کا گماں ہوتا ہے
> اب تو جب ذکر کرو نورِ سحر کا
> تو بلک اُٹھتی ہے دنیا کہ کہاں ہوتا ہے؟
>
> احمد ندیم قاسمی

سے کوئی قبیلہ ان کی مدد کو نہ پہنچا۔ اسی اثناء میں انہوں نے ایک اور عیاری کی' وہ یہ کہ حضور ﷺ کو پیغام بھیجا کہ آپؐ تین آدمی ہمراہ لائیں جو ہمارے علماء سے مناظرہ کریں' اگر ہمارے علماء ایمان لے آئے تو ہم بھی ایمان لے آئیں گے۔ مگر پوشیدہ طور پر اپنے علماء کو ہدایت کی کہ وہ تین خنجر اپنے کپڑوں میں چھپا کر لے جائیں' اور ملاقات کے وقت موقع پر حضور ﷺ کو قتل کر دیں۔ اللہ کے حکم سے حضور ﷺ چونکہ ملاقات سے پہلے ہی بنی نضیر کی اس چالاکی اور عیاری سے باخبر ہو گئے تھے' اس لئے ملاقات کی نوبت نہ آئی۔

محاصرہ پندرہ روز تک جاری رہا۔ اس اثناء میں حضور ﷺ نے بنی نضیر کے باغوں اور درختوں کو کاٹنے اور جلانے کا حکم دیا۔ بالآخر بنی نضیر ذلیل ہو کر امن کے خواستگار ہوئے۔ حضور ﷺ نے ان کی درخواست قبول فرماتے ہوئے انہیں دس دن کی مہلت دی اور فرمایا کہ وہ سامان حرب کے علاوہ اپنے اہل و عیال اور جس قدر سامان اونٹوں پر اور سواریوں پر لاد کر لے جا سکتے ہیں' لے جائیں۔ بنی نضیر نے اس رعایت سے یہاں تک فائدہ اٹھایا کہ مکانوں کے دروازے اور چوکھٹ بھی اکھاڑ لئے اور جہاں تک بن پڑا' اونٹوں پر زیادہ سے زیادہ مال و اسباب لاد کر لے گئے۔ ان جلاوطن یہودیوں میں سے اکثر مدینہ سے دو سو میل شمال میں خیبر میں جا کر آباد ہو گئے۔

بنی قریظہ کی غداری

اب یہودیوں کا صرف ایک قبیلہ بنو قریظہ رہ گیا تھا جو مدینے کے نواح میں آباد تھا اور اپنے دیگر قبائل کا انجام دیکھ کر کسی مناسب موقع کا انتظار کر رہا تھا۔ حضور ﷺ بھی اس کے عزائم سے بے خبر نہ تھے۔ آپؐ نے ان پر نگرانی کے

لئے دو سو جاں باز مقرر کر رکھے تھے۔ دوسری جانب خیبر کے یہودیوں نے کفار مکہ سے مسلسل رابطہ رکھا اور انہیں مدینہ پر لشکر جرار کے ساتھ بڑے حملے پر آمادہ کرتے رہے۔ ان کی ناپاک مساعی کے نتیجے میں ۵ ہجری میں دس ہزار مسلح فوج مدینہ پر حملہ آور ہوگئی۔ آپؐ نے شہر کے گرد خندق کھدوا دی۔ اس فوج نے بیس روز تک مدینے کا محاصرہ جاری رکھا۔ ایک دن کفار نے مسلمانوں پر پتھروں کی بارش کر دی۔ مسلمان ان کا جواب دینے میں مصروف تھے کہ یہود بنی قریظہ نے صورتِ حال سے فائدہ اٹھایا اور اس قطعے پر حملہ کر دیا جہاں خواتین جمع تھیں، لیکن مسلمان خواتین نے زبردست جرأت و بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں مار بھگایا۔ اس کے بعد کسی کو ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہ ہو سکی۔ پھر حالات نے پلٹا کھایا۔ یہود اور قریش مکہ کی آپس میں ٹھن گئی۔ ایسے میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی نصرت فرمائی۔ ایک رات ایسا سرد طوفان آیا کہ قریش کے خیمے الٹ گئے اور وہ بدحواس ہو کر بھاگ گئے۔ محاصرہ ختم ہوگیا۔

غزوۂ خندق سے واپسی پر حضور ﷺ نے بنو قریظہ کی بدعہدی اور غداری کی سزا دینے کے لئے حملے کا حکم دے دیا۔ حضور ﷺ نے ذی الحجہ ۵ ہجری میں حضرت عبداللہ ابن مکتومؓ کو مدینے میں اپنا قائم مقام مقرر فرما کر بنو قریظہ کا محاصرہ کر لیا جو ۲۵ دن تک جاری رہا۔ محاصرے کی طوالت اور شدت سے مجبور ہو کر بنو قریظہ اس پر آمادہ ہو گئے کہ رسول کریم ﷺ جو حکم دیں اسے منظور کر لیں۔ اس پر بنی اوس جو کہ بنو قریظہ سے حلیفانہ تعلقات رکھتے تھے، آنحضور ﷺ سے درخواست گزار ہوئے کہ جس طرح حضور ﷺ نے خزرج کی درخواست پر بنی نضیر سے معاملہ فرمایا تھا اسی طرح ہماری درخواست پر بنو قریظہ سے معاملہ فرمائیں۔ یہودیوں نے ہتھیار ڈالنے کی پیشکش کرتے ہوئے کہا کہ ان کی سزا کا فیصلہ بنی اوس کے سردار حضرت سعدؓ بن معاذ کریں جن کے ساتھ ان کے تجارتی تعلقات بھی تھے اور جو ان کے حلیف قبیلہ اوس کے سردار ہونے کے سبب اُن کے نزدیک بہت محترم تھے۔ یہودیوں کا خیال تھا کہ حضرت سعدؓ دیرینہ مراسم کی بنا پر ان کے ساتھ حضور ﷺ کی بہ نسبت زیادہ نرمی سے پیش آئیں گے۔ آنحضور ﷺ نے بنی اوس کی درخواست منظور کرتے ہوئے یہ معاملہ ان کے سردار حضرت سعدؓ بن معاذ کے سپرد کر دیا۔

حضرت سعدؓ بن معاذ غزوۂ خندق میں شدید زخمی ہونے کے باعث مسجد نبوی کے پاس ایک خیمے میں مقیم تھے۔ انہیں یہود کی بدعہدی اور غداری کا سخت ملال تھا۔ انہوں نے بڑی بردباری کے ساتھ یہود سے پوچھا کہ ''فیصلہ تمہاری کتاب تورات کے مطابق کیا جائے یا ہماری کتاب قرآن کے مطابق؟'' انہوں نے اصرار کیا کہ ہماری کتاب کے مطابق فیصلہ صادر کیجئے۔ تورات کے باب ''استثناء'' میں کہا گیا ہے:

''جب کسی شہر پر حملہ کرنے کے لئے تُو جائے تو پہلے صلح کا پیغام دے۔ اگر وہ صلح تسلیم کر لیں اور تیرے لئے دروازے کھول دیں تو جتنے لوگ وہاں موجود ہوں سب تیرے غلام ہو جائیں گے۔ لیکن اگر صلح نہ کریں تو ان کا محاصرہ کر اور جب تیرا خدا تجھ کو ان پر قبضہ دلا دے تو جس قدر مرد ہوں سب کو قتل کر دے۔ باقی بچے، عورتیں، جانور اور جو چیزیں شہر میں موجود ہوں سب تیرے لئے مال غنیمت ہوں گی''۔

تورات کے اس حکم کے مطابق حضرت سعدؓ نے اپنا فیصلہ سنا دیا کہ یہود کے لڑنے کے قابل تمام مردوں کو قتل کر کے ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا جائے۔ حضور ﷺ نے حضرت سعدؓ کے فیصلے کو منشائے الٰہی کے مطابق سمجھا۔ حضرت سعدؓ اس فیصلے کے دوسرے دن ہی شہید ہو گئے لیکن ان کے فیصلے کے مطابق تقریباً چھ سو یہودیوں کو قتل کر دیا گیا۔

خیبر کے یہودی

اب مدینہ کے گرد و نواح میں کوئی یہودی بستی باقی نہ رہی، لیکن خیبر کے یہودی غزوۂ خندق اور اس کے بعد کے واقعات سے آگ بگولا ہو رہے تھے۔ عرب میں خیبر یہودیوں کا گڑھ تسلیم ہوتا تھا، کیونکہ یہاں انہیں کافی قوت حاصل تھی۔ خیبر کی بستی متعدد قلعوں پر مشتمل تھی اور مدینہ سے تقریباً دو سو میل کے فاصلے پر واقع تھی۔ یہود کے سامنے ایک ہی راستہ رہ گیا تھا، وہ یہ کہ اپنی دولت اور طاقت کا لالچ دے کر قریش کو ایک بار پھر آنحضور ﷺ کے خلاف اشتعال دلائیں اور فیصلہ کن جنگ لڑ کر اپنا کلیجہ ٹھنڈا کریں۔ انہوں نے مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے بنو غطفان کے چار ہزار نوجوانوں کو اس شرط پر آمادۂ جنگ کر لیا تھا کہ فتح مدینہ کے بعد وہ خیبر کی نصف پیداوار ان کو دے دیں گے۔ غرضیکہ یہودیوں نے مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے چاروں طرف سازش اور لالچ کا جال بچھایا ہوا تھا۔

آنحضور ﷺ خیبر کے یہودیوں کی ان تیاریوں سے پوری طرح آگاہ تھے۔ آپؐ نے قریش و یہود کے گٹھ جوڑ کو ناکام بنانے کے لئے قریش کے ساتھ یکم ذی قعد ۶ ہجری کو حدیبیہ کے مقام پر صلح نامہ لکھ لیا۔ حضور ﷺ حدیبیہ سے لوٹ کر مدینہ تشریف لائے۔ بقیہ ذی الحج اور چند روز محرم کے مدینہ میں گزارے۔ پھر اسی ماہ خیبر کی طرف روانہ ہوئے۔ آپؐ یہودی لشکر کو مدینہ تک پہنچنے کا موقع نہیں دینا چاہتے تھے۔

آپؐ اپنے ان صحابہ کے ہمراہ خیبر کی طرف روانہ ہوئے جنہوں نے صلح حدیبیہ میں حصہ لیا تھا۔ پرچم اسلام حضرت علیؓ کے ہاتھ میں تھا جو حضرت عائشہ صدیقہؓ کے دوپٹے سے بنایا گیا تھا۔ لشکر اسلام کے ساتھ زخمیوں کی مرہم پٹی کے لئے بیس خواتین بھی تھیں۔ خیبر کے یہودی اسلامی فوج کے پہنچنے سے پہلے خبردار ہو چکے تھے۔ انہوں نے اپنے قلعے محفوظ کر لئے اور جنگ کی تیاری مکمل کر لی۔ یہاں ان کے سات قلعے تھے۔ پہلا قلعہ ناعم جب فتح ہو گیا تو سب یہودی مضبوط ترین قلعے قموص میں جمع ہو گئے۔ اس وقت حضور ﷺ نے حضرت علیؓ کو ہراول دستے کا پرچم دے کر ان کی کامیابی کے لئے دعا فرمائی۔ حضرت علیؓ نے قموص کے یہودی پہلوان مرحب کو قتل کر دیا تو ان کے حوصلے پست ہو گئے۔ اس طرح یہ مہم بھی کامیاب ہوگئی۔ قلعہ قموص کی فتح کے ساتھ ہی یہود کی کمر ٹوٹ گئی اور یکے بعد دیگرے تمام قلعے فتح ہوتے چلے گئے۔

خیبر کی شکست کے بعد یہودی آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ ہم آدھی بٹائی پر مسلمانوں کے لئے کھیتی باڑی کرنے پر تیار ہیں۔ اس کے بدلے ہمیں خیبر ہی میں رہنے کی اجازت دی جائے۔ حضور ﷺ نے ان کے معاندانہ ماضی کے باوجود یہ درخواست منظور کر لی۔ یہود نے بظاہر پرامن شہریوں کے طور پر زندگی گزارنا شروع کر دی، لیکن درپردہ اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل میں مصروف رہے اور چھپ کر وار کرنے کے ہر موقع سے فائدہ اٹھاتے رہے۔

فتح خیبر کے بعد قلعہ قموص کے سردار مرحب کی بھاوج اور سلام بن مشکم کی زوجہ زینب بنت الحرث نے حضور ﷺ اور چند صحابہؓ کی ضیافت کی۔ اس نے ایک دنبہ ذبح کرایا اور بھوننے سے پہلے اس نے حضور ﷺ سے پوچھا: ''آپ کون سا حصہ پسند فرمائیں گے؟'' حضور ﷺ نے جواب دیا ''مجھے بازو کا گوشت (دستی) زیادہ پسند ہے''۔ چنانچہ زینب نے پورے دنبے کا گوشت زہر آلود کیا اور خاص طور پر دستی میں زیادہ زہر ملایا۔ دسترخوان پر بیٹھنے کے بعد آپؐ نے پہلا لقمہ منہ میں ڈالا۔ ابھی نگلا نہ تھا کہ فرمایا: ''یہ ہڈی مجھ سے کہتی ہے کہ اسے زہر آلود کیا گیا ہے''۔ دیگر صحابہؓ نے آپؐ کی پیروی کی، لیکن حضرت بشرؓ بن براءؓ لقمہ نگل گئے تھے، اس لئے زہر خورانی سے شہید ہو گئے۔

اپنی آخری علالت میں حضور ﷺ نے یہ واقعہ یاد کرتے ہوئے فرمایا: ''میرے پاس اُم بشر آئی تھی اور میں نے اس سے کہا تھا، اے ام بشر! مجھے اس گوشت کی وجہ سے جو میں نے خیبر میں چبایا تھا، شدید درد لاحق ہے۔ اسی گوشت سے تیرا بھائی شہید ہوا تھا''۔ اس روایت کے مطابق حضور ﷺ کا وصال اسی زہر سے ہوا تھا۔

☆ ☆ ☆

"مَنْ غَشَّ فَلَیْسَ مِنَّا"

جس نے ملاوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں (حدیث نبویؐ)

گھی، دودھ سے حاصل کردہ چکنائی کو کہتے ہیں، اس کے علاوہ کسی دوسری چکنائی
کو گھی نہیں کہا جا سکتا بلکہ وہ تو مختلف اقسام کے تیل ہیں جو گھی کے نام پر فروخت ہوتے ہیں

جدید تحقیق کے مطابق دیسی گھی بہترین قدرتی چکنائی ہے

قدرتی طور پر وٹامن اے اور ڈی سے بھرپور

دیسی گھی کا بہترین تحفہ

کسان گھی

آپ کا آزمودہ

انسانی جسم کے درجہ حرارت 37 سنٹی گریڈ سے کم
درجہ حرارت 30 سنٹی گریڈ پر پگھل جانے والا

متبادل چکنائیوں کی نسبت زود ہضم اور لذیذ
پنجاب کے دیہاتوں سے حاصل کردہ
خوش رنگ قدرتی خوشبو کے ساتھ

1 کلو، 2.5 کلو، 5 کلو اور 16 کلو کے سربمہر ٹن کے ڈبوں میں پیک شدہ

پیکرز : خالص گھی سٹورز

اندرون اکبری منڈی، لاہور۔ فون: 7636530-7652852

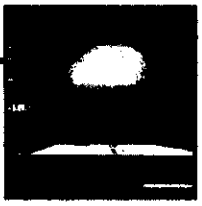

مسلم ممالک اور یہود کا رویّہ

یہود کو ان کی بدعہدی اور بدعملی کے باعث سرزمین عرب سے خارج کرنا تو ناگزیر ہو چکا تھا' مگر مسلمان ان سے اہل کتاب ہونے اور ذمی ہونے کی وجہ سے حسن سلوک ہی کا مظاہرہ کرتے رہے۔ چنانچہ جہاں جہاں تک اسلامی سلطنت پھیلتی چلی گئی' وہ بھی آگے بڑھتے رہے۔ عربوں نے انہیں مصر' فلسطین' شام اور ایران کہیں سے بھی بے دخل نہ کیا۔ وہ بے خوف ہو کر کھیتی باڑی اور تجارت کرتے رہے۔ ان کے اسقف اعظم بابل' آرمینیا' ترکستان' ایران اور یمن میں اپنے اپنے علاقے کے یہودیوں کے لئے شہزادوں کی سی حیثیت رکھتے تھے' یہاں تک کہ ان اسلامی ممالک میں ان کے احترام میں مسلمانوں کا اٹھ کر سر جھکانا ایک معمول بن گیا تھا۔ اسقف اعظم کا عہدہ ایک ہی خاندان کے لئے مخصوص ہو کر رہ گیا تھا' اس لئے اسے مذہبی وقار و احترام کے ساتھ سیاسی مقام بھی حاصل تھا۔ حضرت علیؓ کے زمانہ خلافت میں انہیں ''عالی مرتبت'' کے خطاب سے یاد کیا جاتا تھا۔

ہسپانیہ میں یہودی

طارق بن زیاد نے ۷۱۰ عیسوی میں اندلس فتح کیا تو وہاں یہودی مسلمانوں کے زیر سایہ پھلنے اور پھولنے لگے۔ ہسپانیہ میں مسلمانوں کا عہد زرّیں یہودیوں کا بھی عہد زریں تھا۔ ان کی مذہبی' سماجی اور اقتصادی سرگرمیوں پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہ تھی۔ ظہور اسلام سے پہلے کے ہسپانوی حکمرانوں نے ان کی شرارتوں اور سازشوں کے باعث انہیں اس قدر کچل دیا تھا کہ انہیں ایک صدی تک سر اٹھانے کی جرأت نہ ہو سکی تھی۔ لیکن مسلمانوں نے ایک بار پھر انہیں باعزت زندگی گزارنے کا موقع دے دیا۔ انہیں اعلیٰ سرکاری مناصب سونپے اور افواج میں بھی بھرتی کیا' یہاں تک کہ وزیر اعظم کے عہدے پر فائز کیا گیا۔ انہیں سفارتیں بھی دی گئیں۔ وہ تاجر بھی تھے' زمیندار بھی اور صنعت کار بھی۔ ہر شہر اور ہر قصبے میں ان کی جداگانہ بستیاں تھیں جن پر قلعے ہونے کا گمان ہوتا۔ انہیں اپنی بستیوں میں اپنے تمام معاملات میں آزادی اور خود مختاری حاصل تھی۔ ان کی سود خوری کی لعنت سے بھی مسلم حکومتیں کوئی تعرض نہ کرتی تھیں۔ ان بستیوں میں ان کو اپنے مقدمات کے فیصلے خود کرنے' یہاں تک کہ اپنے مجرموں کو پھانسی دینے کا بھی اختیار حاصل تھا۔

ان تمام مراعات اور سہولتوں کے باوجود یہودیوں کی سرشت نہ بدلی۔ اپنے معاملات کو مخفی رکھنے کے لئے انہوں نے ایک قانون نافذ کیا جس کے تحت ان رازوں کے افشا کی سزا ''موت'' تھی۔ انہیں یورپ کے ہر شہر اور قصبے میں آمد و رفت اور تجارتی روابط بڑھانے کی اجازت تھی' لیکن وہ ان سہولتوں کو در پردہ اپنے آپ کو منظم کرنے کے لئے استعمال کرتے رہے' یہاں تک کہ اندلس میں بیرونی تجارت مکمل طور پر ان کے قبضے میں آ گئی۔ انہیں بابل' بغداد' اسکندریہ اور روم کے مذہبی مراکز کے ساتھ رشتہ استوار کرنے کا موقع بھی مل گیا۔ قرطبہ' غرناطہ' اشبیلیہ اور طنجہ وغیرہ میں ان کے مذہبی سکول رائج ہو گئے جن میں مذہبی تعلیم کے ساتھ ساتھ ادب' موسیقی' ریاضی' نجوم' طب اور فلسفہ بھی پڑھایا جاتا تھا۔ ان سہولتوں کی وجہ سے ان میں بڑھتی ہوئی خود اعتمادی نے خودسری اور رعونت کی شکل اختیار کر لی۔ ہسپانیہ کے یہودی وزیر اعظم یوسف بن بحدلہ نے' جس کا باپ سموئیل حلیوی بھی وزیر اعظم رہ چکا تھا' تمام شاہی اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لئے' اور یہاں تک سرکشی کا مظاہرہ کیا کہ قرآن مجید کی بے حرمتی کر ڈالی۔ اس پر عربوں اور بربروں نے باہمی اختلافات دور کر کے اس کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ اس بغاوت کو چونکہ ساری مسلم آبادی کی بھرپور حمایت حاصل تھی' اس لئے انہیں کامیابی نصیب ہوئی۔ انہوں نے وزیر اعظم کو پھانسی پر لٹکایا اور غرناطہ کے چار ہزار یہودیوں کو تہ تیغ کیا۔ ان کے گھر بار اور کاروبار کو تباہ و برباد کر دیا گیا۔

۴۷۹ھ/۱۰۸۶ء میں یوسف بن تاشفین نے الفانسو کو شکست دینے کے بعد اندلس کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کا خاتمہ کر کے ایک متحدہ و مستحکم سلطنت قائم کر دی۔ انہی دنوں ایک عالم دین نے یہودیوں کو یاد دلایا کہ ہجرت کے بعد تمہارے آباؤ اجداد نے حضرت محمد ﷺ سے وعدہ کیا تھا کہ ہم مزید پانچ سو سال تک مسیح کے نزول کا انتظار کریں گے۔ اگر وہ اس وقت تک نہ آئے تو ہم اسلام قبول کر لیں گے۔ اس حساب سے انہیں ۱۱۰۷ عیسوی تک مشرف بہ اسلام ہو جانا چاہئے۔ چنانچہ یوسف بن تاشفین نے ان سے مطالبہ کیا کہ ہسپانیہ کے تمام یہودی فوراً اسلام قبول کر لیں۔ یہودی نہ مانے اور انہوں نے جزیہ دے کر رہنا پسند کیا۔

مرابطین کے بعد ہسپانیہ پر موحدین برسر اقتدار آئے تو انہوں نے یہود اور نصاریٰ دونوں کو اختیار دیا کہ وہ مسلم ریاست میں آزادانہ اور دوسروں کے ساتھ مساوات کی بنیاد پر زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں تو انہیں اسلام قبول کرنا ہو گا' ورنہ ریاست سے نکل جائیں۔ بہت سے یہودیوں نے اسلام کا لبادہ اوڑھ لیا اور جو ایسا نہ کر سکے' وہ عیسائیوں کے ساتھ شمالی سپین چلے گئے۔ اس طرح مسلم سپین یہودیوں کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ ہو گیا۔

شمالی سپین میں عیسائی برسر اقتدار تھے۔ وہاں یہودیوں کو عیسائیوں کے ساتھ مساوی حقوق ملے تو انہوں نے وہاں بھی اپنی ریشہ دوانیاں اور سازشیں شروع کر دیں۔ یہاں الفانسو کی حکومت تھی' جس نے یہودیوں کے خلاف سخت تادیبی کارروائی کی۔ اس وقت طلیطلہ میں ۷۲ ہزار یہودی آباد تھے۔ بارھویں صدی میں بارسلونا کی تجارت پر بھی یہود کا قبضہ تھا اور وہ ایک تہائی زرعی زمینوں پر قابض تھے۔ بارھویں اور تیرھویں صدی میں ان پر سرکاری ملازمتوں کے دروازے بھی کھل گئے۔ وزارتوں اور سفارتوں پر بھی فائز ہونے لگے۔ ۱۱۴۹ء میں الفانسو ہفتم کے یہودی وزیر نے طلیطلہ کے ایک انتہا پسند یہودی فرقے ''قرأ'' کو حکومت کی طاقت استعمال کر کے ملیامیٹ کر دیا۔ الفانسو دہم کا زمانہ آیا تو اس نے یہودیوں کو لگام دینے کے

لئے ایک سخت قانون بنایا' لیکن ان سے بعض مراعات چھیننے سے گریز کیا۔ تاہم انہیں ہیکل کی تعمیر کے لئے مسلمانوں کی تین مسجدیں عطا کر دیں۔ ۱۳۸۳ء میں پیڈرو سوم نے یہودیوں کو تمام سرکاری عہدوں سے ہٹا دیا۔ تمام یہود کو اپنے سینوں پر شناخت کے لئے امتیازی نشانات آویزاں کرنے کا حکم دے دیا گیا' تاکہ وہ عیسائیوں سے الگ شناخت ہو سکیں۔ اس طرح سپین میں ان کے اقتدار کا مکمل خاتمہ ہو گیا۔ عیسائیوں نے فیصلہ کیا کہ وہ یہودی طبیبوں سے علاج نہیں کرائیں گے اور نہ ان کی ملازمت قبول کریں گے۔

۱۴۹۴ء میں سپین میں مسلمانوں کے اقتدار کے خاتمے کے بعد فرڈی عینڈ نے یہودیوں کے ساتھ زمانۂ جنگ کے تمام وعدے وعید بھلا کر ایک حکم جاری کیا کہ یا تو تمام غیر عیسائی اپنے اپنے مذاہب ترک کر دیں یا ملک سے نکل جائیں۔ یہود نے مزاحمت شروع کی تو حکومت نے انہیں کچل کر رکھ دیا۔ بے شمار یہودی زندہ جلا دیئے گئے۔ باقی ملک چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ یوں انہیں مسلمانوں سے بدعہدی اور غداری کرنے کا خوب مزا چکھنا پڑا۔

مصر کے یہودی

سپین کے بعد یہودیوں کا سب سے بڑا مرکز مصر تھا۔ یہاں ۹۶۰ء میں مشرقی افریقہ کے عبیدیوں کی حکومت تھی۔ انہوں نے اپنا شجرۂ نسب چونکہ حضرت جعفر صادقؒ کے بڑے صاحبزادے سے ملایا تھا' اس لئے وہ فاطمی کہلاتے تھے۔ بنو اُمیہ کے حکمرانوں کی طرح فاطمی بھی بڑے فراخ دل حکمران تھے۔ المعز فاطمی کے بعد اس کے بیٹے العزیز کا دور آیا تو اس نے ایک یہودی یعقوب بن کلس کو بغداد سے بلا کر وزیر بنایا۔ اس نے اپنے آقا کی خوشنودی کے لئے اسلام کا لبادہ اوڑھ لیا۔ اس کے باوجود وہ زیادہ دیر تک نہ چل سکا۔ بعد ازاں العزیز نے ایک عیسائی کو وزیر اعظم اور ایک یہودی کو اس کا نائب مقرر کر دیا۔ یروشلم کے عیسائی اسقف کی بہن سے شادی کر لی۔ اس کے بطن سے بیٹا عبدالحکم پیدا ہوا جو ۹۹۶ء میں تخت نشین ہو گیا۔ عبدالحکیم عیسائی اسقف کا بھانجا ہونے کے باوجود عیسائیوں اور یہودیوں کی سازشوں کو برداشت نہ کر سکا۔ اس نے دونوں مذاہب کے پیروکاروں کو مار مار کر مصر سے نکال دیا۔ بعض یہود تو مسلمان ہو کر اپنے کاروبار سے چمٹے رہے لیکن زیادہ تر فرار ہو گئے۔ اس دور میں مصری یہود اتنے زیادہ خوشحال اور آزاد تھے کہ اس کی مثال اس دور کے کسی دوسرے ملک میں موجود نہ تھی۔

۱۱۶۸ء میں فاطمی خاندان کی حکومت کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی برسر اقتدار آ گئے۔ ان کے دربار کا طبیب خاص موسیٰ میمونی ایک یہودی تھا جو سپین سے فرار ہو کر مصر میں پناہ گزیں ہوا تھا۔ اس نے ''مشنا تورہ'' کے عنوان سے ایک کتاب لکھی جس میں تلمود کی متضاد اور متناقض تحریروں کو منطقی شکل دی۔ اس طرح تاریخ میں پہلی مرتبہ یہودی مذہب ایک منطقی دین کے طور پر سامنے آیا۔ اس کتاب کی نہایت اہم خصوصیت یہ تھی کہ اس میں یہ لکھا گیا تھا کہ ''عیسیٰؑ اور محمدؐ انسانیت کو معراج پر پہنچانے کے لئے دنیا میں تشریف لائے تھے''۔

اس پر پوری دنیا میں ایک آگ لگ گئی۔ ہر جگہ اور ہر شہر میں اس کے خلاف احتجاج ہونے لگا۔ اس نظریئے کے مخالفین کے نزدیک موسیٰ میمونی نے ان کے بنیادی مذہبی

آزاد فلسطین اور اسرائیل کا تقابلی جائزہ

آزاد فلسطین (مجوزہ)

مغربی کنارہ اور غزہ کی پٹی

صدر: یاسر عرفات (۱۹۹۶ء تا حال)

رقبہ: مغربی کنارہ (۵۸۶۰ مربع کلومیٹر)

غزہ پٹی (۳۶۰ مربع کلومیٹر)

آبادی: مغربی کنارہ ۲۰ لاکھ تقریباً

غزہ پٹی گیارہ لاکھ تقریباً

دارالحکومت: ابھی طے نہیں ہوا۔

بڑے شہر: سب سے بڑا شہر یروشلم ہے جسے اسرائیل نے زبردستی اپنا دوسرا دارالحکومت بنا رکھا ہے۔ مغربی کنارے کے اہم شہر یہ ہیں: حمرون' جریکو اور نابلس۔

غزہ پٹی کے اہم شہر یہ ہیں: اور خان یونس' بنی سوہیلا' بیت ہنون' غزہ' جبالیہ اور دیرالبابہ

سکہ: اسرائیلی شیکل' اردنی دینار' امریکن ڈالر

زبانیں' عربی' انگریزی' فرانسیسی' عبرانی

مذہب: مغربی کنارہ: ۷۵ فیصد مسلمان' ۱۷ فیصد یہودی' عیسائی اور دیگر ۸ فیصد

غزہ پٹی: مسلمان ۹۹ فیصد' باقی یہود اور عیسائی

نسلیں: مغربی کنارہ فلسطینی عرب ۸۳ فیصد' یہودی ۱۷ فیصد

غزہ پٹی: فلسطینی عرب ۹۹ فیصد باقی یہودی۔ دریائے اردن مغربی کنارہ زیادہ تر چونے کی پہاڑوں پر مشتمل ہے۔ یروشلم کے شمال میں سماریہ پہاڑیاں اور جنوب میں جوڈیہ پہاڑیاں ہیں جن کے اوسط بلندی ۷۰۰ تا ۹۰۰ میٹر ہے۔ غزہ پٹی بحیرۂ روم کے ساحل پر مصر اور اسرائیل کے درمیان واقع ہے۔ اس کی زمین ساحلی اور ہموار میدان ہے۔

حکومت: ۱۹۹۳ء میں معاہدے کے مطابق اسرائیل نے مغربی کنارے سے جریکو کے علاقے خالی کر دیئے۔ ''فلسطینی اتھارٹی'' نے منتخب رہنما یاسر عرفات کی قیادت میں تمام حکومتی اختیارات سنبھال لئے۔ فلسطینیوں کے نقطۂ نظر سے حکومتِ خودمختاری مکمل آزادی کا نعم البدل نہیں ہے' جس کے لئے اسرائیل سے کشیدگی جاری ہے۔

اسرائیل

وزیر اعظم: شمعون پیروز

رقبہ: بیس ہزار ۷۷۰ مربع کلومیٹر

آبادی: ۵۹ لاکھ تقریباً

دارالحکومت: یروشلم' مگر امریکہ تل ابیب کو دارالحکومت مانتا ہے۔ یروشلم کی آبادی ساڑھے پانچ لاکھ ہے۔

بڑے شہر: تل ابیب' آبادی ساڑھے تین لاکھ

حیفہ۔ آبادی ڈھائی لاکھ

سکہ: شیکل

زبانیں: عبرانی' عربی' انگریزی

مذہب: یہودی ۸۲ فیصد' مسلمان ۱۴ فیصد' عیسائی ۲ فیصد' دیگر ۲ فیصد

شرح خواندگی: ۹۲ فیصد

نسلیں: یہودی ۸۲ فیصد اسرائیلی نژاد ۵۰ فیصد یورپی و امریکی ۲۰ فیصد' افریقی ۷ فیصد' ایشیائی ۵ فیصد' غیر یہودی عرب ۱۸ فیصد

صنعتیں: غذائیں پیکنگ' ہیرے جواہرات کی تراشیدگی' پارچہ بافی' دھات کاری' عسکری کارخانے' ٹرانسپورٹ' الیکٹرونکس' پوٹاش کی کان کنی۔

ہائی ٹیکنالوجی: سیاحت

برآمدات: ۲۲ بلین ڈالر سالانہ

درآمدات: ۲۶ بلین ڈالر سالانہ

تجارت: امریکہ' برطانیہ' ہانگ کانگ' جاپان' نیدرلینڈ' جرمنی' اٹلی اور سوئٹزرلینڈ سے ہوتی ہے

عقائد پر حملہ کیا تھا۔ چنانچہ یہودیوں نے عیسائیوں سے درخواست کی کہ اس کتاب کو سرِعام نذرِ آتش کر دیا جائے۔ عیسائیوں نے یہودیوں کا ساتھ دیا۔ اس طرح میمونیوں کو کسی اور ملک میں تو کجا' مصر میں بھی کوئی خاص کامیابی نہ ہوئی۔ تیرہویں صدی میں جب ایوبی خاندان کے بعد مملوک خاندان کا دور آیا تو انہوں نے یہود کو اپنی سلطنت سے خارج کر دیا۔ یوں مصر میں بھی وہ زوال کا شکار ہو گئے۔

آنحضور ﷺ کے روضۂ اقدس پر حملہ

صلیبی جنگوں کے دوران میں یہودیوں نے عیسائیوں کا جس بے حجابی سے ساتھ دیا' وہ ایک طویل داستان ہے۔ یہاں ان کی صرف ایک مکروہ سازش کا حوالہ دینا ضروری ہے۔ سازش یہ تھی کہ سرورِ کائنات' خاتم الانبیاء کے جسمِ اطہر کو روضہ اقدس سے نکال کر کہیں خفیہ جگہ پر پہنچا دیا جائے۔

یہ نورالدین زنگی کا عہدِ حکومت تھا۔ مسلمان فوج جرمنی کے شہنشاہ کونریڈ کی نو لاکھ مسلح فوج کے خلاف یروشلم میں نبرد آزما تھی کہ دو مسکین صورت بارِیش یہودی مدینہ منورہ کے نواح میں وارد ہوئے۔ ان کی وضع قطع دیکھ کر کسی کو شبہ تک نہیں ہو سکتا تھا کہ عبادت و ریاضت کے سوا بھی ان کا کوئی مقصد ہو سکتا ہے۔ دن بھر وہ دونوں درویش اللہ اللہ کرتے رہتے اور رات کو اپنے حجرے میں سرنگ کھودتے رہتے تاکہ روضۂ اطہر تک پہنچ سکیں۔ یہاں تک کہ ان کی سرنگ روضہ کے بالکل قریب جا پہنچی۔ ایک رات نورالدین زنگی کو خواب میں آنحضور ﷺ نے اس کی اطلاع دی۔ وہ اگلے روز بہت پریشان رہا۔ دوسرا دن بھی پریشانی میں گزرا۔ تیسری رات اسے پھر یہی خواب نظر آیا' جس میں آنحضور ﷺ نے اس سے شدت کے ساتھ عمل کرنے کا تقاضا کیا۔ لیکن ہر چیز کو معمول پر پایا۔ اب حضور ﷺ نے بشارت میں ان یہودیوں کی شکلیں بھی اسے ذہن نشین کرا دیں۔ دوسرے دن نورالدین زنگی نے مدینہ شہر کے باشندوں کی دعوتِ طعام کا انتظام کیا اور حکم دیا کہ کوئی شخص بھی دعوت میں شرکت کے بغیر نہ رہے۔

سلطان کے حکم کے مطابق لوگ آتے گئے اور کھاتے چلے گئے' مگر ان میں وہ دو شیطان صفت یہودی نظر نہ آئے۔ اب سلطان پھر بہت پریشان ہوا۔ وہ درویش آتے بھی کیسے انہیں تو اس کی اطلاع بھی نہ تھی۔ ایک کدال لے کر سرنگ میں اتر جاتا اور دوسرا پہرہ دیتا اور عبادت میں مشغول رہتا تھا۔ نورالدین زنگی نے منتظمین سے استفسار کیا کہ کوئی شخص شرکت سے رہ تو نہیں گیا۔ ایک اہلکار نے کہا: ''پورا شہر آ گیا ہے' البتہ دو عابد و زاہد افراد شامل نہیں ہو سکے' کیونکہ وہ ہر وقت عبادت و ریاضت میں مصروف رہتے ہیں۔ انہیں کوئی ضیافت ذکرِ الٰہی سے نہیں روک سکتی۔''

سلطان نے کہا: ''سبحان اللہ' کیا شان ہے ان کی! ہم خود ان کی زیارت کریں گے۔'' چنانچہ ملازمین کے سر پر کھانوں کے خوان اٹھوائے سلطان ان کی طرف روانہ ہو گیا۔

پہرے دار یہودی کو دور سے نظر آیا کہ ایک چھوٹا سا قافلہ ہماری کٹیا کی طرف بڑھتا چلا آ رہا ہے۔ اس نے جلدی سے اپنے ساتھی کو آواز دے کر بلایا۔ ''دیکھو اتنے لوگ ہماری طرف ہی کیوں آ رہے ہیں۔'' اتنے میں سلطان نورالدین زنگی ان کے سر پر جا پہنچا۔ شکلیں وہی تھیں جو بشارت میں دکھائی گئی تھیں۔ دونوں کی مشکیں کسوا دی گئیں۔ لوگ سناٹے میں آ گئے۔ ان کی کٹیا کی تلاشی لی گئی تو بظاہر کچھ دکھائی نہ دیا۔ جب ان کا مصلیٰ اٹھا کر دیکھا گیا تو اس کے نیچے سرنگ کا دروازہ تھا۔ ان کے رنگ جو پہلے ہی فق تھے اب مزید پیلے ہو گئے۔ اعتراف جرم کے سوا چارہ نہ تھا۔ سلطان نے سیسہ پگھلوا کر ان کے حلق میں انڈیلنے کا حکم دیا۔ یوں وہ کیفرِ کردار کو پہنچے۔ آئندہ ایسی صورت حال کی پیش بندی کے لئے روضۂ اقدس کے گرد سات دھاتوں کی دیوار تعمیر کرا دی جو آج تک جوں کی توں حالت میں ہے۔

ایسا خوفناک منصوبہ بنانے والوں کی پست ذہنیت.. یہود کے سوا اور کس کی ہو سکتی ہے! وہ مسلمانانِ عالم کی نفرت کے بجا طور پر مستحق ہیں۔ ان کی اسی ذہنیت نے دنیا بھر میں انہیں ذلیل و رسوا کیا ہے۔ مسلمانوں کی نفرت ڈھکی چھپی نہیں' خود عیسائی بھی جو تاریخ کے بعض مرحلوں میں ان کا ساتھ دیتے نظر آتے ہیں' ان سے نفرت کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

☆ ☆ ☆

یکے از مطبوعات نُورِ اسلام اکیڈمی

پوسٹ بکس 5166
ماڈل ٹاؤن لاہور
فون: 5884789

❁ دینِ اسلام میں سلام کرنے کی اہمیت و افادیت کیا ہے؟
❁ مسلمان معاشرے میں سلام کرنے سے کس طرح باہمی الفت و محبت پیدا ہوتی ہے؟
❁ سلام' مصافحہ' معانقہ اور بوسہ دینے کے احکام و آداب کیا ہیں؟

یہ سب باتیں معلوم کرنے کے لیے مطالعہ فرمائیں:

سلام کے اَحکام و آداب

تالیف:
محمد تنویر عالم ندوی

نظرثانی ☆ تخریج ☆ تقدیم
ابوعبدالرحمٰن شبیر بن نور

صفحات: 144' قیمت: 60 روپے

ملنے کا پتہ: مکتبہ نور اسلام
رحمٰن مارکیٹ' غزنی سٹریٹ
اردو بازار لاہور

﴿ سیل سنٹر برائے مطبوعات نور اسلام اکیڈمی ﴾

❁ ادارہ مطبوعات خواتین اور مکتبہ دارالسلام کی تمام مطبوعات ہم سے طلب فرمائیں!
❁ مزید برآں لاہور مارکیٹ میں دستیاب جملہ دینی کتب تھوک و پرچون طلب کی جا سکتی ہیں۔
آرڈر کے ہمراہ قریباً نصف رقم پیشگی ارسال کریں۔

یہودی اور عیسائی: ایک دوسرے کے دشمن

مسلمانوں نے اپنی اپنی حکومتوں میں اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) کے ساتھ جس مروت اور فیاضی سے کام لیا تھا' دیگر مذاہب نے جواب میں ان سے ویسا سلوک نہیں کیا' بلکہ جس حد تک بدسلوکی ہو سکتی ہے' انہوں نے اختیار کی۔ یہودیت اور عیسائیت آسمانی مذاہب ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر انسانوں کے ساتھ اور ایک دوسرے کے ساتھ انہوں نے جو رویہ رکھا ہے' وہ بے حد افسوس ناک ہے۔

جسٹس امیر علی اپنی مشہور تصنیف ''صحرانشیں عربوں کی مختصر تاریخ'' میں لکھتے ہیں:

''صلیبی جنگوں سے تاریخ انسانی میں ایک خونیں باب کا اضافہ ہوا۔ عیسائیت نے اسلام کے خلاف تین سو سال تک دھاوے پر دھاوا بولا' یہاں تک کہ بار بار کی ناکامیوں نے ان کے اعصاب کو ست کر دیا اور وہ تو ہم پرستی جوان کو حملوں پر اکسا رہی تھی' ماند پڑ گئی۔ یورپ جنگجو مردوں سے خالی ہو گیا اور خزانے بھی ختم ہو گئے۔ اگر مکمل ہلاکت نہیں ہوئی تو کم از کم دیوالیہ پن نے ان کی جڑیں ہلا دیں۔ لاکھوں افراد براہ راست لڑائی کی نذر ہوئے اور اتنے ہی اس کے نتیجے میں بھوک پیاس اور بیماریوں میں مبتلا ہو کر مرے۔ صلیب کے علم برداروں نے ہر وہ ظلم کیا' جس کو انسانی تصور میں لایا جا سکتا ہے۔''

مسلمانوں نے اپنے دورِ اقتدار میں اہلِ کتاب کے لئے ہر شعبے اور ہر کاروبار میں دروازے کھلے رکھے۔ انہیں ہر مقام پر مسلمانوں کے برابر حقوق حاصل تھے۔ تمام اسلامی ممالک میں عیسائیوں کے چرچ' گرجا اور مبلغ موجود رہے۔ حضرت عمرؓ نے فلسطین پر قبضے کے بعد کسی زائر پر کوئی پابندی عائد نہیں کی' اور واقعہ یہ ہے کہ اگر فلسطین پر مسلمانوں کا قبضہ نہ ہو جاتا تو یہودی اور عیسائی آپس میں جنگیں کر کر کے ختم ہو جاتے۔

یروشلم میں عیسائی اسقفِ اعظم کے لئے مخصوص مقام متعین تھا۔ ۹۷۹ء میں جب فلسطین فاطمیوں کے زیر اثر آیا تو عیسائیوں کو مزید سہولتیں حاصل ہو گئیں۔ فاطمی خلفاء عیسائی تاجروں اور زائرین کی خاص طور پر سرپرستی کرتے تھے' لیکن یہود اور نصاریٰ دونوں کی نظر میں مسلمانوں کا وجود کھٹکتا تھا۔ عیسائی زائرین فلسطین میں مسلمانوں کی مروت اور مہمان نوازی کے ثمرات حاصل کر کے لوٹتے تو یورپ جا کر ان کے خلاف زہریلا پروپیگنڈا کرتے اور یہ تاثر دیتے کہ مسلمان اپنی طبعی کمزوری کی وجہ سے اور عیسائیت اور یہودیت کی عظمت سے مرعوب ہونے کی بناء پر ہم سے ایسا سلوک کرتے ہیں۔

صلیبی جنگوں کے دوران میں عیسائی جنگجوؤں کو جب لڑنے مرنے کے لئے مسلمان نہ ملتے تو وہ یہودیوں سے جنگ چھیڑ دیتے' یہاں تک کہ کولون کے مقام پر ان کے ہاتھوں ہزاروں یہودی مارے گئے اور ان کی جائیدادیں لوٹ لی گئیں۔ دریائے رائن اور دریائے موسلے کے کنارے کنارے چلتے ہوئے جہاں کہیں بھی یہودی ان کے سامنے آئے' ہلاک کر دیئے گئے۔ یہودیوں کا ایک گروہ ہنگری کی عیسائی فوج کے ہتھے چڑھا اور اس نے انہیں تہِ تیغ کر دیا۔

فرانس کے واقعات

مسیحی مبلغ صلیبی جنگوں کے لئے لوگوں کو بھرتی کرنے کے سلسلے میں جب نارمنڈی پہنچے تو ان پر اعتراضات کی بوچھاڑ کر دی گئی۔ ہم عیسیٰؑ کی خالی قبر کی خاطر اتنی دور (بیت المقدس) لڑنے کے لئے کیوں جائیں' جبکہ خود عیسیٰؑ کے قاتل ہمارے ہاں عیش و آرام کی زندگی گزار رہے ہیں۔ چنانچہ روئین کے مقام پر یہودیوں کا قتلِ عام کیا گیا۔ جن یہودیوں نے جلدی جلدی بپتسمہ لے کر عیسائیت کا روپ دھار لیا' وہ بچ گئے' لیکن اپنا مذہب ترک کر کے بھی اپنی جائیدادوں اور خواتین کی عصمتوں کو صلیب برداروں کی ہوس سے نہ بچا سکے۔

شمالی فرانس اور رائن لینڈ میں بھی یہودیوں کا قتل عام کیا گیا۔ ٹریولیس' دورمز' میمز' کولون اور متعدد دیگر مقامات پر جہاں دولت مند یہودی اپنی چھاؤنیاں بنائے بیٹھے تھے' ہلاک کر دیئے گئے۔ ان کی بستیاں تباہ و برباد کر دی گئیں۔ خونخوار عیسائیوں کا یہ ہجوم یہودیوں کو اتنی بے رحمی سے مارتا کہ وہ ان کے ہتھے چڑھنے کی بجائے خودکشی کرنا زیادہ بہتر سمجھنے لگے۔ اس عہد کی وحشت و بربریت ۷۰ء میں یروشلم کی تباہی کے بعد یہود کے لئے سب سے زیادہ اذیت ناک ثابت ہوئی۔ ۱۰۹۶ء کی پہلی صلیبی جنگ کے بعد ۱۱۴۷ء میں یہود دوسری مرتبہ اس ظلم و زیادتی کا شکار ہوئے۔ چنانچہ کلنی کے کلیسا کے سربراہ مقدس پطرس نے شہنشاہ فرانس لوئی ہفتم کو اپنے ایک خط میں لکھا:

''میں نہیں چاہتا کہ آپ ان ذلیل لوگوں کو بالکل ہی ختم کر دیں۔ خدا انہیں ملیامیٹ نہیں کرنا چاہتا۔ لیکن برادر کش قابیل کی طرح انہیں اذیتیں دے دے کر ان کا جینا اور مرنا یکساں کر دینا چاہئے۔ انہیں مزید ذلیل کرنے کے لئے زندہ رکھا جانا چاہئے' تاکہ ان کی زندگی ان کی موت سے بھی بدتر ہو۔''

لوئی ہفتم کے حکم پر فرانس میں رئیس یہودیوں پر خصوصی ٹیکس عائد کر دیئے گئے اور جرمنی میں ان کی جائیدادیں ضبط کر لی گئیں۔ ایک فرانسیسی عیسائی راہب روڈولف نے جرمنی پہنچ کر یہود کے قتل عام کی تبلیغ شروع کر دی۔ چنانچہ جو یہودی بھی عیسائیوں کے نرغے میں آتا' اسے صلیب پر لٹکا دیا جاتا۔ میمز کے آرچ بشپ نے بعض یہودیوں کو پناہ دینے کی سفارش کی تو مشتعل ہجوم نے اس کی آنکھوں کے سامنے ان یہودیوں کی تکا بوٹی کر دی۔ بعض عیسائی لیڈروں نے اس پر افسوس کا اظہار بھی کیا۔ اس واقعے کے چند روز بعد ایک عیسائی قتل ہو گیا۔ اس پر یہودیوں کو ایک بار پھر غیظ و غضب کا نشانہ بننا پڑا اور متعدد یہودیوں کو تہِ تیغ کر دیا گیا۔

جرمنی کے واقعات

پھر یہودیوں کی ہلاکت کا مرکز فرانس سے جرمنی منتقل ہو گیا۔ کارنٹین' رمیر و اور سسلی کے یہودیوں کے قتل کا

سلسلہ بھی چل نکلا۔ بوہیمیا میں ۱۵۰ یہودیوں کو ہلاک کر دیا گیا۔ ۱۳۳۵ء میں باون کے مقام پر ایک عیسائی قتل ہوا تو اس پر یہودیوں کا قتلِ عام شروع ہو گیا۔ جو بھی سامنے آیا' ذبح کر دیا گیا۔ ۱۲۴۳ء میں برلن کے قریب بلنز کے مقام پر تمام یہودیوں کو زندہ جلا دیا گیا۔ ۱۲۸۳ء میں معز میں دس یہودی قتل کر دیئے گئے۔ ۱۲۸۵ء میں میونخ کے ۸۰ یہودیوں کو ایک کنیسا کے اندر زندہ جلا دیا گیا۔ اس سے اگلے سال اپرویزل میں ایک عیسائی کے قتل پر چالیس یہودی مار دیئے گئے۔ ۱۲۹۸ء میں "مقدس روٹی" کو جلانے کے الزام میں رائٹکن کے تمام یہودیوں کو قتل کر دیا گیا۔

ایک متعصب جرمن لارڈ نے یہودیوں کو صفحۂ ہستی سے نابود کرنے کے لئے ایک فوجی جماعت تشکیل دی' جس کے ارکان نے کسی یہودی کو زندہ نہ چھوڑنے کا حلف اٹھایا۔ اس جماعت نے ورز برگ کے تمام یہودیوں کو ہلاک کر دیا' جبکہ نیورمبرگ کے ۶۹۸ یہودیوں کو قتل کیا گیا۔ یہ سلسلہ اتنا تیزی سے پھیلا کہ اگلے چھ مہینوں میں یہودیوں کے ۱۴۰ مذہبی گروہوں کو ہلاک کیا گیا۔ ظلم و زیادتی کے ان واقعات کے بعد یہودیوں نے جرمنی چھوڑ دینے کا پروگرام بنا لیا۔ ۱۲۸۶ء میں سینکڑوں یہودیوں نے فلسطین پہنچ کر اسلام کے پرچم تلے پناہ لے لی۔

برطانیہ کے واقعات

برطانیہ کے یہودیوں کو زمینیں حاصل کرنے اور ان پر کاشت کرنے کی اجازت نہ تھی' اس لئے انہوں نے سودی کاروبار اور تجارت کو اپنا لیا' جس کی وجہ سے وہ بہت جلد دولت مند ہو جایا کرتے تھے۔ اس لئے مقامی لوگ ان سے نفرت کرتے تھے۔ دولت مند طبقہ ان سے بالعموم سودی قرضہ لے کر صلیبی جنگوں میں حصہ لینے کی "سعادت" حاصل کرتا۔ پھر ان قرضوں کا ادا کرنا کاشتکاروں کے ذمہ ہوتا۔

۱۱۴۴ء میں لندن میں ایک عیسائی نوجوان مارا گیا۔ الزام یہودیوں پر لگا۔ چنانچہ شہر بھر کے یہودی محلے لوٹ لئے گئے اور تمام گھروں کو نذرِ آتش کر دیا گیا۔ ہنری دوم اور ہنری سوم نے اپنے اپنے دورِ حکومت میں انہیں پناہ دی اور عوام کے غضب سے انہیں بچانے کی کوشش کرتے رہے' لیکن اس کے عوض ان سے ساڑھے چار لاکھ پونڈ وصول کئے۔ رچرڈ اول کی تخت نشینی کے موقع پر بعض مقروض امراء نے ان پر چڑھائی کر دی اور ان کا قتلِ عام کیا' جس میں ۳۵۰ یہودی مارے گئے اور ڈیڑھ سو یہودیوں نے از خود موت کو گلے لگا لیا' تاکہ ان کے ہتھے نہ چڑھیں۔ ۱۲۱۱ء میں تین سو ربی انگلستان چھوڑنے پر مجبور ہو گئے اور انہوں نے فرار ہو کر فلسطین میں پناہ لے لی۔

سات برس بعد حالات اتنے خراب ہو گئے کہ مقامی عیسائیوں کے مطالبے پر ہنری سوم نے یہودیوں کو شناختی علامت استعمال کرنے کا حکم دیا' تاکہ انہیں آسانی سے شناخت کیا جا سکے۔ اس شناخت نے ان کے لئے مزید مسئلہ پیدا کر دیا۔ لوگ انہیں پہچانتے ہی مارنے کو دوڑنے لگتے۔ چنانچہ انہیں اس ملک سے فرار ہونا پڑا۔ ۱۲۵۵ء میں افواہ اڑی کہ چند یہودیوں نے ایک عیسائی بچے کو اذیتیں دے دے کر مار دیا ہے۔ مسلح مسیحی نوجوانوں نے یہ دیکھے بغیر کہ افواہ کی اصل حقیقت کیا ہے' ایک یہودی ربی سے انتقام یوں لیا کہ اسے گھوڑے کی دم کے ساتھ باندھ کر گلیوں میں گھسیٹا جس سے وہ ہلاک ہو گیا۔ بہت سے دوسرے یہودی بھی اسی افواہ کی وجہ سے مار دیئے گئے۔ ۱۲۵۷ء اور ۱۲۶۷ء کی خانہ جنگیوں میں سات شہروں کے یہودی خاندانوں کا مکمل خاتمہ کر دیا گیا۔ جو یہودی ہلاک ہونے سے بچ گئے' ان کے گھر لوٹ لئے گئے اور انہیں پائی پائی کا محتاج کر دیا گیا۔ اب بادشاہ کو بھی ان سے قرضے لینے کی ضرورت نہ رہی۔ ایڈورڈ اول نے ۱۲۹۰ء میں ۱۶ ہزار یہودیوں کو حکم دیا کہ وہ اپنا مال و متاع اور قرضوں کو چھوڑ کر ملک سے نکل جائیں۔ نکلتے ہوئے زبردست بھگدڑ مچ گئی۔ یہ لوگ چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں رود بار انگلستان کے راستے روانہ ہوئے۔ بہت سی کشتیاں ڈوب گئیں' اور جو لوگ فرانس کے ساحل پر پہنچ گئے انہیں اگلے سال ملک خالی کرنے پر مجبور کر دیا گیا۔

فرانس میں بھی ان کے حالات خراب ہی رہے۔ یورپ بھر میں چلنے والی مخالفانہ ہوا یہاں کیسے نہ پہنچتی۔ لوگ ان کی جانوں کے درپے تھے۔ ۱۱۷۱ء میں بلائس کے مقام پر بے شمار یہودی مار دیئے گئے۔ ۱۱۸۰ء میں شاہ فلپ نے تمام یہودیوں کو جیل میں ڈال دیا۔ پھر بھاری رقوم لے کر رہا کیا اور ایک سال بعد ملک سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔ ان کی جائیدادیں اور مال و متاع ضبط کر لیا گیا اور ان کے کنیسا چرچ کے حوالے کر دیئے گئے۔ جو لوگ بادشاہ کے حکم پر ملک سے نکل جانے کی بجائے ادھر ادھر چھپ گئے تھے' پتہ چلنے پر انہیں پکڑ لیا گیا۔ ان میں سے ۸۱ افراد کو اوربج کے مقام پر قتل کر دیا گیا۔ ۱۱۹۸ء میں یہودیوں کو دوبارہ فرانس میں داخل ہونے کی اجازت ملی' لیکن اس کے لئے شرط یہ رکھی گئی کہ ان کے کاروباری منافع میں تین چوتھائی حصہ بادشاہ کا ہو گا۔ ۱۲۳۶ء میں صلیبی جنگجوؤں نے انجو اور بائیٹو کے یہودیوں سے مطالبہ کیا کہ وہ عیسائیت اختیار کر لیں۔ انکار کرنے پر تین ہزار یہود کو گھوڑوں کے سموں تلے کچل دیا گیا۔ اس موقع پر ایک پادری نے اعلان کیا کہ "یہودیوں سے مذہبی بات کرنا ممنوع اور حرام ہے' اور اگر کوئی یہودی عیسائیوں کے خلاف ایک لفظ بھی منہ سے نکالے تو سننے والے کا مذہبی فرض بنتا ہے کہ وہ اپنی تلوار اس کے پیٹ میں وہاں تک گھونپ دے جہاں تک وہ پہنچ سکتی ہو۔"

۱۲۵۴ء میں یہودیوں کو ایک مرتبہ پھر فرانس سے نکل جانے کا حکم دیا گیا' اور ان کا تمام مال و اسباب بحق سرکار ضبط کر لیا گیا۔ چند سال بعد انہیں واپس آنے کی اجازت ملی جو نیک چلنی اختیار کرنے اور شرح سود ظالمانہ مقرر نہ کرنے کی ضمانت پر دی گئی تھی۔

ابھی زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ ان کے خلاف ضمانت کی پابندی نہ کرنے کے الزامات عائد ہونے لگے۔ وہ اپنے کنیساؤں کی تعمیر میں مصروف تھے کہ سب کو گرفتار کر لیا گیا۔ تن کے کپڑوں اور ایک دن کی خوراک کے سوا انہیں سب کچھ یہیں چھوڑ کر نکل جانے کا حکم مل گیا۔ اس ہلے میں ایک لاکھ یہودی فرانس بدر ہوئے۔ اس اقدام سے اتنی دولت اکٹھی ہو گئی کہ بادشاہ نے خوش ہو کر ایک کنیسا اپنے سائیس کو بخش دیا۔

۱۳۲۱ء میں سپین کے شہر بائکلو میں جذام کے ایک مریض کو ایک "خفیہ" بنڈل دریا برد کرتے ہوئے پکڑ لیا گیا۔ کھول کر دیکھا گیا تو اس میں سے عبرانی زبان میں لکھا ہوا ایک خط برآمد ہوا۔ اس پڑھوانے کے لئے دو ایسے افراد کو طلب کیا گیا جو یہودیت سے تائب ہو چکے تھے۔ انہوں نے خط پڑھ کر بتایا کہ اس میں عیسائی قوم کو ختم کرنے کے لئے ایک سازش درج ہے۔ اس میں یہودیوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ "وہ عیسائی دنیا کے تمام کنوؤں میں زہر پھینک دیں اور یہ کام لاعلاج مریضوں اور بالخصوص جذامیوں کے ذریعے کرایا جائے کیونکہ لاعلاج مریض ہر قسم کا خطرہ مول لینے کے لئے تیار ملتا ہے۔"

یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ لوگ گھروں سے نکل آئے اور یہودیوں کو چن چن کر مارنا شروع کر دیا۔ یہود پر اس قسم کی دوسری مصیبت ۱۳۴۸ء میں اس وقت آن پڑی جب سارے یورپ میں طاعون پھیل گیا۔ لوگ دھڑا دھڑ مرنے لگے' یہاں تک کہ ایک چوتھائی آبادی چند دن میں ختم ہو گئی۔ اس کی ذمہ داری بھی یہودیوں کے کھاتے میں پڑ گئی۔ وہ عیسائیوں کی بہ نسبت صاف ستھرے رہتے تھے' اور ان میں شرح اموات بھی کم تھی' جس سے عوام میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ یہ "پراسرار بیماری" اس لئے آئی ہے کہ یہودیوں نے کنوؤں میں زہر ملا دیا ہے۔ چنانچہ جو یہودی طاعون سے بچ نکلے تھے' وہ عوامی انتقام کا نشانہ بن گئے۔ یورپ بھر میں لاکھوں یہودی زندہ جلا دیئے گئے۔ تاتاریوں اور عثمانیوں نے یورپ پر حملے شروع کئے تو اس کے لئے بھی یہودی ذمہ دار قرار پائے' کیونکہ عیسائی عوام کا خیال تھا کہ ان حملوں کی دعوت یہودیوں نے دی ہے' اور اپنی قدیم رنجشوں کا انتقام لینا چاہتے ہیں۔

تحریک اصلاح اور یہودی

یہود کو تیرھویں صدی کے یورپ میں محفوظ اور باعزت زندگی کی صرف ایک ہی صورت دکھائی دیتی تھی کہ

پاپائی نظام کی اصلاح کی جائے اور کلیسا کو بے جا نفرتیں پیدا کرنے اور انہیں ہوا دینے سے روکا جائے۔ مارٹن لوتھر نے پروٹسٹنٹ تحریک شروع کی جس میں پادریوں کی بے اعتدالیوں کو لگام دینے اور کلیسا کی اصلاح کے لئے بے شمار مواد سامنے لایا گیا۔ مارٹن لوتھر کے دو پیروکار یعنی فرانسیسی عالم دین جان کیلون (وفات: ۱۵۶۴ء) اور سکاٹ لینڈ کے مصلح جان ناکس (وفات: ۱۵۷۲ء) کی تحریروں نے بھی عام عیسائیوں کو جھنجھوڑا کہ وہ پوپ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔ صدیوں سے تنگ آئے ہوئے عوام نے مذہبی اصلاح (ریفارمیشن) کی اس تحریک کا بھرپور ساتھ دیا۔

یہود کا خیال تھا کہ ہمارے خلاف نفرت کے جذبات کا اصل منبع چونکہ پاپائیت ہے' لہٰذا اس کا زور ٹوٹنے سے شاید ہمارے لئے بھی امن کا گوشہ پیدا ہو جائے گا' مگر اُن کا خیال خواب ہی رہا۔ وقتی طور پر یہودیوں نے پروٹسٹنٹوں کو خفیہ طور پر بھاری چندے دیئے' لیکن ان پر جلد منکشف ہو گیا کہ اس سے انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچ سکے گا۔ پوپ کو ان خفیہ چندوں کی اطلاع ہوئی تو یہود کے خلاف اُس کی نفرت میں مزید شدت پیدا ہو گئی۔ ادھر خفیہ چندوں کی اچانک بندش سے پروٹسٹنٹ تحریک کے علم برداروں کو بھی طیش آ گیا۔ انہوں نے یہودیوں کو بھی بہت سی معاشرتی اور معاشی خرابیوں کا ذمہ دار قرار دے کر ان کے خلاف پروپیگنڈا شروع کر دیا۔

مارٹن لوتھر نے شروع میں یہودیوں کے حق میں جو پمفلٹ لکھا' وہ دلچسپ بھی تھا اور عبرت انگیز بھی۔ یہ ۱۵۱۷ء میں تحریر کیا گیا تھا۔ اس میں وہ لکھتا ہے:

> ''ہمارے پادریوں' بشپوں' راہبوں اور عیسائی عوام نے یہود کے خلاف احمقانہ اور غیر انسانی رویہ اختیار کر رکھا ہے' جسے دیکھ کر کوئی شخص یہودی مذہب تو اختیار کر سکتا ہے' لیکن عیسائیت کو قبول نہیں کر سکتا لیکن اگر میں یہودی ہوتا اور دیکھتا کہ کیسے کیسے احمق اور ذلیل لوگ عیسائی دنیا پر حاکم بنے ہوئے ہیں تو میں عیسائی بننے کی بجائے سؤر بننا گوارا کر لیتا۔ ان لوگوں نے یہود کے ساتھ کتوں سے بھی بدتر سلوک کیا ہے' حالانکہ یہود ہمارے مسیح کے عزیز و اقارب بھی ہیں اور خون کے رشتے سے ہمارے بھائی بھی ہوتے ہیں۔ اگر ہم قومیت اور حسب نسب کی خوبیوں پر فخر کرتے ہیں تو پھر ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ حضرت مسیح ہماری نسبت ان کے قریب تر ہیں۔ خدا نے کسی قوم کو ماسوائے مسیح کے پیغام کا اہل نہیں ٹھہرایا' اس لئے میں اپنے مسیحی بھائیوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ ان لوگوں سے رواداری برتیں۔ جب تک ہم ان پر مظالم ڈھاتے رہیں گے' ان پر جھوٹے بہتان باندھتے رہیں گے' انہیں تجارت اور کام کاج سے محروم رکھیں گے' معاشرتی تعلقات منقطع کئے رکھیں گے' انہیں سودی کاروبار کرنے ہی پر مجبور رکھیں گے اس وقت تک نہ تو ہم ان کے دل جیت سکیں گے اور نہ ہی انہیں بہتر شہری بنا سکیں گے۔ اگر ہم ان کی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ ہم مسیحی محبت سے کام لیں اور پوپ کے بنائے ہوئے قوانین سے منہ موڑ لیں۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم یہودیوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائیں۔ انہیں کاروبار مہیا کریں۔ ان سے دوستانہ فضا میں ملیں' تا کہ یہ ہمارے بن جائیں اور ہمارے ساتھ آگے بڑھیں۔''

جب مارٹن لوتھر یہودیوں کا مخالف ہو گیا تو اُس نے ان کو ''کنوؤں میں زہر ڈالنے والے' عیسائی بچوں کے قاتل' طاعون پھیلانے والے اور کالے جادو سے کام نکالنے والے'' وغیرہ خطابات دیئے۔ اب اس نے جو پمفلٹ لکھا اس کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''یہودی بنک کار عیسائی عوام کا خون چوستے ہیں۔ یہودی ڈاکٹر عیسائی مریضوں کو جان بوجھ کر ہلاک کر دیتے ہیں۔ ان کے کنیساؤں کو تباہ کرنا عیسائیوں کا مذہبی فریضہ ہے' کیونکہ ابتدائی دور میں عیسائیوں کو انہیں کنیساؤں کے اندر لے جا کر ذلیل کیا گیا تھا۔ لہٰذا وہ جہاں کہیں بھی پایا جائے' اسے جلا کر راکھ کر دیا جائے۔ یہود کے گھروں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے اور انہیں کھلے آسمان تلے خانہ بدوشوں کی طرح رہنے پر مجبور کر دیا جائے۔ اور اگر یہود نے تین خداؤں (تثلیث) کے وجود کو تسلیم نہ کیا تو میں اُن کی زبان کھینچ کر باہر کر دوں گا۔ میں ہر خدا ترس عیسائی سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ انہیں ہانک کر اپنے وطن سے باہر نکال دے تا کہ ہماری ارض مقدس اُن کے وجود سے پاک ہو جائے۔''

مارٹن لوتھر کے یہ الفاظ یورپ میں صدیوں تک گونجتے رہے اور یہود پر خدا کا قہر بن کر ٹوٹتے رہے۔ پروٹسٹنٹ تحریک کے لیڈروں نے شروع میں اُن کی جو حمایت کی تھی' چاہے اُن سے فنڈز ہتھیانے کے لئے ہی کی ہو اور یہودیوں نے اس کو سطحی ہمدردی سے تعبیر کر کے اپنا ہاتھ کھینچ لیا ہو' اس کے پیچھے ان کے وہ تلخ تجربات کارفرما تھے جو تاریخ کے مختلف ادوار میں انہیں پیش آتے رہے۔

کسی قوم کے خلاف نفرت کی مہم ایک بار شروع ہو جائے تو اس میں کئی دوسرے عوامل بھی شامل ہو جاتے ہیں۔ اس میں افواہیں اور جھوٹ سچ سب کچھ ملا دیا جاتا ہے۔ یہود کے بارے میں ایک بات یہ مشہور ہو گئی کہ وہ عیسائی بچوں کو قتل کر کے اپنی مذہبی رسومات کی بھینٹ چڑھاتے ہیں۔ اس افسانے یا حقیقت نے عیسائیوں بالخصوص عیسائی عورتوں میں اُن کے خلاف نفرت میں مزید شدت پیدا کر دی۔ پھر ایک روایت یہ بھی مشہور تھی کہ یہودی کبھی اپنا مذہب نہیں بدلتا۔ اگر بدلتا ہے تو سچے دل سے تائب نہیں ہوتا' موقع پا کر پھر واپس یہودیت کی آغوش میں چلا جاتا ہے۔ سپین کی مذہبی تحقیقاتی عدالتوں (Inquisitions) میں ان ''نئے عیسائیوں'' پر مقدمے چلائے جاتے' جہاں انہیں یہ ثابت کرنا پڑتا تھا کہ وہ سچے دل سے عیسائی بنے ہیں اور یہودیت سے اپنی نفرت کی حقیقی وجوہ بتانا بھی ضروری تھا۔ بعض مقامات پر انہیں زندہ آگ میں ڈال کر دیکھا جاتا کہ ان کا دل عیسائی ہو چکا ہے یا نہیں' کیونکہ عیسائیوں کا عقیدہ تھا کہ آگ حقیقی عیسائی پر اثر نہیں کرتی۔ غرضیکہ عیسائی ہر واقعہ یا حادثے کا تعلق کسی نہ کسی طریقے سے یہودیوں کے ساتھ جوڑ دیتے اور ان سے بھرپور انتقام لیتے۔ ضرورت پڑنے پر ان سے قرضہ بھی لیتے' لیکن جب وہ وصولی کے لئے آتے تو اُن کی درگت بنا دی جاتی۔

اپنے ڈوبے ہوئے قرضے نکلوانے کے لئے یہودی جتنے مقدمے بھی دائر کرتے' ۹۰ فیصد فیصلے اُن کے حق میں ہوتے تھے' کیونکہ انہوں نے ججوں سے کام نکلوانے کے لئے مالی رشوت کے ساتھ جنسی رشوت دینے کے طریقے بھی سیکھ لیے تھے۔ عوام ہر فیصلہ سود خور یہودی کے حق میں ہوتا دیکھ کر برہم ہو جاتے۔ مختلف شہروں میں ہنگامے اور فسادات ہوتے۔ بالآخر ۱۳۹۴ء میں یہودیوں کو مار پیٹ اور لوٹ مار کر کے نکال دیا گیا اور وہ اگلے چار سو سال تک یعنی انقلاب فرانس (۱۷۸۹ء) تک اس ملک کا رُخ نہ کر سکے۔

جرمنوں کا سلوک

یہودیوں کو جرمنی میں بھی بڑی ذلتوں اور رسوائیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ عیسائی پادریوں نے اُن سے حلف لینے کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ یہودی کو سؤر کی کھال پر ننگے پاؤں کھڑے ہو کر یہ الفاظ کہنے پڑے: ''اگر جھوٹ بولوں تو خنزیر کی یہ خون آلود کھال میرے جسم کے ساتھ لپٹ جائے ...... اس کا گوشت میری ماں کا گلا گھونٹ دے ...... اگر میں جھوٹ کہوں تو اس خنزیر کا سر میری بیٹی کا سر بن جائے ...... اگر سچ نہ بولوں تو اس خنزیر کا خون تین پشت تک میرے بچوں کی پیشانی پر جھلکتا رہے ......''۔

یہودی کو اس کے علاوہ یہ اقرار بھی کرنا پڑتا تھا: ''میں نجس یہودی ہوں' جس کے آباء و اجداد نے سچے مسیح کو صلیب پر چڑھایا تھا۔ میں آوارہ ہوں۔ میرا کوئی گھر نہیں اور کوئی وطن نہیں' سوائے اس کے جو چرچ کی مہربانی سے مجھے نصیب ہوا ہے ...... میں ذلیل ہوں اور تمام بنی نوع انسان کی ذلت کا صرف باعث ہی نہیں' بلکہ اس کی تباہی کا ذریعہ بھی ہوں۔ میں کنوؤں کے پانی میں زہر ملاتا ہوں۔ طاعون پھیلاتا ہوں۔ عیسائی بچوں کا خون بہانے کے لئے ان کے قتل کو بھی جائز سمجھتا ہوں۔ میری عورتیں طوائفیں ہیں۔ میرا انجام دائمی جہنم ہے' کیونکہ میں چرچ اور تمام نیک

(باقی صفحہ ۸۱ پر)

جمہوریت' اشتراکیت اور یہودی

کلیسا اور بادشاہت نے ایک دوسرے کی پشت پناہی اور ہم نوائی بھی کی اور ایک دوسرے کے خلاف مزاحمت اور تصادم کی راہ بھی اپنائی۔ ہر دو صورتوں میں انہوں نے یہود کے لئے مصائب اور مشکلات پیدا کیں' لہٰذا (اسلام کے بعد) ان دونوں نظاموں یا اداروں سے مخاصمت اور دشمنی یہودیوں کا سب سے بڑا ہدف ہے۔ یہودیوں نے حضرت عیسٰیؑ اور اُن کے پیروکاروں کے ساتھ صدیوں تک جو ظلم و تشدد روا رکھا ہے' عیسائیت اور اس کی قائم کردہ بادشاہت نے اس کا گن گن کر حساب لیا اور یہود کی کئی نسلیں صدیوں اپنے آباء و اجداد کے مظالم کا خمیازہ بھگتی رہیں۔ یورپی ممالک کے بادشاہوں نے انہیں کھلونا بنا کر بھی استعمال کیا اور تیر و تلوار اور نیزوں کی انی میں پرو کر بھی اُن سے انتقام لیا۔ کبھی اُن سے ساری دولت چھین کر انہیں ملک بدر کر دیا اور کبھی عوام کو اکسا کر انہیں مروا دیا۔

جمہوریت کا فریب

اس لئے اب یہود نے اپنی بقا اور اپنی آئندہ نسلوں کے تحفظ کے لئے جمہوریت ہی کو اپنی جائے پناہ سمجھا۔ انہوں نے سوچا کہ بادشاہت کی طاقت اگر ایک فرد کی بجائے لاکھ دو لاکھ' پانچ دس لاکھ یا ایک دو کروڑ انسانوں میں بٹ جائے تو یہود سے باز پرس کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔ کیوں نہ ہم تجارت' علم اور دولت کے حربوں سے معاشروں' ذہنوں اور مزاجوں کو بدل دیں؟ کیوں نہ انسانوں کی اجتماعی قوت کو ووٹ کی کاغذی پرچی میں منتقل کر دیا جائے؟ کرپشن کے گوناگوں حربے استعمال کر کے ''جمہور کی قوت'' کو اپنی تابع فرمان لونڈی کیوں نہ بنا لیا جائے؟ ان سوالوں کے مثبت جواب نے ''جمہوریت'' کا سنگِ بنیاد رکھ دیا۔ وہ کام جو ایتھنز' روم' غرناطہ' بغداد اور فلورنس میں ممکن نہ ہوا تھا اب لندن' پیرس اور نیویارک سے ہوتا ہوا آدھی دنیا کا مطالبہ بن گیا جبکہ باقی آدھی دنیا کو ایک اور یہودی کارل مارکس نے ''اشتراکیت'' کی قربان گاہ پر لا کھڑا کیا۔

سرمائے کی قوت ووٹر کی رائے پر کس طرح اثر انداز ہوتی ہے اور وہ کس طرح ایک کٹھ پتلی کی طرح سرمایہ دار کے حق میں اپنی رائے کا اظہار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے' اس کا جواب علامہ اقبال نے مغربی جمہوریت کی روح میں جھانکنے کے بعد یوں دیا تھا:

دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری
گرمیٔ گفتار اعضائے مجالس' الاماں
یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگِ زرگری

مغربی جمہوریت کے اندر کئی تناقضات ہیں' جن میں سے ایک یہ ہے کہ منتخب نمائندہ اکثریت کا نمائندہ نہیں بلکہ درحقیقت اقلیت کا نمائندہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک حلقۂ انتخاب ایک لاکھ رائے دہندگان پر مشتمل ہے اور دس امیدوار کھڑے ہیں۔ نو اُمیدوار اگر برابر برابر ووٹ لیتے ہیں تو کامیاب قرار پانے والا امیدوار وہی ہوگا جس کے چند ووٹ دیگر امیدواروں سے زیادہ ہوں گے۔ اس طرح وہ ان سب ووٹروں کا نمائندہ تو نہیں ہوگا جنہوں نے دوسرے امیدواروں کے حق میں ووٹ ڈال دیئے ہیں اور ایک حقیر اقلیت کا نمائندہ ہونے کے باوجود اکثریت سے کامیاب شدہ قرار پائے گا۔ ووٹروں کی رائے کو متاثر کرنے میں سرمایہ دار غالب کردار ادا کرتا ہے۔ انتخابات میں نادیدہ قوتیں بہت کچھ کر جاتی ہیں اور ووٹروں کو احساس تک نہیں ہونے دیا جاتا کہ اُن کے ساتھ کیا ہاتھ ہو گیا ہے۔

سرمایہ دارانہ جمہوریت کا دوسرا ناقابلِ علاج نقص یہ ہے کہ جاہل اور ناخواندہ افراد کو اہلِ عقل و دانش کے ہم پلہ قرار دیا جاتا ہے' کیونکہ جاہل اور عالم کا ایک ہی ووٹ ہوتا ہے۔ بقول اقبال ؎

جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں' تولا نہیں کرتے

فرانس کا مشہور مفکر اور ادیب والٹیر جس کی تحریروں نے انقلابِ فرانس کی راہ ہموار کی تھی' جمہوریت کے بارے میں طنزیہ سوال کرتا ہے:

''تمہاری موت آئے تو کیا پسند کرو گے؟ تمہیں ایک ہزار چوہے نوچ نوچ کر کھا جائیں یا ایک ہی شیر کا نوالہ بننا چاہو گے؟''

جرمن فلسفی نطشے کی عظیم تصنیف ''یوں کہا زرتشت نے'' کے چھٹے ایڈیشن (۱۹۴۲ء) کے دیباچہ میں ایک یہودی دانشور ڈاکٹر آسکر لیوی نے یہود کی جمہوریت کا پول یوں کھولا ہے:

''غریب اور امیر برابر ہوں' کمزور اور طاقتور برابر ہوں' جاہل اور عالم برابر ہوں' بلکہ جہلا امراء علماء اور طاقتوروں پر بھی سبقت لے جائیں۔ یہود نے عیسائیت کا لبادہ اوڑھ کر جمہوریت کا علم اٹھایا اور اپنے اخلاق سے دنیا کو مسخ کیا۔ سیاہ تہہ خانوں میں چھپ کر اس نے بڑی صفائی سے عظیم سلطنتِ روما کو پامال کیا۔ اس کے بعد اُس نے دوسروں کو آڑے ہاتھوں لیا۔ دنیا میں یہودیت کے علاوہ ایسے اخلاقی نظام موجود ہیں جو دنیا کو باطل قرار نہیں دیتے۔ منو کی کتاب والے قدیم ہندو' روما اور یونان کی تہذیبیں' اسلام کی فتوحات اور کارنامے' اٹلی کی نشاۃ ثانیہ اس کی درخشاں مثالیں ہیں۔ انہوں نے ہماری طرح دنیا کو گداگر نہیں بنایا بلکہ اسے نعمتوں سے مالا مال کیا۔ ان کی قیادت صرف چند لوگوں کے ہاتھ میں تھی جو لاکھوں لوگوں کو ان کے مقام پر رکھتے تھے۔ ایتھنز' روم' غرناطہ اور فلورنس نے کہاں کہاں غلاظت بھری گلیوں میں پھرتے پھرتے ووٹوں کی بھیک مانگی تھی۔ ان کی پشت پر ایک عظیم اخلاق تھا جو عوام کو قول و فعل سے نطشے کے خدا کی طرح مطمئن کر سکتا تھا۔ مخلوق میں سے کون ہے جو بلا قیمت زندہ رہنا چاہتا ہے! ہم وہ ہیں جن کو زندگی نے خود ہمارے حوالے کیا ہے۔ ہم ہر لحظہ سوچتے ہیں کہ ہم نے اس احسان کے بدلے انسانیت کو کیا دیا ہے!''

یہ تھے وہ لوگ جنہوں نے یورپ کو سیکولر جمہوریت کے آگے جھکایا اور خود اپنے دین کے علم بردار بن کر یورپ کو ہر قدر' ہر عقیدے اور ہر مذہب سے بیگانہ کر کے اسے گمراہی اور جہالت کی پٹی پڑھائی اور جدیدیت' ترقی پسندی اور آزاد خیالی کے خالی خولی نعروں پر رضامند کر لیا۔ یہودی سر سے پاؤں تک مذہبی ہوتا ہے' لیکن دوسروں کا مذہبی ہونا اسے اس لئے گوارا نہیں ہے کہ اس سے ان کی کھال بچی

رہتی ہے۔

یہودی: اشتراکیت کی راہ پر

یہودی پولینڈ کے بعد کسی طرح روس میں بھی پہنچ گئے لیکن یہ پتا نہ چل سکا کہ کسی کے نوٹس میں آئے بغیر وہ چپکے چپکے دس لاکھ میں تعداد میں' کیسے جمع ہو گئے۔ روسی حکام کے لئے اُن کا وجود ناقابلِ برداشت تھا' کیونکہ پولینڈ کو انہیں پناہ دینے کے بعد جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا' اہلِ روس کے لئے وہ کافی سامانِ عبرت تھا۔ روسی عوام کے لئے اُن کا مذہب اور کاروباری حربے بہت پریشان کن تھے'

چنانچہ انہوں نے ان کے خلاف مزاحمت شروع کر دی۔ روس کے دروازے ہر قوم کے باشندوں کے لئے کھلے رہے تھے' لیکن یہودیوں کے لئے بند تھے۔ انہوں نے حکام سے مدد طلب کی اور اپنے تجارتی مفادات کے تحفظ کی استدعا کرتے ہوئے یہ بھی یقین دلایا کہ ہم اپنی کاروباری صلاحیتوں سے روس کو بہت فائدہ پہنچا سکتے ہیں' لیکن جواب ملا کہ "ہم عیسیٰ" کے دشمنوں سے کوئی مفاد نہیں چاہتے"۔ تاہم یہود نے کسی نہ کسی طریقے سے روس کے چند علاقوں میں بعض شرائط قبول کر کے رہنے کی اجازت حاصل کر لی۔ اس طرح یہودی بحیرۂ بالٹک سے بحیرۂ اسود تک پھیل گئے۔ زار الیگزینڈر اوّل (۱۸۰۱ء تا ۱۸۲۵ء) نے اُن کے لئے خصوصی قوانین نافذ کئے جن کی رو سے وہ صرف ان علاقوں میں زمینیں آباد کر سکتے تھے جن کے باشندے بے حد پسماندہ اور وحشی تھے۔ یہودیوں کے بچوں کو تعلیمی اداروں میں اس شرط پر داخلے دیئے گئے کہ وہ عیسائیت کا نصاب لازمی طور پر پڑھیں گے۔

۱۸۲۶ء میں زار نکولس اوّل برسرِاقتدار آیا تو اُس نے یہود کو فوجی ملازمت میں لینے کا فیصلہ کیا۔ اس غرض سے بارہ بارہ سال کے یہودی بچے والدین سے چھین لئے جاتے۔ انہیں یہودیت کے اثرات سے پاک کرنے کے لئے خصوصی تعلیم و تربیت دی جاتی' جس میں اُن کی مار پٹائی' بھوکے پیاسے رکھنا' برفیلے پانی میں غوطے دینا' سور کا گوشت زبردستی کھلانا اور برین واشنگ کر کے یہودیت کے مقابلے میں عیسائیت کی برتری تسلیم کرانا شامل تھا۔

اس کے ساتھ ہی یہود کے مرکزی نظام کو جسے وہ "کہل" کہتے تھے' کمزور کر دیا گیا۔ انہیں اپنے معاملات اور جھگڑے خود طے کرنے سے روک دیا گیا۔ اس سے یہود اور روسی عوام کے درمیان نفرت کی ایک ناقابلِ عبور خلیج حائل ہو گئی۔ لیکن حکومت کو یہودیوں کے ردِعمل کی کوئی پروا نہ تھی۔ ۱۸۳۶ء میں روسی پادریوں نے اپنی تحقیق سے ثابت کیا کہ سارے فساد کی جڑ "تلمود" ہے۔ تلمود ہی نے انجیل کے تقدس کو مجروح کیا اور یہود کو عیسائی بنانے سے روکا ہے۔ چنانچہ ۱۸۴۴ء میں کہل کے تمام اختیارات سلب کر لئے گئے۔ اس کے ساتھ ساتھ ایسے اقدامات بھی کئے گئے جن سے ایسے بچے جو فوجی تربیت کے قابل نہ تھے' ان کے لئے عیسائیت کی تعلیم حاصل کرنا لازمی قرار دیا گیا۔ جو یہودی والدین اپنے بچوں کو گھر پر پڑھاتے تھے' انہیں اس سے روک دیا گیا۔ اس کی ترغیب یوں بھی دلائی گئی کہ جن بچوں کو عیسائی سکولوں میں بھیجا جاتا' وہ فوجی تربیت سے مستثنیٰ کر دیئے گئے۔ ان سکولوں کے سربراہ عیسائی ہوتے تھے اور اساتذہ کی بھرتی کے وقت ایسے افراد کو ترجیح دی جاتی جو یہودیت سے تائب ہو کر عیسائیت قبول کر چکے ہوں۔ اس تعلیم کا مقصد بچوں کو بپتسمہ دے کر عیسائی بنانا تھا۔ نکولس کے عہدِ حکومت کے آخری ایام میں چند یہودیوں کو اس جرم کی سزا ملی کہ انہوں نے ایک عیسائی بچے کا خون بہا کر یہوا کی بھینٹ چڑھاوایا تھا۔

جنگ کریمیا (۱۸۵۴ء تا ۱۸۵۶ء) میں مزید فوجیوں کی ضرورت پڑی تو یہودی بچوں کو بھرتی کرنے کا حکم دیا گیا۔ انکار کی صورت میں شدید سزائیں دی جانے لگیں۔ ماؤں نے اپنے بچوں کو فوجی بھرتی سے بچانے کے لئے اُن کے ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیاں کاٹ دیں۔ نوجوان خودکشی کرنے لگے۔

زار نکولس کے بعد ۱۸۵۵ء میں الیگزینڈر دوم جانشین ہوا تو اس نے کئی یورپی ممالک کی طرح اپنے کاشتکاروں کی فلاح و بہبود کے لئے نئے قوانین بنائے' جن سے یہود کو بھی فائدہ پہنچا۔ ان کے خلاف امتیازی سلوک کا کسی قدر خاتمہ ہو گیا۔ ان کے بچوں کی بھرتی کا قانون بھی کالعدم قرار دے دیا گیا۔ انہیں کسی حد تک دولت جمع کرنے کے اختیارات بھی مل گئے۔ اس دوران روس میں یہودیوں کی تعداد ۳۰ لاکھ سے تجاوز کر چکی تھی۔ انہیں روس کے مختلف علاقوں میں کاروبار کا حق بھی دے دیا گیا۔ لیکن عوام اور پولیس نے ان یہود نواز اقدامات پر عمل نہ ہونے دیا۔ اس پر رشوت کا سلسلہ چل نکلا اور نت نئے مظالم بھی ہونے لگے۔ یہودی نوجوانوں میں آوارگی بھی پھیلنے لگی۔ وہ اپنے مذہب کی پابندیوں کو ناروا سمجھنے لگے اور عیسائیت قبول کرنے کے فوائد سے مستفید ہونے لگے۔ وہ اتنے آزاد خیال بھی ہو گئے کہ اپنے بچوں کو عیسائی سکولوں میں داخل کرانے میں عار محسوس نہ کرتے تھے۔

حالات یہودیوں کے حق میں جا رہے تھے کہ ایک واقعے نے انہیں جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ ہوا یہ کہ ۱۸۵۸ء میں جیک بریف نامی ایک یہودی نے عیسائیت قبول کرنے کے بعد عبرانی زبان و ادب کی تدریس شروع کر دی۔ اس نے یہودی لائحہ عمل پر مبنی کتاب "کہل" کے بارے میں ایک کتاب "دی بک آف کہل" تصنیف کی جس میں یہ ثابت کیا کہ یہودی عیسائیت کو ملیا میٹ کرنا چاہتے ہیں۔ ۱۸۶۶ء میں اس کتاب کو سرکاری سرپرستی میں بڑے پیمانے پر شائع کیا گیا۔ اس پر ملک بھر میں ہنگامے ہونے لگے' جن کے نتیجے میں ۱۸۷۱ء میں یہود کا قتلِ عام شروع ہو گیا جو چار دن جاری رہا۔ حکومت نے کوئی روک ٹوک نہ کی بلکہ الزام یہود پر لگا کہ انہوں نے میزبان ملک کے مذہب کے خلاف یہ سازش کیوں کی تھی۔ اس پر یہود کی اکثریت روس سے فرار ہو کر مغربی یورپ اور امریکا پہنچنے لگی' جہاں انہیں "آبرومندانہ" طریقے سے رہنے کے خاصے مواقع میسر آ گئے۔

فلسطینی عرب سے

علامہ اقبال

زمانہ اب بھی نہیں جس کے سوز سے فارغ
میں جانتا ہوں وہ آتش ترے وجود میں ہے
تری دوا نہ جنیوا میں ہے نہ لندن میں
فرنگ کی رگِ جاں پنجۂ یہود میں ہے
سنا ہے میں نے غلامی سے اُمتوں کی نجات
خودی کی پرورش و لذتِ نمود میں ہے

روس کے زار الیگزنڈر دوم کے قتل کے بعد اس کا بیٹا الیگزنڈر سوم تخت نشین ہوا۔ اس کے زمانے میں اور اس کے جانشین زار نکولس ثانی (۱۸۹۷ء تا ۱۹۱۷ء) کے دور میں یہودیوں کی پکڑ دھکڑ، مار پٹائی اور قتل وغیرہ کا سلسلہ زوروں پر رہا۔ روسی چرچ کا وہ غصہ ابھی فرو نہیں ہوا تھا جو 'دی بک آف کہل' کے نتیجے میں پیدا ہوا تھا۔ یہودی معافی مانگنے روسی چرچ کے اسقف اعظم کے پاس پہنچے تو اس نے کہا کہ ''میری پالیسی یہ ہے کہ روس کے ایک تہائی یہودیوں کو قتل کرا دوں، ایک تہائی کو فرار پر مجبور کر دوں اور ایک تہائی کو عیسائی بنا دوں''۔

یہود کا یہ وفد شدید مایوس ہو کر واپس آ گیا اور جب اس نے کنیسا میں ایک بڑے اجتماع کے اندر صورتِ حال کے بارے میں اپنی رپورٹ پیش کی تو سب زار و قطار رونے لگے۔ اجتماع میں اس صورتِ حال کو صبر سے برداشت کرنے اور مناسب موقع پر کارروائی کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ چنانچہ ۱۹۱۷ء میں جب زار کے خلاف بغاوت کا لاوا پھوٹا تو یہود اس کے مشعل بردار تھے۔ انہوں نے زار کو ختم کیا، روسی چرچ کو فنا کیا اور اشتراکیت کی آڑ میں اقتدار اپنے ہاتھوں میں لے کر اس لادینی نظام اور کفر کو رائج کیا جس کے شعلے رفتہ رفتہ تمام مذاہب عالم کو آنچ دکھانے لگے۔

اس نئے مذہب کی بائبل ''داس کیپٹل'' ایک یہودی کارل مارکس نے لکھی۔ اس کا دایاں بازو لینن یہودی تھا۔ اس کا بایاں بازو ٹراٹسکی بھی یہودی تھا۔ اشتراکیت کی راہ سے رکاوٹوں کو دور کرنے والا مردِ آہن جوزف سٹالن بھی یہودی ماں کا دودھ پی کر ہی جوان ہوا تھا۔

کارل مارکس ۱۸۱۸ء میں جرمنی کے ایک یہودی خاندان میں پیدا ہوا۔ بون اور برلن کی یونیورسٹیوں میں قانون، فلسفہ اور تاریخ پڑھی اور پھر معاشیات کے مطالعے میں مستغرق ہو گیا۔ اس نے اپنے ایک عیسائی دوست انجلز کے ساتھ مل کر کمیونسٹ مینی فیسٹو (۱۸۴۸ء) مرتب کیا اور اپنی سرگرمیوں کے باعث ملک بدر ہو کر لندن پہنچ گیا، جہاں اس نے ''داس کیپٹل'' لکھی جسے ''کمیونزم کی بائبل'' بھی کہا جاتا ہے۔ مارکس نے بلاشبہ بڑی محنت سے اپنے معاشی اور معاشرتی نظریات پیش کئے اور ''تاریخ کی مادی تعبیر'' کے ذریعے یہ ثابت کیا کہ دنیا میں جتنی بھی تبدیلیاں آتی ہیں، ان کا محرک اقتصادی عمل ہوتا ہے اور تاریخ طبقاتی جدوجہد کے حوالے سے قدم آگے بڑھاتی ہے۔ مظلوم طبقے اپنے مستقبل کو بہتر بنانے کے لئے جو جدوجہد بروئے کار لاتے ہیں وہ سماجی تبدیلیوں کے لئے ایک قوتِ متحرکہ ہوتی ہے۔ اس طرح اُس نے جدلی مادیت کا نظریہ پیش کیا، جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر دور میں دو معاشی طبقے موجود ہوتے ہیں: ایک ظالم اور دوسرا مظلوم۔ جب ظالم اپنے ظلم میں ایک خاص حد تک بڑھ جاتا ہے تو دونوں میں خونریز تصادم ہو جاتا ہے۔ پھر ان دونوں میں ایک مصالحت ہو جاتی ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد اس مصالحتی وجود کے اندر ایک تضاد ابھر آتا ہے۔ حسب سابق ان دونوں میں پھر تصادم ہو جاتا ہے، جس کے نتیجے میں تیسرا مصالحتی وجود ظاہر ہوتا ہے۔ تاریخ اسی طرح ٹیڑھے میڑھے راستوں سے آگے بڑھ رہی ہے۔ بالآخر ایک غیر طبقاتی معاشرہ قائم ہو جائے گا اور ہر طرف اشتراکیت ہی اشتراکیت ہو گی۔

مارکس کے اس جدلی مادیت کے نظریے میں اہل علم و دانش نے کئی لغزشوں کی نشان دہی کی، جن میں سے ایک یہ ہے کہ پھر تو اشتراکیت ترقی یافتہ صنعتی ممالک میں آنی چاہئے تھی، جبکہ یہ روس اور چین جیسے پسماندہ اور زرعی ملکوں میں آئی ہے۔ روس میں اشتراکیت ۱۹۱۷ء میں آئی تھی۔ اس کی عمارت ۷۰ برس ہی قائم رہ سکی۔ اس کے گرتے ہی روس بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

مارکس کے اس فلسفے میں مذہب کو قوتِ محرکہ اور انقلاب خیز قوت تسلیم کرنے سے انکار کیا گیا ہے۔ پرجوش کمیونسٹ اپنی مذہب دشمنی میں یہاں تک چلے گئے کہ مذاہب کے پیروکاروں کو رجعت پسند، پسماندہ اور زر پرست جیسے ذلت آمیز خطابات سے نوازتے رہے۔

اس ضمن میں فلسفی نطشے کی کتاب ''یوں کہا زرتشت نے'' کے مقدمہ نگار ڈاکٹر لیوی کی تحریر کا حوالہ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ڈاکٹر لیوی خود بھی یہودی تھا۔ وہ لکھتا ہے:

''سوشلسٹ اس دنیا کو مادی مفادات کی عینک سے دیکھتے ہیں۔ لیکن بالغ نظر اشخاص جانتے ہیں کہ انسان کو محض مادی محرکات ہی عمل پر نہیں اکساتے۔ انسان کو بعض ''دیگر عناصر'' سے بھی تحریک ملتی ہے۔''

''دیگر عناصر'' سے ڈاکٹر لیوی کی مراد وہ ''سرچشمہ'' ہے جس نے یہودیوں کو دوبارہ فلسطین حاصل کرنے کی ترغیب دی اور انہوں نے اس کی خاطر صدیوں سے قربانیاں دی ہیں

ممتاز ہسپانوی مؤرخ لوئی کرال اپنی کتاب ''دی ریپ آف یورپ'' میں مارکسی نظریات پر تنقید کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''کارل مارکس جدلیاتی تاریخ کے ٹیڑھے میڑھے راستے پر اُس روحانی سطح کی وساطت سے نہیں پہنچا جس کا حوالہ ہیگل نے دیا تھا، بلکہ تاریخ و اجتماعی فکر کی بدترین، پست ترین اور ناقص ترین سطح سے ہو کر گزرا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی یہودی اپنی تاریخ کو حال کے مثبت زاویئے سے نہیں دیکھ سکتا، بلکہ اسے مستقبل میں لے جا کر اس کا جائزہ لیتا ہے کہ اس کا ماضی محض خیالی اور روایتی نہیں، بلکہ تاریخی ہے۔ یہ تاریخ ایک شجرے کی شکل میں مرتب ہوئی اور تیر کی طرح حال سے ہوتی ہوئی مستقبل کی تکمیل میں کھو جاتی ہے۔

اگر ہیگل کے نظریے کے مطابق تاریخ اپنے نقطۂ عروج پر پہنچ کر رک چکی تھی تو مارکس نے اسے نشیب کی طرف دھکیل دیا، تاکہ گردش میں رہے، خواہ یہ گردش اس کو ریزہ ریزہ ہی کر دے۔''

انجلز مارکس کا دوست تھا، لیکن وہ مذہباً عیسائی تھا۔ شاید اُس نے غیر محسوس طور پر اپنے دوست کے فکر میں یہودیت کی بو سونگھ لی تھی۔ اس نے اُس کے نظریات میں ترمیم کرنے کی کوشش کی، لیکن یہودی فن کار اپنا کام کر گیا تھا اور اُس کا زہر پورے یورپ کی رگوں میں سرایت کر چکا تھا۔

''انجلز نے خود اپنے دوست کی وفات کے گیارہ برس بعد اُس کے نظریات کو روسی سرمایہ داری کے پیش نظر نرم کرنے کی کوشش کی، لیکن لینن (یہودی) نے مارکس کے خیالات کو اپنا لیا اور انہیں بھرپور طریقے سے استعمال کیا...... لینن نے مارکس کے نظریات کو جو معنی پہنائے، اس کا مطلب سارے یورپ اور اس کے سماجی طبقات کو ذلیل کرنا یا کم از کم ان ملکوں کو ہدف بنانا تھا جو صنعتی ترقی کر رہے تھے۔ مارکس نہایت بے حیائی سے انتقام کا آلۂ کار بن گیا۔ اس نے بغاوت کا علم اٹھایا اور اس کے ساتھ ہی اس نظریے کے جراثیم نے یورپ کے جسم میں پھیل کر خوفناک نتائج پیدا کئے۔''

مارکس ۱۸۸۳ء میں فوت ہوا، جبکہ روس میں اشتراکی انقلاب ۱۹۱۷ء میں برپا ہوا۔ لینن نے اپنی زندگی یہودیت اور اشتراکیت کے لئے وقف کر رکھی تھی۔ اسے جنگِ عظیم کے دوران روس میں زار کے خلاف نفرت پھیلانے کے جرم میں جلاوطن کر دیا گیا تھا اور وہ جرمنی میں بیٹھ کر جرمنوں ہی کے خلاف سرگرم عمل تھا۔ ۱۵ مارچ ۱۹۱۷ء کو زار نے دست برداری کا اعلان کیا تو لینن دو سو مسلح یہودی کامریڈوں کے ساتھ خصوصی ٹرین کے ذریعے رات کی تاریکی میں روس کی سرحد پر پہنچا۔ ٹراٹسکی جو بغاوت کے جرم میں روس بدر کیا جا چکا تھا، وہ بھی تین سو مسلح یہودی کامریڈوں کے ہمراہ روس پہنچا۔ دونوں نے جوزف سٹالن کو اپنی آمد سے مطلع کیا اور تینوں نے بالشویک تحریک کو سنبھال لیا اور یہی تحریک بعد میں سرخ انقلاب کی شکل اختیار کر گئی۔

اب تک یہود کی دو ہزار سالہ تاریخ کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے، جس کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ بقول مولانا مودودی:

''دنیا میں خدا کے بندوں کو گمراہ کرنے کے لئے جو تحریک بھی اٹھتی ہے، اکثر اُس کے پیچھے یہودی دماغ اور یہودی سرمایہ ہی کام کرتا نظر آتا ہے، اور راہِ حق کی طرف بلانے کے لئے جو تحریک بھی شروع ہوتی ہے، اکثر اس کے مقابل میں یہودی ہی سب سے بڑھ کر مزاحم بنتے ہیں، درآنحالیکہ یہ کم بخت کتاب اللہ کے حامل اور انبیاء کے وارث ہیں۔ ان

(مضمون ''فرہنگ اصطلاحات'' کے آخر میں بقیہ ملاحظہ فرمائیں)

صہیونیت کی تحریک

یہودی کی دو ہزار سالہ تاریخ کا خلاصہ گزشتہ اوراق میں بیان کیا گیا جس کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خروج مصر کے بعد خود بھی منتشر رہے اور جہاں جہاں گئے ان اقوام وملل کو بھی انتشار و خلفشار میں مبتلا کرتے رہے۔ بالآخر انیسویں صدی کے اواخر میں ان کے سرکردہ رہنماؤں اور دانشوروں نے فلسطین میں ایک الگ اور آزاد صیہونی ریاست قائم کرنے کا منصوبہ بنایا۔

صیہون (Zion) یروشلم کے جنوب مغرب میں ایک پہاڑی کا نام ہے۔ بائبل میں اسے ''شہر داؤد'' کہا گیا ہے۔ اسلامی ادبیات میں اس مسجد کو جو صیہون کی پہاڑی پر ہے' وہ مقام سمجھا جاتا ہے جہاں حضرت مریمؑ اور حضرت یوسفؑ نے اپنی جوانی کے زمانے میں عبادت گاہ کی خدمت کی تھی۔ یہ نام عیسائیوں کے ہاں جنت کی علامت ہے اور یہودیوں کے لئے یہوا کی بادشاہی کا نشان ہے۔ اسی لئے صیہونیت (Zionism) کی اصطلاح وضع ہوئی اور اس کی بنیاد پر صیہونیت کی مذہبی تحریک شروع ہوئی۔

یوں تو یہودیوں کے لئے جداگانہ قومی وطن (فلسطین) ہمیشہ سے ''ارضِ موعود'' کی حیثیت رکھتا تھا' لیکن انیسویں صدی کے اواخر میں اس کے حصول کے لئے باضابطہ منصوبہ سازی شروع ہوگئی تھی۔ اس ضمن میں اولین تجاویز میں سے ایک نپولین کی تھی۔ اس نے اعلان کیا تھا کہ اگر یہود شام کے خلاف اس کی حملہ آوری میں تعاون کریں گے تو فتح شام کے بدلے وہ آزاد اسرائیل کے لئے پوری پوری مدد کرے گا۔ سب سے موثر' فعال اور نتیجہ خیز منصوبہ ہنگری کے ایک یہودی صحافی اور ڈرامانگار تھیوڈور ہرزل نے اپنی تصنیف ''ریاست یہود'' (The Jewish State) میں پیش کیا۔ اس نے یہودی ریاست کی حدود کوہ یورال (ترکی) سے نہر سویز تک مقرر کیں اور یہود کو ''فلسطینِ داؤد و سلیمان'' کا نعرہ دیا اور صیہونی تحریک کا مقصد متعین کر دیا:

''یہودی فلسطین کے علاقے میں جمع ہو جائیں اور اقوام عالم یہودیوں کی خودمختاری اور ان کے قومی وطن کی ضرورت کو تسلیم کر لیں۔''

اس کتاب کے شائع ہوتے ہی یہودیوں میں ایک نیا جوش پیدا ہوگیا۔ لارڈ راتھس چائلڈ نے جو انگلستان میں یہودی کمیونٹی کا سربراہ اور بڑا سرمایہ دار اور بینک کار تھا' صحافی ہرزل کی دامے درمے سخنے ہر طرح مدد کی۔ اس کی مالی اعانت سے ہرزل نے ۲۷ اگست ۱۸۹۷ء کو سوئٹزرلینڈ کے شہر بیسل میں یہودیوں کی عالمی کانفرنس بلائی' جس میں یہ قرارداد منظور ہوئی:

''صیہونیت فلسطین میں یہودیوں کے لئے ''ہوم لینڈ'' حاصل کرنے کی جدوجہد کرتی ہے اور اس مقصد کے لئے کانفرنس نے فیصلہ کیا ہے کہ:

۱) فلسطین میں یہودی کسانوں' مزدوروں اور پیشہ وروں کی آبادکاری کے لئے ہر ممکن کوشش کی جائے۔

۲) عالمی صیہونی تحریک کو ہر ملک میں مقامی اور بین الاقوامی حیثیتوں میں از سرِ نو منظم کیا جائے۔

۳) یہودیوں میں نسلی تعصب' قومی شعور اور سب اقوام سے بالاتر ہونے کا احساس فروغ دیا جائے۔

۴) اس نصب العین کے حصول کے لئے مختلف حکومتوں کی حمایت حاصل کی جائے۔

اس کانفرنس میں صیہونیت کی ابتدائی تحریک کے طور پر ''محبانِ صیہون'' (Lovers of Zion) کے نام سے ایک مذہبی وسیاسی جماعت کی بنیاد رکھی گئی اور یہودیوں میں ''چلو چلو' فلسطین چلو'' کی تحریک ہجرت باقاعدہ شروع ہوگئی۔ سب سے پہلے روس سے کچھ یہودی ارضِ مقدس پہنچے۔ برطانیہ کے یہودیوں نے صیہونیت کو مستحکم و منظم کرنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ انہوں نے فلسطین میں یہود کی آبادکاری میں ہر ممکن مدد کی۔ وہ جلد ہی برطانیہ کے سرمایہ داروں اور بڑی بڑی فرموں کے حصہ داروں کا تعاون حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ برطانیہ کے صفِ اول کے سیاسی رہنماؤں نے یہودیوں کے ''جداگانہ قومی وطن'' کے مطالبے کی پوری حمایت کی۔ بڑے بڑے تجارتی اداروں نے فلسطین میں یہودی ریاست قائم کرنے کے حق میں رائے عامہ ہموار کرنے کی خاطر ''سیاسی وقائع نویسوں'' کی خدمات حاصل کیں۔ لارڈ بیکنز فیلڈ اور لارڈ سالسبری جیسے بڑے لیڈر بھی صیہونی تحریک کے حامیوں میں شامل ہو گئے۔ انہوں نے ترکی کے سلطان عبدالحمید پر پورا دباؤ ڈال کر یہودیوں کی خودمختار ریاست تسلیم کرانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ ڈاکٹر ہرزل نے اس سلسلے میں سلطان عبدالحمید سے متعدد ملاقاتیں کیں اور کہا کہ اگر سلطنتِ عثمانیہ فلسطین کو (اس وقت فلسطین ترکی کا حصہ تھا) یہودیوں کا قومی وطن تسلیم کر کے انہیں کچھ مراعات دے دے' تو اس کے بدلے ترکی کے تمام قرضہ جات بے باق کر دیئے جائیں گے اور مزید ہر قسم کی مالی امداد دی جائے گی۔ لیکن سلطان نے واضح الفاظ میں جواب دیا:

''اگر یہودی اپنی ساری دولت بھی میرے قدموں میں لا ڈالیں' تب بھی میں فلسطین میں مسلمانوں کی ایک انچ زمین بھی یہودیوں کو دینے کا روادار نہیں۔ جب تک میں زندہ ہوں اور جب تک ترکی سلطنت موجود ہے' اس وقت تک اس کا کوئی امکان نہیں ہے کہ فلسطین یہودیوں کے حوالے کیا جائے۔ تمہاری ساری دولت پر میں تھوکتا ہوں۔''

جس شخص کے ہاتھ سلطان کو یہ پیغام بھیجا گیا تھا' اس کا نام حاخام قرہ صو آفندی تھا اور اس کا تعلق ان یہودی خاندانوں میں سے تھا جو سپین سے نکالے جانے کے بعد ترکی میں آباد ہوئے تھے۔ ترکی رعایا ہونے کے باوجود اس نے یہ جرأت کی کہ سلطان ترکی کے دربار میں پہنچ کر فلسطین کو یہود کے حوالے کرنے کا مطالبہ پیش کر دے۔ اسی پر بس نہیں' بلکہ سلطان عبدالحمید خان کا جواب سن کر ہرزل کی طرف سے ان کو صاف صاف یہ دھمکی دی گئی کہ ''تم اس کا برا نتیجہ دیکھو گے۔''

چنانچہ اس کے فوراً بعد اگر ایک طرف سلطان عبدالحمید کو معزول کرنے کی سازشیں شروع ہو گئیں تو

دوسری طرف انہوں نے سلطان کے دوستوں اور بیرونی طاقتوں کے ذریعے سلطان پر دباؤ ڈلوانے کا پروگرام بنایا۔ چنانچہ یہودی سلطان عبدالحمید کے ذاتی دوست جرمنی کے قیصر ولیم کو اس بات پر رضامند کرنے میں کامیاب ہو گئے کہ وہ ۱۸۹۸ء میں اپنے دورۂ ترکی کے دوران سلطان عبدالحمید کو فلسطین کے بارے میں یہودی قرارداد قبول کرنے پر مجبور کریں اور اگر وہ اس میں کامیاب ہو گئے تو یہودی اس کے عوض سلطنت عثمانیہ میں جرمن ثقافت اور مختلف ممالک میں جرمن مصنوعات کی تجارت کو فروغ دیں گے۔ جب قیصر ولیم نے اپنے دورۂ ترکی کے دوران سلطان سے یہ ذکر کیا تو سلطان نے کوئی توجہ نہ دی۔ قیصر پریشان ہو گیا اور اس نے دوبارہ اس کا ذکر نہ کیا' کیونکہ اسے بتایا گیا کہ اگر اس نے اس بات پر اصرار کیا تو سلطان کو شک ہو جائے گا اور عین ممکن ہے کہ جرمنی ''برلن بغداد ریلوے لنک'' سے محروم ہو جائے۔

سلطان عبدالحمید نے واضح الفاظ میں جواب دیا: ''اگر یہودی اپنی ساری دولت بھی میرے قدموں میں لا ڈالیں تب بھی میں فلسطین میں مسلمانوں کی ایک انچ زمین بھی یہودیوں کو دینے کا روادار نہیں۔ جب تک میں زندہ ہوں اور جب تک ترکی سلطنت موجود ہے اس وقت تک اس کا کوئی امکان نہیں ہے کہ فلسطین یہودیوں کے حوالے کیا جائے۔ تمہاری ساری دولت پر میں تھوکتا ہوں۔''

ڈاکٹر ہرزل ۱۹۰۲ء میں مر گیا' مگر اپنی موت سے قبل وہ ''صیہون نوآبادی بنک'' اور ''صیہون بیت المال'' قائم کر گیا۔ بنک ۱۹۰۱ء میں قائم ہوا' جس کا راس المال تیس لاکھ پونڈ مقرر ہوا۔ بیت المال میں لارڈ ہرش نے فلسطین میں یہودی بستیاں بسانے کے لئے ۹۰ لاکھ پونڈ کا عطیہ دیا۔ ہرزل کی وفات کے بعد صیہونی تحریک کا صدر مقام کولون (جرمنی) منتقل ہو گیا اور ۱۹۰۴ء میں اس کی ایک خفیہ شاخ فلسطینی بندرگاہ حیفہ میں بھی قائم کر دی گئی۔

ہرزل کی وفات کے بعد سلطان عبدالحمید کی حکومت کا تختہ الٹنے کی سازشیں زیادہ شدت سے شروع ہو گئیں' جن میں فری میسن' دونمہ (وہ یہودی جنہوں نے اسلام ریاکارانہ طور پر قبول کر رکھا تھا) اور وہ مسلمان نوجوان شریک تھے جو مغربی تعلیم کے زیر اثر آ کر ترک قوم پرستی کے علمبردار بن گئے تھے۔ ان لوگوں نے ترکی فوج میں اپنے اثرات پھیلائے اور سات سال کے اندر ان کی سازشیں پختہ ہو کر اس منزل پر پہنچ گئیں کہ سلطان عبدالحمید کو معزول کر دیں۔ اس موقع پر جو انتہائی عبرتناک واقعہ پیش آیا' وہ یہ تھا کہ ۱۹۰۸ء میں جو تین آدمی سلطان کی معزولی کا پروانہ لے کر ان کے پاس گئے تھے' ان میں دو ترک تھے اور تیسرا وہی ہاخام قرہ صو آفندی تھا جس کے ہاتھ ہرزل نے فلسطین کو یہودیوں کے حوالے کرنے کا مطالبہ سلطان کے پاس بھیجا تھا۔ مسلمانوں کی بے غیرتی کا اس سے اندازہ کیجئے کہ اپنے سلطان کی معزولی کا پروانہ بھیجتے بھی ہیں تو ایک ایسے یہودی کے ہاتھ جو سات ہی برس پہلے اسی سلطان کے پاس فلسطین کی حوالگی کا مطالبہ لے کر گیا تھا اور اس سے سخت جواب سن کر آیا تھا۔ ذرا تصور کیجئے کہ سلطان کے دل پر کیا گزری ہو گی' جب وہی یہودی ان کی معزولی کا پروانہ لئے ان کے سامنے کھڑا تھا!

ترک اور عرب قوم پرستی کا تصادم

شوکت پاشا کے اس تاریخی انقلاب کے بعد ترکی میں جو کابینہ بنی' اس کے تین وزیر (یعنی وزیر تعمیرات' وزیر تجارت اور وزیر خزانہ) یہودی تھے۔ انہوں نے اپنا ذاتی اور سرکاری اثر و رسوخ یہودی آبادکاری کے لئے استعمال کیا اور بالآخر یہودیوں کو زمین کا حق ملکیت اور فلسطین میں زمین خریدنے کی اجازت دلانے میں کامیاب ہو گئے۔

اسی زمانے میں ایک دوسری سازش بھی زور شور سے چل رہی تھی جس کا مقصد ترکی سلطنت کے ٹکڑے کرنا تھا اور اس سازش میں بھی مغربی سیاست کاروں کے ساتھ ساتھ یہودی دماغ ابتدا سے کارفرما رہا۔ ایک طرف ترکوں میں یہ تحریک اٹھائی گئی کہ وہ سلطنت کی بنیاد اسلامی اخوت کے بجائے ترک قوم پرستی پر رکھیں' دوسری طرف عربوں کو عربی قومیت کا سبق پڑھایا گیا اور ان کے دماغ میں یہ بات بٹھائی گئی کہ وہ ترکوں کی غلامی سے آزاد ہونے کی جدوجہد کریں۔ عربوں میں اس عرب قوم پرستی کا فتنہ اٹھانے والے عیسائی عرب تھے۔ بیروت اس کا مرکز تھا اور بیروت کی امریکن یونیورسٹی اس کو فروغ دینے کا ذریعہ بنی ہوئی تھی۔ اس طرح ترکوں اور عربوں میں بیک وقت دو متضاد قسم کی قوم پرستیاں ابھاری گئیں اور ان کو یہاں تک بھڑکایا گیا کہ ۱۹۱۴ء میں جب پہلی جنگ عظیم برپا ہوئی تو ترک اور عرب ایک دوسرے کے رفیق ہونے کی بجائے دشمن اور خون کے پیاسے بن کر آمنے سامنے کھڑے ہو گئے۔

اعلانِ بالفور

پہلی جنگ عظیم میں (۱۹۱۴ء۔۱۹۱۸ء) یہودیوں نے شروع میں حکومتِ جرمنی سے معاملہ کرنا چاہا تھا کیونکہ جرمنی میں اس وقت یہودیوں کا اتنا ہی زور تھا جتنا آج امریکہ میں ہے۔ انہوں نے قیصر ولیم سے یہ وعدہ لینے کی کوشش کی کہ وہ فلسطین کو یہودیوں کا ''قومی وطن'' بنوا دے گا' لیکن جس وجہ سے یہودی اس پر اعتماد نہ کر سکتے تھے' وہ یہ تھی کہ ترکی اس وقت جنگ میں جرمنی کا حلیف تھا۔ یہودیوں کو یقین نہیں تھا کہ قیصر ولیم ہم سے یہ وعدہ پورا کر سکے گا۔ اس موقع پر صیہونی تحریک کا صدر ڈاکٹر وائز مین آگے بڑھا اور اس نے انگلستان کی حکومت کو یقین دلایا کہ جنگ میں تمام دنیا کے یہودیوں کا سرمایہ اور تمام دنیا کے یہودیوں کا دماغ اور ان کی ساری قوت و قابلیت انگلستان اور فرانس کے ساتھ آ سکتی ہے' بشرطیکہ آپ ہم کو یہ یقین دلا دیں کہ فتح یاب ہو کر فلسطین کو یہودیوں کا قومی وطن بنائیں گے۔ اس وقت ڈاکٹر وائز مین ہی یہودیوں کی صیہونی تحریک کا سربراہ تھا۔ وہ مانچسٹر یونیورسٹی میں کیمسٹری کا پروفیسر تھا۔ اس نے دورانِ جنگ برطانیہ کو چند ایسے ''کیمیائی راز'' دیئے تھے جن کے باعث برطانیہ کو جنگ میں برتری حاصل ہوئی۔

یہودیوں کی اصل' بڑی اور دولت مند طاقت لارڈ راتھس چائلڈ کی تھی۔ اس کے نام وزیر خارجہ لارڈ بالفور نے ۲ نومبر ۱۹۱۷ء کو ایک سرکاری مکتوب بھیجا' جس کا ترجمہ یہ ہے:

> ''ملک معظم کی حکومت فلسطین میں یہودیوں کے لئے ایک قومی وطن کے قیام کو پسندیدگی کی نظروں سے دیکھتی ہے اور اپنی بہترین کوشش اس مقصد کے حصول میں آسانیاں پیدا کرنے کے لئے صرف کرے گی' لیکن یہ امر واضح کر دینا ضروری ہے کہ کوئی ایسا اقدام نہیں کیا جائے گا جس سے فلسطین میں موجود غیر یہودی آبادی (یعنی مسلمانوں اور عرب عیسائیوں) کے شہری اور مذہبی حقوق معرضِ خطر میں پڑیں یا یہودیوں کو دوسرے ملکوں میں جو سیاسی حیثیت اور حقوق حاصل ہیں' ان کو ضرر پہنچے۔''

''اعلان بالفور'' صیہونی تحریک کی کامیابی کی راہ میں ایک اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسے ''معاہدۂ سیورے'' میں بھی شامل کر لیا گیا' جس کے مطابق ۱۹۲۰ء میں پہلی جنگ عظیم کے بعد ترکی کے سلطان وحیدالدین ششم اور اتحادیوں کے درمیان صلح ہوئی تھی۔ اس معاہدے کی رو سے سلطنتِ عثمانیہ کا خاتمہ کر دیا گیا اور عملاً اتحادیوں کو ترکی کی معیشت پر پورا اقتدار حاصل ہو گیا' مگر اتاترک نے اس معاہدے کو ماننے سے انکار کر دیا اور بزور طاقت لوزان کانفرنس (جولائی ۱۹۲۳ء) میں نیا معاہدہ کرایا جس کے مطابق ترکی کی موجودہ حیثیت قائم ہوئی۔ ''اعلان بالفور'' کو انجمنِ اقوام (لیگ آف نیشنز) کی اس دستاویز کا بھی جز بنایا گیا جس کے تحت ۱۹۲۲ء میں برطانیہ کو فلسطین میں انتداب (حکم داری) دیا گیا۔ اعلان بالفور اس خفیہ معاہدے کے بھی صریح خلاف تھا جو سر ہنری میکموہن نے

شریف حسین آف مکہ کو ترکوں کے خلاف میدانِ جنگ میں لانے کی غرض سے کیا تھا۔ اس خفیہ معاہدے میں غیر مشتبہ طریق پر واضح کر دیا گیا تھا کہ ”حکومتِ برطانیہ جزیرہ نمائے عرب کی عربی ریاستوں نیز عراق اور شرق اردن میں عربوں کی آزادی کا اعتراف کرتی ہے‘ اور فلسطین میں کوئی ایسی بات نہ ہو گی جس سے عربوں کے شہری اور مذہبی حقوق کو خطرہ لاحق ہو۔“

معلوم ہوتا ہے کہ ”اعلان بالفور“ میں حکومت برطانیہ کے پیش نظر کئی مصلحتیں تھیں۔ مثلاً یہ امکان کہ اس طرح یورپ ہی کے نہیں‘ امریکہ کے یہودی بھی سرگرمی سے اتحادیوں کی امداد پر آمادہ ہو جائیں گے۔ برطانیہ کو فلسطین کی جنگی اہمیت اپنی وسیع سلطنت کی حفاظت کے لئے بہت سازگار نظر آ رہی تھی۔ یہ بھی خیال تھا کہ فلسطین میں یہودیوں کی خاصی تعداد جمع ہو جائے گی‘ جن پر برطانیہ عربوں کے مقابلے میں زیادہ اعتماد کر سکتا تھا۔ اب ”اعلان بالفور“ کے فوری اور دور رس نتائج پر غور فرمائیے۔

لارڈ بالفور نے اپنے سرکاری مکتوب کے بارے میں اپنی ذاتی ڈائری میں لکھا: ”ہمیں فلسطین کے متعلق کوئی فیصلہ کرتے ہوئے وہاں کے موجودہ باشندوں سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ صیہونیت ہمارے لئے ان سات لاکھ عربوں کی خواہشات اور تعصبات سے بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔“

اس وقت کے وزیر اعظم لائیڈ جارج نے کہا: ”اعلانِ بالفور دراصل اس جذبۂ ممنونیت کے تحت ہوا تھا کہ ڈاکٹر وائزمین کی سائنسی ایجادات نے برطانیہ کی توپوں کو بروقت بچا لیا تھا۔“

سرمائیکل ایڈوائر نے کہا: ”امریکہ کی دولت نے بڑا سہارا دیا۔ امریکی بینکوں پر یہودی چھائے ہوئے تھے‘ لہٰذا ہمیں یہودیوں کو خوش کرنا پڑا۔“

اس ”اعلان“ پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا مودودی رقم طراز ہیں: ”یہ انگریزوں کی بددیانتی کا شاہکار ہے کہ ایک طرف وہ عربوں کو یقین دلا رہے تھے کہ ہم عربوں کی ایک خودمختار ریاست بنائیں گے اور اس غرض کے لئے انہوں نے شریف مکہ کو تحریری وعدہ دے دیا تھا اور اسی وعدے کی بنیاد پر عربوں نے ترکوں سے بغاوت کر کے فلسطین‘ عراق اور شام پر انگلستان کا قبضہ کرا دیا تھا۔ دوسری طرف وہی انگریز یہودیوں کو باقاعدہ یہ تحریر دے رہے تھے کہ ہم فلسطین کو یہودیوں کا قومی وطن بنائیں گے۔ یہ اتنی بڑی بے ایمانی تھی کہ جب تک انگریزی قوم دنیا میں موجود ہے وہ اپنی تاریخ پر سے اس کلنک کے ٹیکے کو نہ مٹا سکے گی۔ پھر ذرا غور کیجئے کہ فلسطین کو یہود کا قومی وطن بنانے کے آخر معنی کیا تھے؟ کیا فلسطین کوئی خالی پڑی ہوئی زمین تھی جس پر کسی قوم کو آباد کر دینے کا وعدہ کیا جا رہا تھا؟ وہاں دو ڈھائی ہزار سال سے ایک قوم آباد چلی آ رہی تھی۔ ”اعلان بالفور“ کے وقت وہاں یہودیوں کی آبادی پانچ فی صد بھی نہ تھی۔ ایسے ملک کے متعلق سلطنت برطانیہ کا وزیر خارجہ یہ تحریری وعدہ دے رہا تھا کہ ایک قوم کے وطن میں ایک دوسری قوم کا وطن بنایا جائے گا جو دنیا بھر میں دو ہزار برس سے بکھری ہوئی تھی۔ اس کا صاف مطلب گویا یہ وعدہ کرنا تھا کہ ہم تمہیں موقع دیں گے کہ عربوں کے جس وطن پر ہم نے خود عربوں کی مدد سے قبضہ کیا ہے‘ اس سے تم انہی عربوں کو نکال باہر کرو اور ان کی جگہ دنیا کے گوشے گوشے سے اپنے افراد کو لا کر بسا دو۔ یہ ایک ایسا ظلم تھا جس کی نظیر پوری انسانی تاریخ میں نہیں ملتی“۔

”آخری صلیبی جنگ“

گزشتہ صفحات میں ذکر آ چکا ہے کہ ۱۹۰۸ء میں یہودی صحافی ہرزل کے پیغام پر حاخام قرہ صوآفندی نے سلطان ترکی کو ”برے انجام“ کی دھمکی دی تھی۔ چنانچہ اگلے ہی سال اپریل ۱۹۰۹ء میں یہود کی سازش اور مدد سے انجمن اتحاد و ترقی کے نوجوانوں نے سلطان کو معزول کر دیا۔ نئے سلطان نے نیا آئین بنا کر شام و فلسطین کی خودمختاری تسلیم کر لی۔ دریں اثناء ترکوں کے زیر اقتدار عرب علاقوں میں لارنس آف عریبیا جیسے شاطر کے ذریعے برطانیہ اپنا اثر و رسوخ قائم کر چکا تھا۔ اس کے پھیلائے ہوئے سازشی حربوں کے نتیجے میں عربوں نے ہر جگہ ترکوں کے خلاف بغاوت کر دی۔ پہلی جنگ عظیم زوروں پر تھی۔ اس پریشان کن صورتِ حال سے مجبور ہو کر ۸ اور ۹ دسمبر ۱۹۱۷ء کی درمیانی رات کو ترکوں نے بیت المقدس خالی کر دیا۔

۱۰ دسمبر کی صبح برطانیہ کی ڈویژن ۶۰ کا کمانڈنگ افسر جنرل ہشایا بیت المقدس پہنچا۔ ترکوں نے دوپہر کے وقت شہر کی چابیاں اُس کے حوالے کر دیں۔

۱۱ دسمبر کو جنرل ایلن بی مصری اور فلسطینی افواج کے ساتھ یافہ گیٹ سے بیت المقدس میں داخل ہوا‘ جسے صلاح الدین نے ۱۱۸۷ء میں عیسائیوں کے قبضے سے آزاد کرایا تھا۔ ایک بار پھر یہ شہر عیسائیوں (اور یہودیوں) کے قدموں تلے آ گیا۔ برطانوی پریس‘ دانشوروں اور سیاسی رہنماؤں نے اسے ”آخری صلیبی جنگ“ قرار دیا۔

”انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا“ کا مقالہ نگار کہتا ہے: ”ایلن بی کی فتح یروشلم سے پہلے ۷۲۵ برس تک یروشلم نے کبھی کسی عیسائی فاتح یا برطانوی سپاہی کو نہیں دیکھا تھا“۔

وزیر اعظم ونسٹن چرچل نے اپنی تصنیف ”جنگِ عظیم“ میں لکھا: ”۸ دسمبر ۱۹۱۷ء کو ترک بیت المقدس سے دست بردار ہو گئے۔ ان کے چار سو سالہ منحوس دور کے بعد برطانوی کمانڈر انچیف باشندگانِ بیت المقدس کے مرحبا کے نعروں کی گونج میں شہر میں داخل ہوا“۔

ایڈمرل نلسن نے اپنی کتاب ”تاریخ جنگ“ میں فرط مسرت میں یوں لکھا: ”آخری صلیبی جنگ اب اپنے عروج پر تھی۔ اگر سینٹ لوئی اور رچرڈ شاہ انگلستان اس حیرت انگیز عجوبہ فاتح فوج کو دیکھتے تو ان کی ارواح ششدر رہ جاتیں‘ کیونکہ اس فوج کا بہت ہی قلیل حصہ اقوام مغرب پر مشتمل تھا‘ زیادہ تر الجزائری مسلمان‘ ہندی مسلمان‘ عرب قبائل‘ افریقی حبشی اور یہودی اس فوج میں شامل تھے‘ جس نے عیسائیوں کے مقدس شہر کو آزاد کرایا“۔

افسوس صد افسوس‘ وہ مسلمان جن کو بیت المقدس کا نگران و محافظ ہونا تھا‘ یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ مل کر اُس پر چڑھائی کر رہے تھے۔

جارج ٹاؤن سنڈ وارنر اپنی تصنیف ”گراؤنڈ ورک آف برٹش ہسٹری“ میں لکھتا ہے: ”جنرل ایلن بی نے کرسمس سے ایک پندرھواڑہ قبل باضابطہ طور پر بیت المقدس فتح کیا اور اس کا سہرا خاص طور پر ہندوستانی افواج کے سر ہے“۔

برطانیہ کے وزیر اعظم لائڈ جارج نے پارلیمنٹ میں چلا کر کہا: ”آج ہم نے مسلمانوں سے صلیبی جنگوں کا بدلہ لے لیا ہے“ (۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کو ”ٹریڈ سنٹر“ کے انہدام کے بعد جارج بش نے مسلمانانِ عالم کے خلاف دہشت گردی کا الزام لگا کر ”صلیبی جنگ“ شروع کرنے کا اعلان لائڈ جارج کے لب و لہجے میں کیا تھا۔ یہ دوسری بات کہ ازراہ سیاست کاری‘ دوسرے دن معافی مانگ لی تھی)

برطانوی انتداب

فلسطین پر انگریزوں کے قبضے اور لارڈ بالفور کے اعلان سے صہیونیت کے طویل المیعاد منصوبے کا ایک مرحلہ مکمل ہو گیا۔ تحریک کے آغاز سے ۱۹۱۷ء تک اس مرحلے کی تکمیل میں ۳۷ سال صرف ہوئے۔ اب نیا مرحلہ شروع ہوا جس میں مجلس اقوام (لیگ آف نیشنز) اور اُس کی اصل کارفرما دو بڑی طاقتوں‘ یعنی برطانیہ اور فرانس نے بالکل اس طرح کام کیا‘ گویا وہ آزاد سلطنتیں نہیں ہیں بلکہ محض

وزیر اعظم چرچل نے لکھا: ”۸ دسمبر ۱۹۱۷ء کو ترک بیت المقدس سے دست بردار ہو گئے۔ ان کے چار سو سالہ منحوس دور کے بعد برطانوی کمانڈر انچیف باشندگانِ بیت المقدس کے مرحبا کے نعروں کی گونج میں شہر میں داخل ہوا“۔

صہیونی تحریک کے ایجنٹ ہیں۔

۱۹۲۲ء میں مجلس اقوام نے فیصلہ کیا کہ فلسطین کو برطانیہ کے انتداب(Mandate) میں دے دیا جائے۔ شرقِ اردن کو فلسطین سے الگ کر کے امیر عبداللہ کی امارت میں دے دیا گیا۔ انتداب کے موقع پر فلسطین میں جو مردم شمار کرائی گئی تھی' اس میں مسلمان عرب ۶ لاکھ ۶۰ ہزار ۶۴۱' عیسائی عرب ۷۱ ہزار ۴۶۴ اور یہودی صرف ۸۲ ہزار ۷۹۰ تھے۔ اور یہودیوں کی اتنی آبادی بھی اس وجہ سے تھی کہ وہ دھڑا دھڑ وہاں جا کر آباد ہو رہے تھے۔ پانچ سال پہلے ۱۹۱۷ء میں یہودی آبادی صرف ۵۶ ہزار تھی۔ پانچ سال کے اندر وہ بڑھ کر ۸۳ ہزار کے قریب پہنچ گئی۔ اس پر بھی مجلسِ اقوام نے برطانیہ کو انتداب کا پروانہ دیتے ہوئے پوری بے شرمی کے ساتھ یہ ہدایت کی کہ اس کی ذمہ داری یہ ہوگی کہ فلسطین کو یہودیوں کا قومی وطن بنانے کے لئے ہر طرح کی آسانیاں فراہم کرے۔ صہیونی تنظیم کو سرکاری طور پر باقاعدہ تسلیم کر کے اُسے نظم و نسق میں شریک کرے اور اس کے مشورے اور تعاون سے یہودی قومی وطن کی تجویز کو عملی جامہ پہنائے۔

یہ انتداب (حکم داری) حاصل کرنے کے بعد یہودیوں کو فلسطین میں لا کر بسانے کا باقاعدہ سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ فلسطین کا پہلا برطانوی ہائی کمشنر سر ہربرٹ سیموئیل خود ایک یہودی تھا۔ صہیونی تنظیم کو عملاً حکومت کے نظم و نسق میں شریک کیا گیا اور اس کے سپرد نہ صرف تعلیم اور زراعت کے محکمہ کئے گئے' بلکہ بیرونی ممالک کے لوگوں کے داخلے' سفر اور قومیت وغیرہ کے معاملات بھی اس کے حوالے کر دیئے گئے۔ ایسے قوانین بنائے گئے جن کے ذریعے سے باہر کے یہودیوں کو فلسطین میں آ کر زمینیں حاصل کرنے کی پوری سہولتیں دی گئیں۔ مزید برآں اُن کو زمینیں کاشت کرنے کے لئے قرضوں اور تقاوی اور دوسری سہولتوں سے بھی نوازا گیا۔ عربوں پر بھاری ٹیکس لگائے گئے اور ٹیکسوں کے بقایا پر' ہر بہانے عدالتوں نے زمینیں ضبط کرنے کی ڈگریاں دینی شروع کر دیں۔ ضبط شدہ زمینیں یہودیوں کے ہاتھ فروخت کی گئیں اور سرکاری زمینوں کے بھی بڑے بڑے رقبے یہودی نو آبادکاروں کو کہیں مفت اور کہیں برائے نام پٹے پر دے دیئے گئے۔ بعض مقامات پر کسی نہ کسی بہانے پورے پورے گاؤں صاف کر دیئے گئے اور وہاں یہودی بستیاں بسائی گئیں۔ ایک علاقے میں تو آٹھ ہزار عرب کاشت کاروں اور زرعی کارکنوں کو پچاس ہزار ایکڑ زمین سے حکماً بے دخل کر دیا گیا اور اُن کو فی کس تین پونڈ دس شلنگ دے کر چلتا کر دیا گیا۔ ان تدبیروں سے سترہ سال کے اندر یہودی آبادی میں غیر معمولی اضافہ ہوا۔ ۱۹۲۲ء میں وہ ۸۳ ہزار کے قریب تھے۔ ۱۹۳۹ء میں ان کی تعداد ساڑھے چار لاکھ تک پہنچ گئی۔

قیامتِ کبریٰ

سکوتِ عالمِ اسلام و جبرِ اسرائیل
کسی قیامت کبریٰ کی ابتدا تو نہیں
یقیناً آپ دعا میں ہیں رات دن مصروف
مگر جہاد کا نعم البدل دعا تو نہیں

(رئیس امروہوی)

اعلان بالفور اور برطانوی انتداب کے خلاف فلسطینی عربوں (مسلم اور عیسائی) نے سخت مزاحمت کی۔ ۱۹۳۶ء کے موسم بہار میں ''عرب ہائی کمیٹی'' قائم ہوئی' جس کی اپیل پر برطانیہ کے مسلم کش رویے اور یہودیوں کے داخلے کے خلاف مسلسل چھ ماہ تک یادگارِ زمانہ ہڑتال رہی۔ اس کمیٹی کے صدر بیت المقدس کے مفتی اعظم الحاج امین الحسینی تھے۔ حکومت برطانیہ نے مفتی اعظم کی گرفتاری کے لئے وارنٹ جاری کر دیئے۔ مفتی صاحب مسجد اقصیٰ میں معتکف ہو گئے۔ برطانوی سپاہیوں نے مسجد کا محاصرہ کر لیا' لیکن مفتی اعظم بھیس بدل کر اس محاصرے سے نکلے اور شام سے ہوتے ہوئے لبنان جا پہنچے۔ دریں اثنا یہودیوں نے ایک کارگزار ''صہیونی ایجنسی'' قائم کر کے حکومتِ برطانیہ کے تعاون سے اپنی سازشوں کو عملی جامہ پہنانا شروع کر دیا۔ یہودی فلسطین کو جلد از جلد صہیونی مذہبی ریاست بنانا چاہتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ملک گیر فسادات شروع ہو گئے۔ بیت المقدس کی گلیاں انسانی خون سے لالہ زار ہوئیں اور برطانیہ کی حمایت سے یہودی دن بدن زور پکڑتے گئے۔

یہاں اُس زمانے کے' اردو زبان کے چند سفرناموں کے اقتباسات پیش کئے جا رہے ہیں جن سے مسلمانانِ فلسطین کی بے چارگی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ الحاج محمد الیاس برنی اپنے ''سفرنامۂ صراط الحمید'' (۱۹۲۸ء) میں لکھتے ہیں: ''القدس میں یہودیوں کے نئے نئے محلے بن رہے ہیں۔ جبل زیتون پر یہودیوں کی یونیورسٹی زیرِ تعمیر ہے۔ انگریزوں نے عربی کے پہلو بہ پہلو عبرانی زبان کو سرکاری زبان قرار دے دیا ہے۔ اب ریلوے ٹائم ٹیبل بھی عبرانی میں شائع ہونے لگے ہیں''۔

مولانا محمد عاشق الٰہی میرٹھی نے ''زیارت القدس و شام'' (۱۹۱۱ء) میں لکھا ہے: ''القدس کی آبادی دو حصوں میں بٹی ہوئی ہے۔ اندرون شہر فصیل سے محصور ہے' جس کے سات دروازے ہیں۔ غربی دروازہ باب الخلیل کہلاتا ہے۔ جنوب میں دو دروازے باب داؤد اور باب المغاربہ' مشرق میں باب الاسباط اور شمال میں تین دروازے باب الساہرہ' باب النصرہ (باب العمود) اور باب الجدید ہیں۔ فصیل سے باہر نیا شہر آباد ہے۔ مسجد اقصیٰ اور مسجد عمرؓ کے علاوہ شہر میں شیخ محمد اباصیری' شیخ قری' شیخ محمد المثبت' شیخ بایزید بسطامی' شیخ جلال الدین رومی' شیخ فرید' شیخ حسن کے مزارات زیارت گاہِ عوام ہیں۔ مسجد اقصیٰ کی شرقی دیوار کے بالمقابل سیدنا شداد بن اوس انصاری اور حضرت عبادہؓ بن صامت کے مزارات ہیں۔ کوہ طور الزیت کے دامن میں سید محمد علمی کا مزار ہے۔ اس سے متصل قبۂ شہدا میں غربی جانب حضرت رابعہ عدویہ اور مشرقی جانب حضرت سلمان پارسیؓ مدفون ہیں۔ شہر کے شمالی جانب سیدنا عکاشہ' سیدنا قمیر اور مسجد کی شمالی فصیل کے قریب غار میں سیدنا سلطان ابراہیم ادہم اور شیخ حسن راعی کے مزارات ہیں''۔

مولانا حفظ الرحمٰن نے اپنے سفرنامے ''راہِ وفا'' (۱۹۳۸ء) میں لکھا ہے: ''عثمانی ترکوں نے تمام دنیا کے مسلمانوں کے لئے زمینوں کے قطعات وقف کر دیئے تھے' جن پر ان ملکوں کے آنے والے زائرین کے قیام اور رہائش کے لئے مسافر خانے تعمیر کئے گئے جو اب تک قائم ہوئے۔ ۱۹۲۲ء میں مولانا محمد علی جوہر کی تحریک پر ہندوستان کے مخصوص قطعے پر خواجہ ناظر حسن انصاری نے ''زاویۂ ہندی'' کے نام سے مسافر خانہ تعمیر کیا۔ قبۂ شہداء میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے شہید ساتھی دفن ہیں۔ صحنِ حرم میں مولانا محمد علی جوہر مدفون ہیں۔ اقتصادی' سیاسی' انفرادی اور مذہبی شعبوں پر حکومتِ برطانیہ کا اثر ہے' جس کی وجہ سے اس سرزمینِ قدس پر ہنگامۂ دار و گیر برپا ہے اور مسلمانوں کے حقوق' اُن کی مساجد' جائیدادیں اور جان و مال خطرے میں ہیں۔ جس وقت سے برطانیہ کا قبضہ ہوا۔ یہودیوں کی آبادی میں اضافہ ہونے لگا اور حکومتِ برطانیہ نے چاروں طرف سے یہودیوں کو لا لا کر یہاں آباد کیا۔ مسلمانوں کی زرخیز زمینیں اور آباد محلے کے محلے آج یہودیوں کے قبضے میں ہیں' حالانکہ آج سے ۷۰ برس قبل الخلیل (حبرون) کو جاتے ہوئے قدس سے باہر یہودیوں کی صرف ایک چھوٹی سی آبادی مأشورم (یعنی سوگھر) تھی۔ قدیم شہر میں مختلف

نسلوں کے لوگ آباد ہیں اور شہر میں مسجد الاقصیٰ کے علاوہ ۳۸ مساجد ہیں"۔

جنگ عظیم دوم

عربوں (مسلم وعیسائی) اور نو آبادکار یہودی کے مابین فسادات، ہنگامہ آرائی اور خون ریزی نے جب شدت اختیار کر لی تو حکومت برطانیہ نے ۱۹۳۷ء میں لارڈ پیل کی صدارت میں ایک "رائل کمیشن" قائم کیا، جس نے اپنی رپورٹ میں فلسطین کو دو آزاد ریاستوں میں تقسیم کرنے کی تجویز پیش کی، ایک آزاد اسرائیل اور ایک آزاد فلسطین۔ عربوں اور یہود دونوں نے اس تجویز کو مسترد کر دیا۔ اس کے بعد دونوں فریقوں کے مابین اختلافات اور فسادات کے سدباب کے لئے دونوں فریقوں کے مابین متعدد بار سمجھوتے کی جو کوششیں ہوئیں، ان میں ۱۹۳۹ء کی یہودیوں اور عرب نمائندوں پر مشتمل ناکام کانفرنس بھی شامل ہے۔ اس موقع پر حکومتِ برطانیہ نے اعلان کیا کہ یہ اس کی حکمتِ عملی کا حصہ نہیں ہے کہ فلسطین یہودیوں کا حصہ بنے۔ اس نے عربوں کے اس دعوے کو بھی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کہ فلسطین عرب ریاست بنے۔ نیز اس کا مقصد تو خود مختار فلسطین قائم کرنا ہے، جس میں مسلمانوں اور یہودیوں کو حکومت کرنے کے یکساں اور مساوی حقوق حاصل ہوں۔ حکومتِ برطانیہ نے قرطاس ابیض بھی شائع کیا جس میں کہا گیا تھا کہ فلسطین میں صرف پانچ سال تک ۷۵ ہزار یہودی داخل ہوں گے۔ اس کے بعد کوئی یہودی فلسطین میں داخل نہ ہوگا۔ مگر عربوں اور یہودیوں نے اس قرطاسِ ابیض کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

دریں اثناء دوسری جنگِ عظیم کا آغاز ہوگیا۔ دورانِ جنگ فلسطین میں بحیثیت مجموعی خاموشی رہی، بلکہ ایک مصنوعی سکون کہنا چاہئے۔ ۱۹۴۳ء کے اعداد و شمار کے مطابق ۸ ہزار عرب اور ۲۱ ہزار یہودی برطانوی فوج میں شامل تھے۔ ایک نیا بحران پیدا ہو رہا تھا۔ ہٹلر نے جرمنی اور جرمن مقبوضات میں یہودیوں پر جو قیامت ڈھائی تھی، اس کے سبب لاکھوں یہودی ان ممالک سے بھاگ کر ہر قانونی اور غیر قانونی طریقے سے بے تحاشا فلسطین میں داخل ہونے لگے۔ صیہونی ایجنسی نے ان کو ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں ملک کے اندر گھسانا شروع کیا اور مسلح تنظیمیں قائم کیں، جنہوں نے ہر طرف مار دھاڑ کر کے عربوں کو بھگانے اور یہودیوں کو ان کی جگہ بسانے میں سفاکی اور بربریت کی حد کر دی۔ انگریزی انتداب کی ناک کے نیچے یہودیوں کو ہر طرح کے ہتھیار پہنچ رہے تھے اور وہ عربوں پر چھاپے مار رہے تھے۔ مگر قانون صرف عربوں کے لئے تھا جو انہیں ہتھیار رکھنے اور ظلم کے جواب میں مدافعت کرنے سے روک رہا تھا۔ البتہ برطانوی حکومت جان بچا کر بھاگنے والے عربوں کو نقلِ مکانی کی سہولتیں فراہم کرنے میں بڑی فراخ دل تھی۔ اس طرح ۱۹۱۷ء سے ۱۹۴۷ء تک تیس سال کے اندر صہیونیت کی تحریک کا دوسرا مرحلہ مکمل ہوا، جس میں وہ اس قابل ہوگئے کہ وہ فلسطین کو یہودیوں کا "قومی وطن" بنانے کی بجائے ان کی "قومی ریاست" قائم کر دیں۔

فروری ۱۹۴۷ء میں حکومتِ برطانیہ نے فلسطین کا مسئلہ اقوام متحدہ میں پیش کر دیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ مجلسِ اقوام (لیگ آف نیشنز) نے صہیونیت کی جو خدمت ہمارے سپرد کی تھی، وہ ہم انجام دے چکے ہیں۔ اب آگے کا کام اس آنجہانی مجلسِ اقوام کی نئی جانشین اقوام متحدہ انجام دے۔ اب ملاحظہ کیجئے کہ یہ دوسری مجلس جو جنگِ عظیم کے بعد ۱۹۴۵ء میں عالمی امن و انصاف کے قیام کی علمبردار بن کر اٹھی تھی، اس نے فلسطین میں کیا اور کیسا انصاف قائم کیا!

لیکن اس سے پہلے ایک اہم سوال کا جواب ہمیں معلوم ہونا چاہئے کہ صہیونیت کی تحریک جو تقریباً ستر سال تک خفیہ اور عیاں طریقوں سے پوری دنیا میں اپنے پاؤں پھیلاتی رہی اور ہر موقع پر مسلمانوں کو زک پہنچاتی رہی، اس کی مسلمانانِ عالم نے مزاحمت کیوں نہ کی۔ اگر کی تو کیونکر، اور وہ مؤثر کیوں ثابت نہیں ہوئی۔ صفحات کی قلت کے باعث یہاں صرف مسلمانانِ ہند و پاک کی مزاحمتی کوششوں کے بارے میں مختصر احوال بیان کیا جائے گا۔

دیوارِ گریہ

(طویل نظم کا آخری بند جو جون ۱۹۶۷ء میں تخلیق ہوئی)

—— ابن انشا ——

یا اخی! یا اخی!
رو چکا، اور کاہے کو روتا ہے تُو
تیرے ربّ کا تو فرمان، لاتقنطوا!
کس کی تاریخ ہے بے غم و ابتلا؟
کربلا بھی ترے دین کا مرحلا
جس جگہ دھوپ ہے، اس جگہ چھاؤں ہے
زندگی دھوپ اور چھاؤں کا ناؤں ہے
آ دکھائیں تجھے، تیری دلجوئی کو
دُور مشرق میں احرارِ ہنوئی کو
ان کا دشمن شکستوں سے بے حال ہے
ان کو لڑتے ہوئے بیسواں سال ہے
یہ بھی ملحوظ رکھ، تُو جو دل تنگ ہے
یہ بھی ان کی ہے، وہ بھی تری جنگ ہے
آج دشمن کو گر کامراں جانئے
اس کا اک عارضی امتحاں جانئے
جنگ میں گام دوگام ہٹتے بھی ہیں
آگے بڑھنے کو پیچھے پلٹتے بھی ہیں
آ کہ ان قاتلوں، وحشیوں، مجرموں
غاصبوں، اور ان سب کے آقاؤں کو
وہ جو سونے کے بچھڑوں کی پوجا کریں
سات ساگر کے اُس پار سے جو سدا
تارِ سازش کے بیٹھے ہلایا کریں
ساری دنیا میں آشوب لایا کریں
ان کے اپنے گناہوں کے سنگِ گراں
کر کے زیبِ گلو
آج عقبہ کی کھاڑی میں غرقاب کریں
تا کہ عمان و مکّہ بھی محفوظ ہوں
تا کہ لاہور و ڈھاکا بھی محفوظ ہوں
تا کہ اور اہل دنیا بھی محفوظ ہوں
اور پھر ان کے پسماندگاں کے لئے
ایک دیوارِ گریہ بنائیں کہیں
جس پہ مل کے یہ آنسو بہائیں کہیں

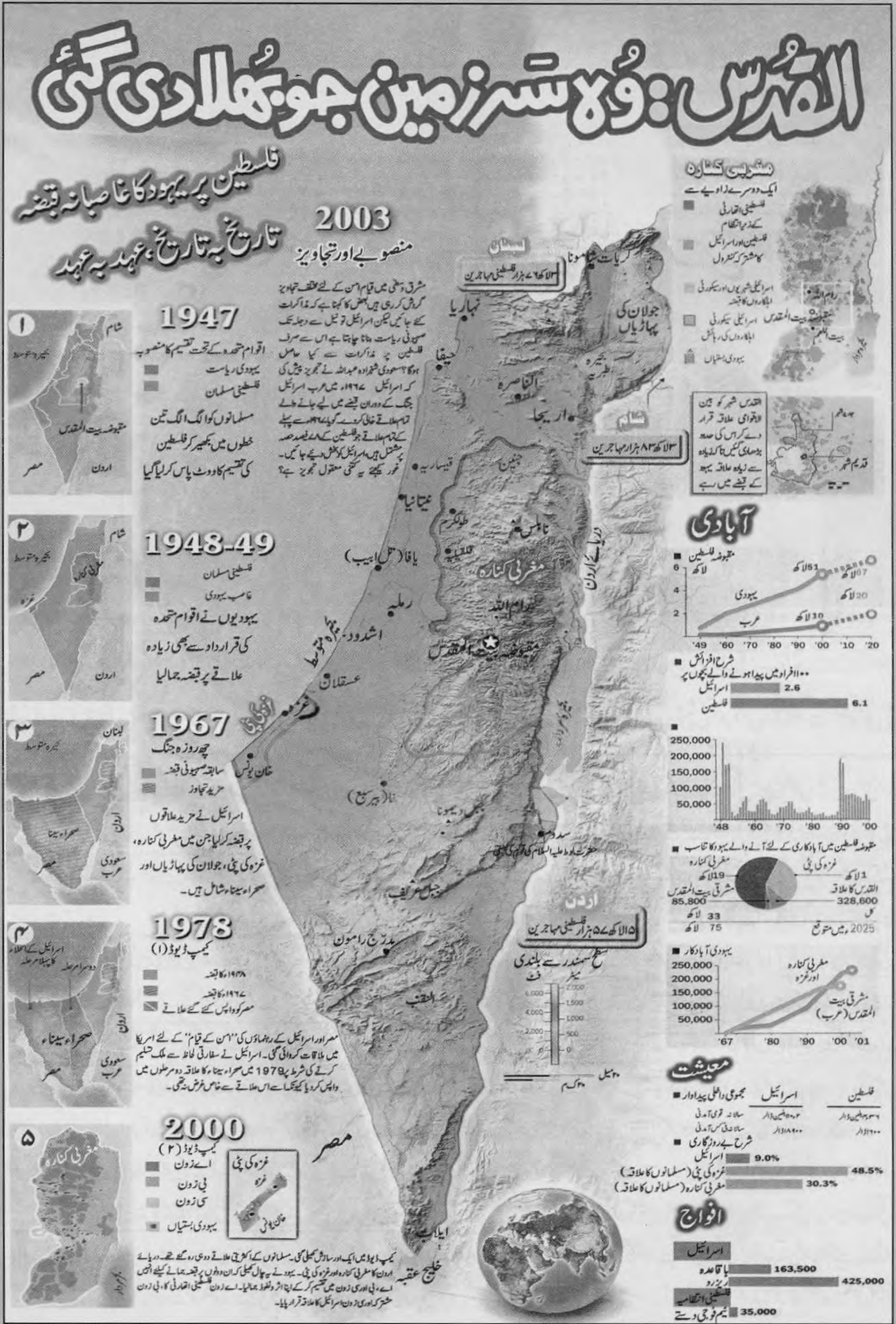

القدس: وہ سرزمین جو بھلا دی گئی
فلسطین پر یہود کا غاصبانہ قبضہ
تاریخ بہ تاریخ، عہد بہ عہد
2003
منصوبے اور تجاویز
مشرق وسطیٰ میں قیام امن کے لئے مختلف تجاویز گردش کر رہی ہیں بعض کا کہنا ہے کہ مذاکرات کئے جائیں لیکن اسرائیل تو نیل سے دجلہ تک صیہونی ریاست بنانا چاہتا ہے اس سے صرف فلسطین پر مذاکرات سے کیا حاصل ہوگا؟ سعودی شہزادہ عبداللہ نے تجویز پیش کی کہ اسرائیل ۱۹۶۷ء میں عرب اسرائیل جنگ کے دوران قبضے میں لیے جانے والے تمام علاقے خالی کردے گویا ۱۹۴۸ء سے پہلے کے تمام علاقے جو فلسطین کے ۷۸ فیصد حصہ پر مشتمل ہیں اسرائیل کو بخش دیئے جائیں۔ غور کیجئے یہ کتنی معقول تجویز ہے؟
1947
اقوام متحدہ کے تحت تقسیم کا منصوبہ
یہودی ریاست
فلسطینی مسلمان
مسلمانوں کو الگ الگ تین خطوں میں بکھیر کر فلسطین کی تقسیم کا ووٹ پاس کرلیا گیا
1948-49
فلسطینی مسلمان
غاصب یہودی
یہودیوں نے اقوام متحدہ کی قرارداد سے بھی زیادہ علاقے پر قبضہ جمالیا
1967
چھ روزہ جنگ
سابقہ صیہونی قبضہ
مزید تجاوز
اسرائیل نے مزید علاقوں پر قبضہ کرلیا جن میں مغربی کنارہ، غزہ کی پٹی، جولان کی پہاڑیاں اور صحراء سینا شامل ہیں۔
1978
کیمپ ڈیوڈ (۱)
۱۹۴۸ء کا قبضہ
۱۹۶۷ء کا قبضہ
مصر کو واپس کیے گئے علاقے
مصر اور اسرائیل کے رہنماؤں کی ''امن کے قیام'' کے لئے امریکا میں ملاقات کروائی گئی۔ اسرائیل نے سفارتی لحاظ سے ملک تسلیم کرنے کی شرط پر 1979 میں صحراء سیناء کا علاقہ دو مرحلوں میں واپس کردیا کیونکہ اسے اس علاقے سے خاص غرض نہ تھی۔
2000
کیمپ ڈیوڈ (۲)
اے زون
بی زون
سی زون
یہودی بستیاں
غزہ کی پٹی
غزہ
خان یونس
کیمپ ڈیوڈ میں ایک اور سازش کھیلی گئی۔ مسلمانوں کے اکثریتی علاقے دو ہی رہ گئے تھے۔ دریائے اردن کا مغربی کنارہ اور غزہ کی پٹی۔ یہود نے یہ چال کھیلی کہ ان دونوں پر قبضہ جمانے کیلئے انہیں اے، بی اور سی زون میں تقسیم کر کے اپنا اثر و نفوذ جمالیا۔ اے زون فلسطینی اتھارٹی کا، بی زون مشترکہ اور سی زون اسرائیل کا علاقہ قرار پایا۔
شام
بحیرہ روم
مقبوضہ بیت المقدس
مصر
اردن
لبنان
سعودی عرب
صحراء سیناء
مغربی کنارہ
لبنان
۳ لاکھ ۶۷ ہزار فلسطینی مہاجرین
کریات شمونا
نہاریا
حیفا
جولان کی پہاڑیاں
بحیرہ طبریہ
الناصرہ
اریحا
شام
۳ لاکھ ۸۳ ہزار مہاجرین
قیساریہ
جنین
نیتانیا
طولکرم
نابلس
قلقیلیہ
یافا (تل ابیب)
مغربی کنارہ
دریائے اردن
رملہ
رام اللہ
اشدود
بحیرہ روم
مقبوضہ بیت المقدس
عسقلان
غزہ
خان یونس
نا (بیر سبع)
دیمونا
سدوم
حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی جگہ
جبل شریف
اردن
۱۵ لاکھ ۵۷ ہزار فلسطینی مہاجرین
مدرج رامون
سطح سمندر سے بلندی
فٹ
میٹر
النقب
مصر
ایلات
خلیج عقبہ
مغربی کنارہ
ایک دوسرے زاویے سے
فلسطینی اتھارٹی کے زیر انتظام
فلسطین اور اسرائیل کا مشترکہ کنٹرول
اسرائیلی شہریوں اور سیکورٹی اہلکاروں کا قبضہ
اسرائیلی سیکورٹی اہلکاروں کی رہائش
یہودی بستیاں
رام اللہ
مقبوضہ بیت المقدس
بیت اللحم
القدس شہر کو بین الاقوامی علاقہ قرار دے کر اس کی حدود بڑھادی گئیں تاکہ زیادہ سے زیادہ علاقہ یہود کے قبضے میں رہے
قدیم شہر
آبادی
مقبوضہ فلسطین
لاکھ
51 لاکھ
یہودی
عرب
10 لاکھ
'49 '60 '70 '80 '90 '00 '10 '20
شرح افزائش
۱۰۰ افراد میں پیدا ہونے والے بچوں پر
اسرائیل 2.6
فلسطین 6.1
250,000
200,000
150,000
100,000
50,000
'48 '60 '70 '80 '90 '00
مقبوضہ فلسطین میں آبادکاری کے لئے آنے والے یہود کا تناسب
مغربی کنارہ
غزہ کی پٹی
19 لاکھ
1 لاکھ
مشرقی بیت المقدس
القدس کا علاقہ
85,800
328,600
کل
33 لاکھ
75 لاکھ
2025ء میں متوقع
یہودی آبادکار
250,000
200,000
150,000
100,000
50,000
مغربی کنارہ اور غزہ
مشرقی بیت المقدس (عرب)
'67 '80 '90 '00 '01
معیشت
مجموعی داخلی پیداوار
اسرائیل
فلسطین
سالانہ قومی آمدنی
سالانہ فی کس آمدنی
شرح بے روزگاری
اسرائیل 9.0%
غزہ کی پٹی (مسلمانوں کا علاقہ) 48.5%
مغربی کنارہ (مسلمانوں کا علاقہ) 30.3%
افواج
اسرائیل
باقاعدہ 163,500
ریزرو 425,000
فلسطینی انتظامیہ
نیم فوجی دستے 35,000

مسجدِ اقصیٰ روتی ہے... اُمتِ مسلمہ سوتی ہے

بیت المقدس: ثالث الحرمین، قبلۂ اول کے دومختلف مناظر جن میں حرم قدسی کی چار دیواری کے اندر موجود اسلامی آثار وتعمیرات بخوبی دکھائی دے رہی ہیں۔ آج نصف صدی ہونے کو ہے فلسطین سے باہر کی دنیا کے مسلمان مسجد اقصیٰ کی زیارت سے محروم ہیں لہٰذا وہ اپنے اس مقدس مقام سے کماحقہ واقف نہیں جو ایک بہت بڑا المیہ ہے۔ اس بات کے پیش نظر اس اشاعت خصوصی میں حرم قدسی کی حدود میں واقع مشہور آثار کا تعارف دیا جارہا ہے۔ تصویر میں لگائے گئے اعداد کے مطابق ان آثار کی تفصیل کچھ یوں ہے:

۱۔ مسجد کا مرکزی ہال: اسے اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان نے تعمیر کروایا۔ اس کی اندرونی تعمیر انتہائی خوبصورت اور دیدہ زیب ہے۔ اس میں محراب داؤد، محراب زکریا، محراب عمر، محراب معاویہ اور ایوان عزیر جیسے متبرک اور تاریخی مقامات ہیں۔

۲۔ مصلّی مروانی یعنی مروانی جائے نماز: اس سطح میدان کے نیچے موجود تہ خانے میں نماز پڑھنے، اعتکاف کرنے کی وسیع وعریض اور خوبصورت جگہ ہے۔ اسے شیخ رائد صلاح نامی ایک فلسطینی بزرگ نے نئے سرے سے آراستہ ومزین کیا۔ شیخ موصوف ہر جمعہ اپنے ساتھ بہت سے رضا کار نوجوان لے کر آتے ہیں جو بیت المقدس کی صفائی اور آراستگی کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ یہود اسی ہموار میدان میں ہیکل سلیمانی کا سنگ بنیاد رکھنا چاہتے ہیں جسے فلسطینی نوجوان اپنے جسموں کی دیوار بنا کر ناکام بنا دیتے ہیں۔

۳۔ یہاں زیر زمین راستہ ہے جہاں سے سیڑھیاں اتر کر مصلّی مروانی میں داخل ہوتے ہیں۔ اب یہاں سات خوبصورت برآمدے بنا دیئے گئے ہیں۔

۴۔ باب الرحمت اور مقبرۂ رحمت: یہاں مسجد اقصیٰ میں داخل ہونے کا ایک دروازہ ہے جسے باب الرحمت کہتے ہیں۔ یہ دروازہ سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے انتظامی مصلحت کے تحت بند کروادیا تھا۔ اس کے باہر مسلمانوں کا قدیم قبرستان ہے جس میں دو بلند پایہ انصاری صحابہ حضرت عبادہ بن الصامت اور حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہما کی قبریں ہیں جو فتح بیت المقدس کے بعد لوگوں کو اسلام کی تعلیم دینے کے لئے یہاں قیام پذیر ہوئے تھے۔

۵۔ قبۃ الصخرۃ (چٹان والا گنبد): مسلمانوں کی اکثریت صرف اسے مسجد اقصیٰ تصور کرتی ہے حالانکہ یہ غلط فہمی ہے، اس لئے کہ اس چار دیواری میں داخل ہر چیز مسجد اقصیٰ کا جز ہے۔ قبۃ الصخرہ حرم قدسی میں موجود دوسری بہت سی عمارتوں کی طرح ایک عمارت ہے جو اسلامی فن تعمیر کا شاہکار اور دوسری عمارتوں سے زیادہ خوبصورت ہے۔ اس کی تعمیر اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان اور اس کے بیٹے ولید بن عبدالملک کے دور حکومت میں کی گئی۔ ولید بن عبدالملک نے اس غرض کے لئے سات سال تک مصر کی آمدنی کو مختص کر دیا تھا اور مشہور تابعی رجاء بن حیوۃ اور یزید بن سلام کو اس کی تعمیر کا نگران مقرر کیا تھا۔ یہ عمارت اس قدرتی چٹان پر تعمیر کی گئی ہے جو مسجد اقصیٰ کے صحن میں قدیم زمانے سے موجود تھی۔

۶۔ مدرسہ عمریہ: مسجد اقصیٰ کی شمالی سمت میں واقع ہے۔ بیت المقدس کے فاتح اول کے مبارک نام سے منسوب اس جگہ پر یہود نے دھوکہ دہی سے قبضہ کر کے اپنا عبادت خانہ تعمیر کر لیا ہے۔

۷۔ باب السلسلۃ: یہ بازار کی سمت سے مسجد اقصیٰ میں داخل ہونے کا بڑا دروازہ ہے۔

۸۔ دیوار براق: جہاں ایک روایت کے مطابق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد اقصیٰ میں داخلے کے وقت براق کو باندھا تھا۔ یہود یہاں جمع ہو کر اپنی بدبختی پہ روتے دھوتے ہیں اور دیوار کی درزوں میں دعائیہ پرچیاں رکھتے ہیں۔ دیوار کے ساتھ موجود مسلمانوں کے مکان اور مسجد براق کو انہوں نے شہید کر کے اپنی مذہبی رسومات کی ادائیگی کے لئے کھلا صحن بنا لیا ہے۔

۹۔ باب المغاربہ: یہ بھی مسجد اقصیٰ کا ایک مشہور دروازہ ہے جو دیوار براق کے ساتھ واقع ہے۔

۱۰۔ عجائب گھر: یہاں اسلامی عجائب گھر ہے جس میں نادر و نایاب تاریخی اشیاء رکھی گئی ہیں۔

۱۱۔ کلیۃ الدعوۃ واصول الدین: یہاں دینی مدرسہ ہے جو اب اسرائیلی جارحیت کے سبب بند کر دیا گیا ہے۔

۱۲۔ خلفاء بنی امیہ اور امراء کے لئے مسجد کے ہال میں داخل ہونے کا راستہ۔

۱۳۔ یہاں خلفاء بنی امیہ کے تعمیر کردہ مکانات کے آثار دریافت ہوئے ہیں۔ ۱۹۹۵ء میں اسرائیلی وزیراعظم احد بارک نے یہاں سے مسجد کی دیوار تک سیڑھیاں اور راستہ بنایا اور اس کا افتتاح کرنے کے بعد دعویٰ کیا کہ یہ ان کے ہیکل کا راستہ ہوگا۔ شدت پسند یہودی حکومت ہیکل سلیمانی کے آثار کی تلاش کے نام پر یہاں سے سرنگیں کھودتی رہتی ہے تاکہ مسجد اقصیٰ کی صدیوں پرانی تاریخی عمارات بوسیدہ ہو کر شہید ہو جائیں۔

مسجد اقصیٰ اور اس سے ملحقہ علاقہ جسے قرآن حکیم نے بابرکت سرزمین قرار دیا ہے، آج مسلمانوں کے خون سے رنگین ہے۔ یہود کی زیر قیادت اسلام دشمن طاقتیں مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ رہی ہیں۔
امت مسلمہ کو آج پھر صلاح الدین ایوبی جیسی پرعزم شخصیت کا انتظار ہے۔

﴿رَبَّنَا لَا تَجۡعَلۡنَا فِتۡنَةً لِّلۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ۝ وَنَجِّنَا بِرَحۡمَتِكَ مِنَ الۡقَوۡمِ الۡكٰفِرِيۡنَ ۝﴾

''اے ہمارے پروردگار ہمیں ظالموں کے لئے تختہ مشق نہ بنانا اور ہمیں اپنی رحمت سے کافر قوم سے نجات عطا فرما'' آمین

Izhar (Pvt) Limited *INC. 1964*

Engineers and Contractors

Head Office: Al-Hasan, 194-Ferozepur Road, Lahore
Tel: 111-212-111, **Fax:** 042-7565147
Islamabad: 051-111-212-111 **Karachi :** 021-111-212-111

صہیونی تحریک اور مسلمانانِ پاک و ہند

ابھی پہلی جنگ عظیم جاری تھی۔ ''اعلانِ بالفور'' کو جاری و نافذ ہوئے ایک سال ہو رہا تھا۔ اس زمانے میں مسلمانانِ ہند کی غم خوار جو اسلامیانِ عالم کا بھی دم بھرتی تھی' صرف ''آل انڈیا مسلم لیگ'' تھی' جس کے قیام کو بارہ سال ہو رہے تھے۔ ابھی اس جماعت نے مسلمانوں کو اپنی طرف نہیں کھینچا تھا۔ صرف دو ماہ قبل ۳۰ اکتوبر کو ترکی نے ہتھیار ڈال کر بیت المقدس کی چابی انگریزوں کے حوالے کر دی تھی۔ ۳۰ دسمبر ۱۹۱۸ء کو مسلم لیگ کا گیارھواں سالانہ اجلاس شیر بنگال اے کے فضل الحق کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں مولانا حسرت موہانی' حکیم اجمل خان' مولانا ابراہیم سیالکوٹی' مولانا ثناء اللہ امرتسری' مولانا مفتی کفایت اللہ' مولانا عبدالباری' مولانا احمد سعید' مولوی ابوالقاسم' ڈاکٹر سیف الدین کچلو' عبدالرحمن صدیقی' نواب ذوالفقار جنگ کے علاوہ بعض کانگریسی رہنما مثلاً پنڈت مدن موہن مالویہ' مسز اینی بسنت' وجے رگھو چاریا' مسٹر شاستری' مسز سروجنی نائیڈو وغیرہم بھی شریک تھے۔

اس اجلاس میں ''خلافت'' کے مسئلے پر مجلس استقبالیہ کے صدر ڈاکٹر مختار احمد انصاری نے اپنے خطبے میں فرمایا:

''یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ ۱۵۱۷ء میں ترک عثمانی سلطان سلیم الاوّل نے مصر فتح کر کے خلافتِ عباسیہ کے آخری خلیفہ المتوکل الثالث نے' مسلمانوں کی رضامندی سے' تبرکاتِ خلافت (مثلاً آنحضور ﷺ کی تلوار' علم اور عبا) ترکی کے سلطان سلیم اوّل کے سپرد کر کے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ سلطان سلیم خلافتِ عباسیہ کے آخری خلیفہ کو ہمراہ لے کر تبرکاتِ خلافت استنبول لے آیا۔

اس دن سے آج تک خلفائے عثمانیہ کو خلیفۃ المسلمین' سلطان الاسلام اور خادم الحرمین الشریفین کے القابات کا شرف حاصل رہا ہے اور اسلامیانِ عالم انہیں رسول اللہ کا جانشین اور روحانی امام سمجھتے رہے ہیں۔ صرف مکہ اور مدینہ ہی میں نہیں' بلکہ دنیا بھر میں جہاں جہاں مسلمان آباد ہیں' ان کی کامیابی و کامرانی اور فضیلت کے لئے ہر خطبۂ جمعہ میں اور عیدین کے موقع پر اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں مانگی جاتی ہیں۔

شریف برکات آف مکہ بھی سلطان سلیم کے فرمان کے بموجب انہیں خلیفہ تسلیم کرتا ہے اور اس کے حکم سے مساجد میں خطبوں کے دوران خلیفہ عثمانی کا نام لے کر دعا کی جاتی ہے۔ کسی بھی شریف مکہ نے آج تک ترکی کے حکمرانوں کے اختیار و اقتدار پر اعتراض نہیں کیا۔ حتیٰ کہ موجودہ شریف حسین بھی سلطان ترکی کو خلیفۃ المسلمین سمجھتا ہے اور ان کی اطاعت کو تسلیم کرتا ہے۔

لیکن موجودہ جنگ کے دوران میں ذاتی مفادات اور خودغرضانہ خواہشات نے شریف حسین کو ایسا مغلوب کیا کہ خلیفۃ المسلمین کے خلاف بغاوت کا پھریرا لہرانے لگے' حالانکہ وہ علی الاعلان انہیں خلیفۃ المسلمین تسلیم کر چکے ہیں۔ اپنے اس اقدام سے انہوں نے سیاسی اخلاق ہی کی بے حرمتی نہیں کی' بلکہ اسلامی عقائد اور دینی تعلیمات کی رو سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے واضح احکام کی بھی کھلم کھلا خلاف ورزی کی''۔

اس اجلاس میں خلافتِ عثمانیہ اور اسلامیانِ عالم کے حق میں ایک پُرزور قرارداد بھی منظور کی گئی۔ ۱۹۱۸ء سے ۱۹۳۷ء میں رائل کمیشن کی رپورٹ ''تقسیم فلسطین'' آنے تک صہیونی تحریک نے ترقی کے کئی مراحل کامیابی سے طے کر لئے تھے۔ رائل کمیشن کی رپورٹ پر ۳ جولائی ۱۹۳۷ء کو علامہ اقبال نے ایک بیان جاری کیا۔ اس بیان کو علامہ صاحب کی زندگی کے آخری سال کی اہم ترین تحریروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اصل بیان انگریزی میں لکھا گیا تھا' لیکن جلسۂ عام میں غلام رسول خان نے اس کا اردو ترجمہ پڑھ کر سنایا تھا:

میں آپ لوگوں کو اس امر کا یقین دلاتا ہوں کہ عربوں کے ساتھ جو ناانصافی کی گئی ہے' میں اُس کو اُسی شدت کے ساتھ محسوس کرتا ہوں جس شدت سے ہر وہ شخص اسے محسوس کرتا ہے جسے مشرق قریب کے حالات کا تھوڑا بہت علم ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ابھی پانی سر سے نہیں گزرنے پایا اور انگریز قوم کو بیدار کر کے اس بات پر آمادہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ ان وعدوں کو پورا کرے جو اس نے انگلستان کے نام پر عربوں کے ساتھ کئے تھے۔ بہرحال یہ امر کسی حد تک موجب اطمینان ہے کہ برطانوی پارلیمنٹ میں اس موضوع پر حال ہی میں جو بحث ہوئی ہے' اس میں تقسیم فلسطین کے مسئلے کا کوئی حتمی اور دوٹوک فیصلہ نہیں کیا گیا ہے۔ لہٰذا اس موقع سے فائدہ اٹھا کر مسلمانانِ عالم کو چاہئے کہ وہ پوری بلند آہنگی کے ساتھ اعلان کریں کہ برطانیہ کے مدبرین جس عقدے کا حل تلاش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں' اُس کا تعلق صرف فلسطین تک محدود نہیں' بلکہ وہ ایک سرے سے دوسرے سرے تک پورے عالم اسلام کو بری طرح متاثر کر رہا ہے۔

اگر تاریخی پس منظر کو سامنے رکھ کر اس کا مطالعہ کیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ یہ معاملہ خالصتاً اور کلیتاً مسلمانوں کا ہے۔ تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ جب حضرت عمر فاروقؓ بیت المقدس میں تشریف لے گئے تھے۔ اور اس واقعے پر بھی آج تیرہ سو برس کا عرصہ گزر چکا ہے' تو اُن کی تشریف آوری سے مدتوں پہلے یہودیوں کا فلسطین کے ساتھ کوئی تعلق باقی نہیں رہا تھا۔ یہودیوں کو فلسطین سے زبردستی نہیں نکالا گیا تھا' بلکہ جیسا کہ پروفیسر ہاکنگز کی رائے ہے' وہ اپنی خوشی سے دوسرے ممالک میں چلے گئے تھے اور اُن کے صحائف مقدس کا بیشتر حصہ بھی فلسطین سے باہر ہی قلم بند کیا گیا تھا۔ یہ بھی امر واقعہ ہے کہ فلسطین کا سوال بھی عیسائیوں کا مسئلہ نہیں بنا تھا۔ دورِ حاضر کی تاریخی روشنی میں تو راہب پیٹر کا وجود بھی مشتبہ اور غیر یقینی نظر آنے لگا ہے۔ اگر بفرضِ محال یہ مان بھی لیا جائے کہ صلیبی جنگوں کی غرض و غایت یہ تھی کہ فلسطین کو مسیحی مسئلہ بنایا جائے' تو پھر یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ صلاح الدین ایوبی کی فتوحات نے ایسی تمام کوششوں کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا تھا۔ لہٰذا میری نگاہ میں فلسطین کا مسئلہ سراسر اور کلیتاً مسلمانوں کا ہے۔

مشرق قریب کے مسلمانوں کے بارے میں برطانوی شہنشاہیت کے مذموم ارادوں کو جس بری طرح رائل کمیشن نے اپنی رپورٹ میں بے نقاب کیا ہے' اس کی

مثال پہلے کبھی نظر نہیں آئی۔ فلسطین کو یہودیوں کا قومی وطن بنانے کی تجویز تو محض ایک بہانہ ہے۔ اصلیت یہ ہے کہ مسلمانوں کی اس مقدس اور مذہبی سرزمین پر اپنا مستقل تسلط قائم رکھ کر برطانوی شہنشاہیت خود اپنے لئے ایک نیا ٹھکانہ پیدا کر رہی ہے۔ یہ ایک اقدام ایک خطرناک تجربہ ہے اور برطانوی پارلیمنٹ کے ایک رکن نے بھی اس کو خطرناک تجربے ہی سے تعبیر کیا ہے۔ بحر روم میں برطانیہ کو جو مشکلات درپیش ہیں' یہ تجربہ اس کو رفع نہیں کر سکے گا' بلکہ یوں کہنا زیادہ صحیح ہے کہ ان مشکلات کو رفع کرنے کی بجائے یہ تجویز برطانوی شہنشاہیت کے لئے بہت سے نئے مصائب کا پیش خیمہ ثابت ہوگی۔

عربوں کو جس جس طریقے سے تنگ کر کے اپنی ارضِ مقدس (جس پر حضرت عمرؓ کی مسجد قائم ہے) فروخت کرنے پر مجبور کیا گیا ہے' اس میں ایک طرف تو مارشل لاء نافذ کر دینے کی سخت دھمکیاں ہیں اور دوسری طرف عربوں کی قومی فیاضی اور ان کی روایتی مہمان نوازی کے جذبات لطیف کو برانگیختہ کرنے کی بھی کوشش کی گئی ہے۔ یہ طرزِ عمل گویا اس بات کا ثبوت ہے کہ برطانوی تدبر کا اب دیوالیہ نکل چکا ہے۔ یہودیوں کو زرخیز اراضی کی پیش کش کر کے اور عربوں کو پتھریلی بنجر زمین کے ساتھ کچھ نقدی دے کر راضی کرنے کی کوشش قطعاً کسی سیاسی ہوش مندی کا ثبوت نہیں ہے۔ یہ تو ایک ادنیٰ درجے کی حقیر سودا بازی ہے' جو یقیناً اس عظیم الشان قوم کے لئے موجب ننگ اور باعث شرم ہے جس کے نام پر عربوں سے آزادی کا وعدہ کیا گیا تھا' اور یہ وعدہ بھی کیا گیا تھا کہ ان کے درمیان ایک مشترکہ و متحدہ وفاق قائم کر دیا جائے گا۔

میں اس مختصر سے بیان میں رائل کمیشن کی رپورٹ کے تمام پہلوؤں پر تفصیلی بحث کرنے سے معذور ہوں' تاہم یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اسلامی ایشیا کو زمانہ حال کی تاریخ سے بعض بے حد اہم سبق ضرور سیکھنا چاہئیں۔ تجربے نے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح کر دی ہے کہ مشرق قریب کے لوگوں کی سیاسی زندگی کی بقا صرف اس راز میں مضمر ہے کہ ترکوں اور عربوں کا اتحاد جلد از جلد قائم ہو جانا چاہئے۔ مجھے افسوس سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ ترکوں کو عالم اسلام سے جدا کر دینے کی سازشیں بدستور جاری ہیں۔

گاہے گاہے اس قسم کی خبریں بھی سننے میں آ جاتی ہیں کہ ترک اسلام سے منحرف ہو رہے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس سے بڑا جھوٹ شاید ہی کبھی بولا گیا ہوگا۔ اس نوع کے شرارت انگیز اور فتنہ پرور پروپیگنڈے کا شکار بالعموم وہی لوگ ہوتے ہیں جنہوں نے اسلامی فقہ اور اسلامی اصول قانون کے افکار کی تاریخ کا مطالعہ نہیں کیا۔

یہ عرب ہی تھے جن کے مذہبی شعور نے اسلام کو جنم دیا تھا' جس نے آگے چل کر ایشیا کی مختلف قوموں کو متحد و مربوط کرنے میں حیرت انگیز کامیابی حاصل کی تھی۔ اس لئے عربوں کو چاہئے کہ اپنے قومی مسائل پر غور و فکر کرتے وقت عرب ممالک کے بادشاہوں کے مشوروں پر اعتماد نہ کریں' کیونکہ موجودہ حالات میں ان بادشاہوں کی حیثیت ہرگز اس قابل نہیں ہے کہ وہ محض اپنے ایمان و ضمیر کی روشنی میں فلسطین کے متعلق کسی صحیح فیصلے یا کسی صائب نتیجے پر پہنچ سکیں۔

تیسرا سبق یہ ہے کہ آج مسئلہ فلسطین کے بارے میں ایشیا کے تمام آزاد اسلامی ممالک کی حمیت و غیرت کا امتحان ہے' خواہ وہ ممالک عرب ہیں یا غیر عرب۔ منصبِ خلافت کی تنسیخ کے بعد عالم اسلام کے لئے یہ پہلا بین الاقوامی مسئلہ ہے' جس کی نوعیت بیک وقت مذہبی اور سیاسی ہے' اور جس سے نبرد آزما ہونے کے لئے زمانے کی طاقتیں اور تاریخ کے تقاضے آزاد اسلامی ممالک کو پکار رہے ہیں۔

بہت ممکن ہے کہ یہی مسئلہ آگے چل کر ایشیا کے آزاد اسلامی ممالک کو اس اینگلو فرانسیسی ادارے سے جسے غلطی سے ''لیگ آف نیشنز'' کا نام دے دیا گیا ہے' اس قدر بدگمان و برگشتہ کر دے کہ وہ اپنے تحفظ کے لئے اقوام مشرق کی ایک علیحدہ جمعیت قائم کرنے کے امکانات پر غور کرنے کے لئے مجبور ہو جائیں۔''

> تاریخ شاہد ہے کہ جب حضرت عمر فاروقؓ بیت المقدس میں تشریف لے گئے تھے ان کی تشریف آوری سے صدیوں پہلے یہودیوں کا فلسطین سے کوئی تعلق باقی نہیں رہا تھا۔ یہودیوں کو فلسطین سے عمداً نہیں نکالا گیا تھا بلکہ وہ اپنی خوشی سے دوسرے ملکوں میں چلے گئے تھے

۲۰ جولائی ۱۹۳۷ء کو علامہ اقبال نے اسی مضمون کا ایک زوردار خط انگلستان کی نیشنل لیگ کی صدر مس فارکوہرسن کے نام لکھا' جس کے یہ نکات قابل غور ہیں:

> ''نیشنل لیگ کو چاہئے کہ بیک آواز اس ظلم و طغیان کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرے اور برطانوی باشندگان کو سمجھائے کہ عربوں سے ناانصافی نہ کریں' بلکہ ان وعدوں کا ایفاء کریں جو گزشتہ جنگ عظیم میں برطانیہ کے حکمرانوں نے برطانوی عوام کے نام پر عربوں سے کئے تھے۔ حقیقی طاقت کا سرچشمہ ہوش و خرد اور عقل مندی ہے' اور جب طاقت کے نشے میں سرشار ہو کر انسان اپنے حواس کھو بیٹھتا ہے تو تباہی سے ہم کنار ہونے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا ...... فلسطین برطانیہ کی ملکیت نہیں۔ برطانیہ تو محض مجلس اقوام کے انتداب کے تحت فلسطین پر قابض ہے۔ مجلس اقوام دراصل ایک اینگلو فرانسیسی ادارہ ہے جس کا مقصد صرف اسلامی ممالک کے حصے بخرے کر کے انہیں کمزور سے کمزور تر کر دینا ہے۔ فلسطین یہودیوں کا ملک بھی نہیں' کیونکہ یہودی تو عربوں کی آمد سے بہت پہلے اپنی مرضی سے فلسطین چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ یہ امر بھی ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے کہ صیہونی کوئی مذہبی تحریک نہیں۔ صیہونی تحریک کا ڈھونگ اس لئے نہیں کھڑا کیا گیا تھا کہ یہودیوں کے لئے ایک قومی وطن درکار ہے بلکہ اس کی غرض و غایت یہ تھی کہ بحیرۂ روم میں برطانوی سامراج کے لئے ایک نیا اڈہ قائم کیا جائے۔''

آل انڈیا مسلم لیگ کا پچیسواں سالانہ اور تاریخ ساز اجلاس اکتوبر ۱۹۳۷ء میں لکھنو میں منعقد ہوا۔ قائد اعظم نے فلسطین کے سلسلے میں حکومت برطانیہ کی پالیسی پر کڑی تنقید کرتے ہوئے اپنے خطبہ صدارت میں فرمایا:

> ''حکومت برطانیہ نے عربوں کے ساتھ بہت بڑی دغابازی کی ہے۔ حکومت برطانیہ نے جنگ عظیم کے بعد اپنے اعلان میں یہ وعدہ کیا تھا کہ عربوں کو مکمل آزادی عطا کی جائے گی اور ایک متحدہ عرب کنفیڈریشن بنایا جائے گا' لیکن عربوں سے اپنا مطلب حاصل کرنے کے بعد ''اعلان بالفور'' کے ذریعے ان پر انتدابی تسلط جمایا گیا۔ اب برطانیہ فلسطین کو تقسیم کرنا چاہتا ہے۔ اور اگر ''رائل کمیشن'' کی سفارشات پر عمل کیا گیا تو عربوں کے جائز حقوق اور حوصلوں کا بالکل خاتمہ ہو جائے گا۔ لیگ آف نیشنز نے ابھی تک رائل کمیشن کے منصوبے کو منظور نہیں کیا ہے اور خدا کرے' آئندہ بھی منظور نہ کرے۔ اگر برطانیہ اپنے اصلی اعلان اور جنگ عظیم کے بعد کے عہد و پیمان پر قائم نہ رہے گا تو مسلمانانِ ہند کیا' بلکہ ساری دنیا کے مسلمان بالاتفاق حکومتِ برطانیہ کو یہ آگاہ کرتے ہیں کہ وہ خود ہی اپنی قبر کھودے گی۔''

لکھنو کے اس اجلاس میں آل انڈیا مسلم لیگ نے ایک قرارداد بھی منظور کی تھی' جس کا ترجمہ یہ ہے:

> ''مسلمانانِ ہند کی جانب سے آل انڈیا مسلم لیگ اعلان کرتی ہے کہ فلسطین کے رائل کمیشن کی سفارشات اور ان سے متعلق وزیر نوآبادیات نے پارلیمنٹ میں جو بیان دیا ہے' وہ مسلمانوں کے مذہبی

جذبات سے متصادم ومتخالف ہے۔ مسلم لیگ اس کو مدنظر رکھ کر یہ مطالبہ کرتی ہے کہ حکومت اس پالیسی سے فوراً دستبردار ہو جائے ...... آل انڈیا مسلم لیگ حکومت ہند کو اس بات کی طرف متوجہ کرتی ہے کہ وہ لیگ آف نیشنز کی اسمبلی کے ہندوستانی نمائندوں کو ہدایت کرے کہ وہ عربوں کے مذہبی اور شہری حقوق کے تحفظ کے پیش نظر فلسطین سے غیر ملکی اقتدار اٹھائے جانے کا مطالبہ کریں اور ہر اس فیصلے سے الگ تھلگ رہیں جس سے اس اقتدار کی بقا کا احتمال ہو اور جو فلسطینی عربوں کو اس اصولِ حق سے محروم کر دے جس کی رو سے وہ بین الاقوامی معاہدوں کے مطابق اپنے مقاصد اور ضروریات کے لئے بہترین طرزِ حکومت منتخب کرنے کا اختیار رکھتے ہیں ......
اسلامی ممالک کے فرماں رواؤں سے آل انڈیا مسلم لیگ اپیل کرتی ہے کہ وہ اپنا زبردست اثر اور اپنی کوششیں جاری رکھیں کہ ارضِ مقدس پر غیر مسلم تسلط کی پامالی اور عربوں کو اس برطانوی سامراج کی غلامی سے بچائیں جسے یہودیوں کے سرمائے کی مدد حاصل ہے ...... اعلیٰ حضرت مفتی اعظم فلسطین کے زیر قیادت جو اعلیٰ مسلم کونسل اور سپریم عرب کمیٹی قائم ہیں' آل انڈیا مسلم لیگ اُن پر کامل اطمینان اور اعتماد کا اظہار کرتی ہے اور فلسطین کی مقامی حکومتوں کو تنبیہ کرتی ہے کہ اس ظلم واستبداد کی پالیسی کو' جس کی حمایت رائل کمیشن نے بظاہر قیام امن اور انتظام کے لئے لیکن درحقیقت عربوں کے مفادات کو تقسیم فلسطین کے ذریعے نقصان پہنچانے کی غرض سے اختیار کی ہے' جاری رکھ کر مسلمانانِ عالم کے لئے جذبۂ خفگی کو مزید تقویت نہ دیں ...... فلسطین کانفرنس منعقدہ ۲۵ ستمبر ۱۹۳۷ء میں وفد کے جو ارکان نامزد کئے گئے ہیں' آل انڈیا مسلم لیگ ان پر اپنے کامل اعتماد کا اظہار کرتی ہے اور فلسطینی عربوں کے ہر حامی اور دوست سے اپیل کرتی ہے کہ ان کی شکایات رفع کرنے کے لئے متحدہ صدا بلند کریں۔ اگر حکومتِ برطانیہ نے اپنی موجودہ یہود نواز پالیسی کو نہ بدلا تو آل انڈیا مسلم لیگ اسے متنبہ کرتی ہے کہ مسلمانانِ ہند تمام اسلامیانِ عالم کے ساتھ مل کر برطانیہ کو اسلام کا دشمن تصور کریں گے اور اپنے مذہبی عقائد کی بنا پر تمام ضروری کارروائی کرنے پر مجبور ہوں گے۔''

قائداعظم کی تحریک پر ۲۶ اگست ۱۹۳۸ء کو ''یوم فلسطین'' ہندوستان کے ہر شہر اور قصبے میں منایا گیا۔ قاہرہ میں ۷ اکتوبر ۱۹۳۸ء کو مصری کمیٹی کی دعوت پر عرب و مسلم ممالک کی ایک کانگریس منعقد ہوئی' جس میں شرکت کے لئے آل انڈیا مسلم لیگ کی جانب سے پانچ رکنی وفد بھیجا گیا جس میں چودھری خلیق الزماں' عبدالرحمٰن صدیقی اور مولانا مظہرالدین شامل تھے۔ اس وفد نے حکومتِ برطانیہ کے نام ایک طویل میمورینڈم جاری کیا' جس میں حکومتِ برطانیہ سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ عربوں کی آزادی اور مقدس مقامات کے متعلق اپنے وعدے پورے کرے۔ فلسطینیوں میں یہودوں کی بے حد وحساب ''درآمد'' سے مسلمانوں کو یہ شبہ ہو چلا ہے کہ برطانیہ عربوں کی قومی ترقی مسدود کرنا چاہتا ہے۔ ''اعلان بالفور'' میں کوئی ایسی بات نہ تھی' جس سے یہ ظاہر ہو کہ فلسطین میں یہودیوں کی الگ ریاست قائم کی جائے۔ اب انتداب کی مدت میں توسیع کرنے سے مسلمانوں کے دلوں میں موجود شکوک وشبہات زیادہ ہو رہے ہیں۔

سندھ مسلم لیگ کانفرنس منعقدہ ۹/۸ اکتوبر ۱۹۳۸ء بمقام کراچی میں قائداعظم نے اپنے خطبۂ صدارت میں فرمایا: ''برطانیہ سے وہی بازی لے جا سکتا ہے جس میں طاقت وقوت ہے۔'' انہوں نے پٹنہ میں آل انڈیا مسلم لیگ کے چھبیسویں سالانہ اجلاس منعقدہ ۲۶ دسمبر ۱۹۳۸ء میں فلسطینی سرفروشوں کی قربانیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ''فلسطین کے سرفروشوں کو باغی کہا جاتا ہے اور ان کے ساتھ باغیوں جیسا سلوک کیا جاتا ہے' حالانکہ وہ غازی اور شہید ہیں۔ سرمایہ دار یہودیوں کے مفادات کی خاطر عربوں کے ساتھ بے انصافی کی جا رہی ہے۔ ہندوستان کے مسلمان اس معاملے میں خوش نہیں رہ سکتے اور وہ اپنے بھائیوں کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔''

مارچ ۱۹۴۰ء میں لاہور میں منعقدہ آل انڈیا مسلم لیگ کے ستائیسویں سالانہ اجلاس میں قائداعظم نے اپنے خطبہ صدارت میں مسئلہ فلسطین کے بارے میں فرمایا: ''ہمیں بتایا جاتا ہے کہ عربوں کے معقول قومی مطالبات کو پورا کرنے کی مخلصانہ کوششیں کی جا رہی ہیں۔ جناب والا! ہم مخلصانہ کوششوں' سنجیدہ کوششوں' بہترین کوششوں سے ہرگز مطمئن نہیں ہو سکتے۔ ہم چاہتے ہیں کہ حکومت برطانیہ فی الحقیقت اور عملی طور پر فلسطین میں عربوں کے مطالبات کو پورا کرے۔''

اس اجلاس میں جناب عبدالرحمٰن صدیقی نے فلسطین کے بارے میں ایک قرارداد پیش کی' جس میں اس امر پر اظہارِ افسوس کیا گیا کہ ابھی تک فلسطینی عربوں سے کوئی آبرو مندانہ تصفیہ نہیں کیا گیا۔ نیز حکومت برطانیہ کو متنبہ کیا گیا کہ ارض مقدس میں بھاری انگریز فوج کی موجودگی سے ناجائز فائدہ نہ اٹھایا جائے' عربوں کو بلاوجہ مرعوب نہ کیا جائے اور انہیں اطاعت پر مجبور نہ کیا جائے۔

اپریل ۱۹۴۳ء میں دہلی کے مقام پر آل انڈیا مسلم لیگ کے تیسویں سالانہ اجلاس میں نوابزادہ لیاقت علی خان کی تحریک پر مسئلہ فلسطین پر ایک اور قرارداد اتفاق رائے سے منظور کی گئی: ''آل انڈیا مسلم لیگ کا یہ اجلاس امریکا میں نئے صیہونی پروپیگنڈے پر گہری تشویش کا اظہار کرتا ہے جس کے تحت حکومتِ امریکا پر دباؤ ڈالا جا رہا ہے کہ وہ حکومت برطانیہ پر اثر انداز ہو کر اسے مجبور کرے کہ فلسطین میں یہودیوں کے داخلے پر جو پابندیاں عائد ہیں' وہ فوراً ہٹا لی جائیں اور فلسطین کو ایک ''صیہونی ریاست'' بنانے کی مضبوط پالیسی اختیار کرے۔ اس اجلاس کی یہ پختہ رائے ہے کہ نئے صیہونی اقدام کا مقصد فلسطین میں یہودیوں کی اکثریت بنانے کے لئے' جنگ کے نتیجے میں پناہ گزیں ہو جانے والے تمام یہودیوں کو ہنگامی حالت کے تحت اور یورپ میں یہودیوں کے قتل عام کے باعث فلسطین میں مستقل آباد کرنا ہے۔ یہ اجلاس اس نئی صیہونی چال کی سخت مذمت کرتا ہے' کیونکہ یہ عرب اور اسلامی دنیا کے مفادات کے خلاف ہے۔ یہ اقدام ایسے وقت کیا جا رہا ہے جبکہ فلسطین کی اعلیٰ عرب کمیٹی اور مٹھی بھر عرب قوم پرست انتہائی منظم یہود اور ان کے سرمائے کے خلاف بالکل بے بس اور لاچار ہو کر رہ گئے ہیں۔ یہ اجلاس اپنے سابقہ مطالبات کی توثیق کرتے ہوئے مطالبہ کرتا ہے کہ فلسطین و شام کی آزادی کا وعدہ پورا کیا جائے۔ اگر حکومت برطانیہ عربوں کے قومی مفادات کے خلاف کوئی اقدام کرے گی تو اس سے تمام اسلامی دنیا میں غصہ ونفرت کی لہر پیدا ہو گی''۔

ایسی ہی ایک قرارداد آل انڈیا مسلم لیگ کے اکتیسویں سالانہ اجلاس منعقدہ ۱۹۴۳ء' کراچی میں بھی منظور کی گئی۔ ۸ نومبر ۱۹۴۵ء کو قائداعظم نے بمبئی کے ایک

> قائداعظم نے فرمایا: "صدر ٹرومین اور امریکی حکومت [illegible] مجرم ہیں جو اپنی طاقت کے بل پر انصاف کا خون کر رہے ہیں۔ مجرموں کے نام یاد رہ جائے [illegible] گی ... ہم مسلمان عرب بھائیوں کے ساتھ ہیں۔ ہم اس مقدس جنگ میں اپنا سب کچھ قربان کر دیں گے۔ اور [illegible] تمام اسلامی دنیا [illegible] ٹکرا جائے گی اور [illegible] پاش پاش کر دے گی۔"

بڑے جلسہ عام میں تقریر کرتے ہوئے فلسطین کے بارے میں حکومت برطانیہ کی پالیسی پر زبردست تنقید کی۔ قائداعظم نے شاید ہی کبھی اتنی غصہ ور اور غضبناک تقریر کی ہو۔ آپ نے فرمایا: ''فلسطین ایک تاریک اور نازک دور سے گزر رہا ہے۔ جنگ عظیم کے اوائل میں عرب ملکوں سے وعدہ کیا گیا تھا کہ اگر تم ہماری مدد کرو گے تو جنگ کے بعد ان ممالک میں آزاد خود مختار حکومتیں قائم کی جائیں گی۔ ان ممالک کے لوگوں نے اپنا خون بہا کر برطانیہ کی مدد کی۔

چونکہ مسلمانوں کے وعدے کو دنیا کی کوئی طاقت نہیں توڑ سکتی' وہ اپنی جان دے دیتے ہیں مگر الفاظ نہیں دیتے' اس لئے انہوں نے برطانیہ کی مدد کی۔ اور جب برطانیہ نے فتح کا منہ دیکھ لیا تو ان ممالک نے حسب وعدہ آزادی کا مطالبہ کیا' مگر وہ شرمندۂ وفا نہ ہوا۔ عرب ممالک کے حصے بخرے کر دیئے گئے۔ کچھ فرانس کو دے دیئے گئے اور کچھ انگریزوں نے سنبھالے......۱۹۳۸ء میں عربوں سے کہا گیا کہ ہمیں فلسطین میں ان یہودیوں کی کچھ تعداد آباد کر لینے دو جنہیں ہٹلر اور نازیوں نے دھکے دے کر جرمنی سے نکال دیا ہے' اور یہ درخواست ان سرمایہ دار یہودیوں کی وجہ سے تھی جو برطانیہ اور امریکا میں آباد تھے۔ آخر عربوں اور برطانیہ و امریکا میں سمجھوتہ ہو گیا۔ مارچ ۱۹۴۵ء تک یہودیوں کی ایک خاص تعداد کو فلسطین میں آنے کی اجازت دے دی گئی۔ ۳۱ مارچ ۱۹۴۵ء کو اس سمجھوتے کی میعاد ختم ہو گئی۔ لیکن اٹلی و جرمنی پر فتح کے بعد صدر امریکا ٹرومین نے برطانیہ سے کہا کہ سمجھوتے کی میعاد بڑھا دی جائے تاکہ فلسطین میں یہودیوں کا داخلہ بند نہ ہو۔ ادھر امریکا زور دیتا' ادھر یہودی زبردستی فلسطین میں آتے رہے۔ آخر خطرے کے پیش نظر حکومت برطانیہ نے یہودیوں کے داخلے پر تھوڑی سی پابندی لگا دی...... میں نے مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے مفتی اعظم فلسطین کی رہائی کے لئے حکومت برطانیہ کو لکھا۔ جواب ملا کہ وہ باغی ہے' اس لئے آپ کی درخواست قابل عمل نہیں...... میں پوچھتا ہوں' یہودیوں کو آباد کرنے کے لئے فلسطین کا چھوٹا سا علاقہ ہی کیوں منتخب کیا گیا ہے! انہیں امریکا' کینیڈا اور آسٹریلیا میں کیوں آباد نہیں کیا جاتا؟ میں صدر ٹرومین سے پوچھتا ہوں' وہ یہودیوں کو فلسطین ہی میں کیوں آباد کرانا چاہتے ہیں۔ امریکی حکومت کے عربوں سے کئے ہوئے وعدے کہاں گئے۔ شاید انہیں کمزور اور بے بس سمجھ کر دبایا جا رہا ہے۔ مگر ٹرومین کا یہ فعل وعدہ خلافی اور ناانصافی پر مبنی ہے۔ وہ خود اور حکومت امریکہ مجرم ہیں جو اپنی طاقت کے بل پر انصاف کا خون کر رہے ہیں۔ مجرموں کے ناپاک ارادے کبھی پورے نہ ہوں گے۔ ہم مسلمانان ہند اعراب فلسطین کے ساتھ ہیں۔ ہم اس مقدس جنگ میں اپنا مال اور اپنی جانیں قربان کر دیں گے۔ امریکا اور برطانیہ کی حکومتوں کو کان کھول کر سن لینا چاہئے کہ تمام اسلامی دنیا اپنی جانیں دے دے گی ان سے ٹکرا جائے گی اور فرعونی دماغ کو پاش پاش کر دے گی۔''

مرکزی اسمبلی کے الیکشن کے بعد ۱۳ فروری ۱۹۴۶ء کو روزنامہ ''نیویارک ٹائمز'' کے نمائندے کو قائداعظم نے ایک انٹرویو دیا' جس میں فلسطین کے مسئلے کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا: عربوں کی امداد کے لئے مسلمان وہ سب کچھ کر دکھائیں گے جو ان کے بس میں ہوگا۔ اس سلسلے میں مسلمان کبھی کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے' کیونکہ ہم یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ فلسطین مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل جائے۔ جو کچھ ہم سے ہو سکے گا' ہم کر گزریں گے۔ اگر ضرورت ہوئی تو تشدد سے بھی منہ نہیں موڑیں گے۔''

دو ماہ بعد ۷ تا ۹ اپریل ۱۹۴۶ء میں دہلی میں ہندوستان بھر سے مرکزی و صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات میں کامیاب ہونے والے مسلم لیگی ارکان کا ایک کنونشن منعقد ہوا۔ کنونشن کے اختتامی اجلاس کے بعد ۱۰ اپریل کو مسلم لیگ کونسل کا اجلاس ہوا جس میں تین گھنٹے تک فلسطین' انڈونیشیا اور جنوبی افریقہ کے مسائل پر بحث مباحثے کے بعد قراردادیں منظور ہوئیں۔ اس موقع پر مسئلہ فلسطین کا ذکر کرتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا: ''جس دن سے برطانیہ کو فلسطین کا انتداب دیا گیا ہے' یہ ایک تاریک تاریخ بن گئی ہے جو تاریک تر ہوتی جا رہی ہے۔ یہ کس قدر قابل مذمت بات ہے کہ برطانیہ جیسی عظیم طاقت بھی امریکی یہودیوں کے دباؤ میں آ گئی ہے۔''

یکم مئی ۱۹۴۶ء کو اینگلو امریکن کمیٹی کی سفارشات کے متعلق ایک بیان میں قائداعظم نے فرمایا: ''اینگلو امریکن کمیٹی کی سفارشات کا جو خلاصہ اخبارات میں شائع ہوا ہے' اس پڑھ کر میں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ یہ برطانوی وعدہ خلافیوں کی بدترین مثال ہے جس سے میرے دل کو بڑا صدمہ پہنچا ہے۔ اگر ان سفارشات پر عمل کیا گیا تو عرب اور مسلمانان عالم خاموش نہیں بیٹھیں گے''۔

۸ مئی ۱۹۴۶ء کو مصر سے برطانوی فوج کے انخلاء پر شاہ فاروق اور اہل مصر کو مبارک باد دیتے ہوئے فرمایا: ''برطانیہ کو ابھی دو کام اور کرنے ہیں۔ ایک اعراب فلسطین کے قومی مطالبے کو پورا کرنا ہے اور دوسرے ہندوستان کے مسلمانوں کو پاکستان دینا ہے''۔

۳۰ جون ۱۹۴۶ء کو قائداعظم نے فرمایا: ''میں برطانیہ اور امریکا سے مطالبہ کرتا ہوں کہ وہ فلسطین کو اس کی حالت پر چھوڑ دیں اور وہاں یہودیوں کا داخلہ فوراً بند کر دیں' اور ان کو کینیڈا اور آسٹریلیا وغیرہ میں آباد کریں۔ جو یہودی فلسطین میں آباد ہیں' ان کو بھی وہاں سے ہٹا دیا جائے یا پھر یہودیوں اور عربوں کو اپنا جھگڑا آپ چکانے دیا جائے''۔

مسلمانان ہند کی نمائندہ سیاسی جماعت آل انڈیا مسلم لیگ' قائداعظم اور علامہ اقبال کے علاوہ ہندوستان کے دوسرے مشاہیر خصوصاً مولانا محمد علی جوہر' مولانا شوکت علی نے بھی خلافت اور فلسطین کے مسئلے پر سرتوڑ کوششیں کیں۔ ایک دفعہ جب ان کی والدہ بی اماں کو یہ بتایا گیا کہ دونوں بھائیوں (علی برادران) نے یہ قبول کر لیا ہے کہ انہوں نے ہی مسلمانوں کو بغاوت پر ابھارا ہے اور یہ کہ وہ حکومت برطانیہ سے معافی مانگنے پر تیار ہیں' تو بی اماں نے بیٹوں کے نام فوراً ایک خط لکھا کہ ابھی میرے بوڑھے ہاتھوں میں اتنی قوت ضرور باقی ہے کہ تم دونوں کا گلا گھونٹ سکوں' اور اگر تم نے معافی مانگی تو میں واقعی تم دونوں کا گلا گھونٹ دوں گی۔

اسی زمانے میں سہارن پور کے ایک گمنام شاعر منشی نور محمد کی نظم ''صدائے خاتون'' کے یہ بول پورے

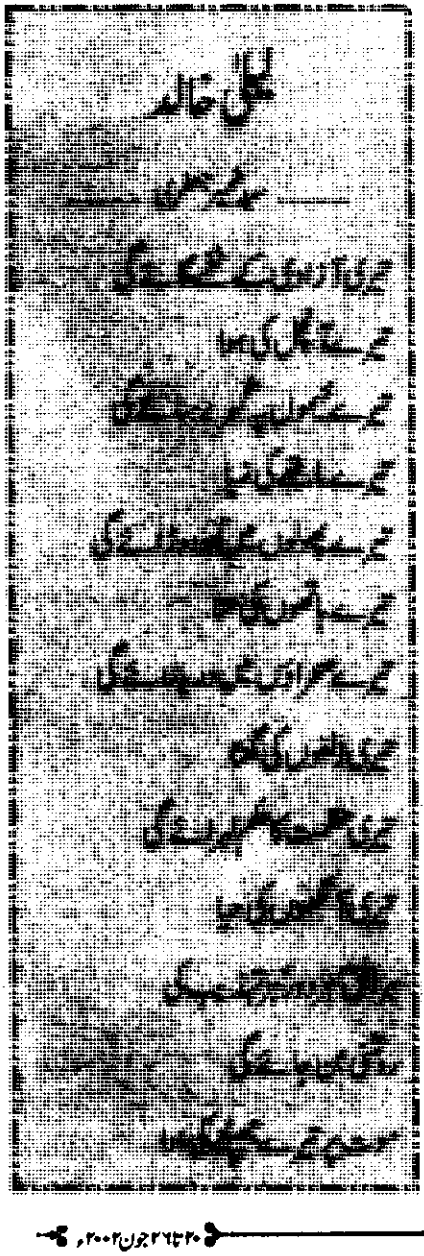

ہندوستان کا نعرہ بن گئے:

بولیں اماں محمد علی کی
جان بیٹا خلافت پہ دے دو
کلمہ پڑھ کر پھانسی پہ چڑھنا
جان بیٹا خلافت پہ دے دو

بی اماں کا بیٹا' تحریک خلافت کا قائد محمد علی ۱۹۳۰ء میں گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے لندن گیا۔ وہاں اس نے انگریزوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا: ''میں اب ایک غلام ملک میں واپس نہیں جاؤں گا۔ میں ایک غیر ملک میں بشرطیکہ وہ آزاد ہو' مرنے کو ترجیح دوں گا۔ اگر آپ ہندوستان کو آزادی نہیں دیں گے تو مجھے یہاں قبر کی جگہ دینی پڑے گی''۔ مولانا کی یہ خواہش پوری ہوئی اور وہ بیت المقدس میں دفن ہیں۔

صرف برعظیم پاک و ہند ہی کے مسلمانوں میں تحریکِ خلافت اور تحریکِ آزادی جیسی تحریکیں نہیں چل رہی تھیں' بلکہ ہر اسلامی ملک میں' جو اس زمانے میں تاج برطانیہ کے ماتحت تھے' صہیونی کے خلاف ایسی ہی تحریکیں زور شور سے جاری تھیں۔ مقامی تحریکوں کے علاوہ تمام اسلامیانِ عالم کو یکجا کرنے کی ایک بڑی تحریک بھی زور پکڑ گئی تھی جو ''پان اسلامیت'' کی تحریک کہلاتی ہے۔ اس کے قائد اوّل مولانا جمال الدین افغانی تھے۔ ان کی کوششوں سے ایران' ترکی' مصر' ہندو پاک اور دوسرے اسلامی ممالک میں اسلامی نشاۃ ثانیہ اور احیاء وتجدید کی تحریک نے ایک عالم گیر صورت اختیار کر لی۔ خصوصاً دانشوروں نے مولانا افغانی کی تحریک سے اثر قبول کیا جن میں علامہ اقبال' شیخ محمد عبدہٗ اور علی شریعتی جیسے مشاہیر شامل ہیں۔ پان اسلامیت کی تحریک نے بھی صہیونی کی تحریک کے خلاف ایک بند باندھنے کا شعور دیا۔ اس تحریک کے زیر اثر عربوں کو اپنی تنظیم بنانے کی ضرورت محسوس ہوئی جو دوسری جنگ عظیم کے اواخر میں ''عرب لیگ'' کے نام سے قائم ہوئی۔

جون ۱۹۶۷ء میں جب یہودیوں نے مسجد الاقصیٰ کو نذرِ آتش کیا تو پان اسلامیت کی چنگاری جو غفلت کی راکھ میں دبی ہوئی تھی' پھر سے شعلۂ جوالہ بنی اور اسلامی کانفرنس تنظیم (او آئی سی) کی شکل میں اسلامی ممالک کا ایک بڑا سیاسی ادارہ بن گیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس تنظیم نے اب تک کوئی نظر آنے والا کام نہیں کیا' سوائے اس کے کہ اسلامیانِ عالم کے لئے ایک مشترکہ ومتحدہ پلیٹ فارم ضرور مہیا کیا ہے' جہاں سے ان کے مفادات کے خلاف ہونے واقعات پر صدائے احتجاج ضرور بلند کی جاسکتی ہے۔

تنظیم اسلامی کا پیغام
نظام خلافت کا قیام

خیرکم من تعلم القرآن وعلمه (حدیث)

ترجمہ: تم میں سے بہترین وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے

شعبہ سمع و بصر کی تیار کردہ سی ڈیز

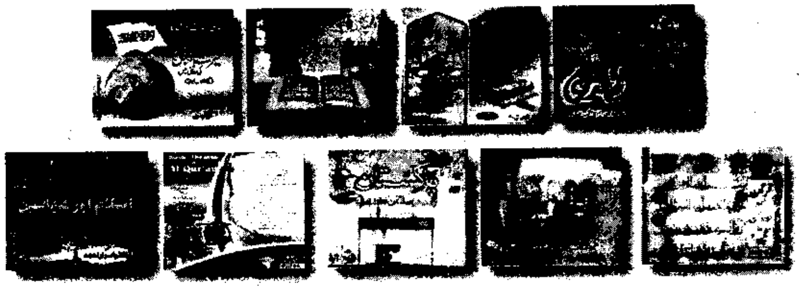

1۔ اسلامی انقلاب کا طریق کار سیرت النبی کی روشنی میں
☆ مقرر: ڈاکٹر اسرار احمد
☆ چھ گھنٹے پر محیط آٹھ لیکچرز کی ویڈیو
☆ Real Media Format میں
New

2۔ بیان القرآن
☆ مدرس: ڈاکٹر اسرار احمد
☆ قرآن مجید کا ترجمہ اور مختصر تشریح دو CDs میں
☆ MP3 FORMAT میں

3۔ خطابات جمعہ (والیم 1 تا 4)
☆ مقرر: ڈاکٹر اسرار احمد
☆ ۱۹۹۸ سے لیکر آج تک 160 خطاباتِ جمعہ کا مجموعہ 4 CD's میں جس میں اہم دینی موضوعات اور حالاتِ حاضرہ پر تبصرہ زیر بحث ہے
☆ MP3 FORMAT میں

4۔ الھدیٰ
☆ مقرر: ڈاکٹر اسرار احمد
☆ قرآن حکیم کے منتخب نصاب پر مشتمل دین کے جامع تصور سے آگاہی اور دینی تقاضوں کا فہم حاصل کرنے کا موثر قرآنی نصاب
☆ MP3 FORMAT میں 44 سلسلہ وار دروس

5۔ اسلام اور خواتین
☆ مقرر: ڈاکٹر اسرار احمد
☆ اہم معاشرتی موضوعات کے بارے میں قرآن وسنت کی راہنمائی پر مشتمل تقاریر جس میں اسلام میں عورت کا مقام، اسلام میں شرو حجاب کے احکام، جہاد میں خواتین کا کردار، قرآن اور پردہ جیسے اہم موضوعات شامل ہیں۔
☆ MP3 FORMAT میں

6۔ Basic Themes of Al Quran
English
☆ مقرر: ڈاکٹر اسرار احمد
☆ ایمان، شرک، جہاد، نفاق اور خلافت کے موضوعات پر تفصیلی لیکچرز بزبانِ انگریزی
☆ MP3 FORMAT میں

7۔ پاکستان فیصلہ کن دوراہے پر
☆ مقرر: ڈاکٹر اسرار احمد
☆ حالاتِ حاضرہ اور ہمارے لئے کرنے کا اصل کام کے سلسلہ میں ایک فکر انگیز خطاب

8۔ AL-HUDA
English
☆ مقرر: ڈاکٹر اسرار احمد
☆ قرآن مجید کے منتخب نصاب پر مشتمل سلسلہ وار تقاریر
☆ MP3 FORMAT میں 2 CDs پر مشتمل

9۔ انٹرنیشنل خلافت کانفرنس (VIDEO)
☆ گذشتہ سال لاہور میں منعقد ہونے والی انٹرنیشنل خلافت کانفرنس کی کاروائی پر مشتمل ویڈیو (تقریباً 9 گھنٹے)
☆ Real Media Format میں

10۔ تلاوتِ قرآن
☆ تاریخ اسلام کے دو مصری قراء کی آواز میں تلاوت قرآن قاری محمد صدیق المنشاوری اور قاری محمود خلیل الحصری
☆ MP3 FORMAT میں

11۔ بیان القرآن -VCD
☆ 1998 میں ریکارڈ شدہ دورہ ترجمہ قرآن کی ویڈیو۔
☆ VCD 108 پر مشتمل
☆ بہترین ویڈیو اور ساؤنڈ کوالٹی کے ساتھ
☆ قرآن مجید کا Text بھی شامل ہے
☆ مقرر: ڈاکٹر اسرار احمد

یہ پروگرام ARY-DIGITAL پر گذشتہ دو سال سے روزانہ دکھایا جا رہا ہے۔

VISIT US AT www.tanzeem.org
One of the biggest Islamic Websites

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور قرآن اکیڈمی ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن، لاہور۔

Tel: (92-42) 5869501-03 Fax: (92-42) 5834000 E-mail: info@tanzeem.org Web: www.tanzeem.org

یہود کی قومی ریاست اسرائیل کا قیام

یہودیوں نے دوسری جنگ کے دوران ہی میں عربوں کے خلاف تشدد کا راستہ اختیار کر لیا تھا۔ انہوں نے ۱۹۲۰ء ہی میں ایک مسلح تنظیم "حگانا" قائم کر دی تھی جس کا سربراہ ڈیوڈ بن گوریان تھا۔ ۱۹۴۴ء میں حگانا ساٹھ ہزار جوانوں کی ایک منظم و مسلح تنظیم بن چکی تھی۔ بعد ازیں اس نیم فوجی تنظیم کو باقاعدہ اسرائیلی فوج میں شامل کر لیا گیا۔ حگانا کے علاوہ دو اور بڑی مسلح تنظیمیں کام کر رہی تھیں۔ ارگن زوائی لیوی جس کا سربراہ مناخم بیگن تھا اور اسٹرن گینگ جس کا رہنما ہرزیک تھا۔ ان تینوں تنظیموں نے قتل و غارت اور دہشت گردی کی مہم شروع کی' بلکہ موقع غنیمت جانتے ہوئے برطانوی فوجیوں اور تنصیبات پر بھی حملے کئے۔ ان کی پرتشدد اور تخریبی کارروائیاں اس حد تک بڑھ چکی تھیں کہ ۱۰/اکتوبر ۱۹۴۴ء کو مشرقِ وسطی میں برطانوی افواج کے کمانڈر انچیف اور حکومت برطانیہ کو ایک مشترکہ بیان جاری کرنا پڑا' جس میں یہودیوں کی خفیہ سرگرمیوں اور تخریبی کارروائیوں کی مذمت کرتے ہوئے انہیں براہِ راست "برطانیہ کی جنگی کارروائیوں" میں رکاوٹ ڈالنے اور "دشمن کی مدد" کرنے کے مترادف قرار دیا گیا۔

یہاں تک کہ برطانیہ کے وزیر اعظم چرچل کو دار العوام میں ۱۷/نومبر ۱۹۴۴ء کو بیان دینا پڑا:

"اگر صہیونیت سے متعلق ہمارے خوابوں کا انجام قاتلوں کے پستول اور ہماری محنت کا اجر نئے نازی گردیوں کی تشکیل ہے' تو مجھ جیسے لوگوں کو صہیونیت سے متعلق اپنی پالیسی پر نظر ثانی کرنا ہو گی' اگر صہیونیت کے لئے کسی پُر امن اور کامیاب مستقبل کی خواہش اور اُمید ہے تو اس قسم کی کارروائیوں کو ختم کرنا اور ان کے ذمہ داروں کو جڑ سے شاخوں تک تباہ کرنا ہو گا"۔

اس کے باوجود حکومت برطانیہ نے یہود کی کسی کارروائی پر عملاً گرفت نہ کی' البتہ کوئی عرب اگر اپنی جان بچانے کے لئے مدافعت کرتا تو اسے گرفتار کر لیا جاتا۔ جنگ ختم ہونے کے بعد یہودی مسلح تنظیم "حگانا" نے خود ہی اس سازش سے پردہ اٹھا دیا۔ اس نے مارچ ۱۹۴۶ء میں اینگلو امریکی انکوائری کمیشن کو ایک یادداشت میں بتایا:

"ہم نے دوسری جنگ عظیم میں ایک اینگلو جیوش فوج منظم کی۔ ہم نے غیر سرکاری نیشنل گارڈ ترتیب دے کر عربوں کی تخریبی کارروائیوں کو کچلا۔ ہم نے برطانوی ہائی کمان کے منصوبے کی تکمیل کے لئے خفیہ کام کیا اور خصوصی خفیہ یونٹ قائم کئے جو باغی عربوں کو ان کی پناہ گاہوں میں تلاش کرتے' اس لئے ہم فلسطین میں اقلیتی حیثیت اور کسی ایسی آزادی پر رضامند نہیں ہوں گے جس سے فلسطین کی ساری دولت پر ہمارا حق تسلیم کر کے فلسطین کو یہودیوں کا قومی وطن نہ بنا دیا جائے۔ ہم عربوں سے بالاتر ہیں اور ان کے ہر حملے اور ہر بغاوت کو کچل سکتے ہیں۔ ہم واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ سرزمین فلسطین سے برطانوی افواج کا انخلا ہمارے مفادات کے منافی ہے۔ فلسطین میں یہودی ریاست کا قیام ہی مسئلے کا بہترین حل ہے"۔

اس کے ساتھ ہی اس "یادداشت" میں فلسطین میں یہودیوں کے غیر مشروط داخلے کا مطالبہ کیا گیا جبکہ برطانیہ کے "قرطاس ابیض" کی رو سے یہودیوں کا داخلہ کسی حد تک مسدود و مشروط کر دیا گیا تھا۔ یاد رہے کہ یہ قرطاس ابیض دوسری جنگ عظیم کے اوائل میں جاری کیا گیا تھا۔ اس کے تحت عربوں سے وعدہ کیا گیا تھا کہ دس سال کے اندر اندر فلسطین میں ایک آزاد حکومت قائم کر دی جائے گی' اور پانچ سال بعد فلسطینی اور برطانوی حکومت کے نمائندے آئندہ سیاسی نظام کا فیصلہ اور آزاد ریاست فلسطین کے لئے آئین تیار کریں گے۔ اس وقت اقوام متحدہ کے ادارۂ مہاجرین و بحالی کا سربراہ سر فریڈرک مارگن اپنی رپورٹ میں واضح کر چکا تھا کہ جن یہودیوں کو بے خانماں اور مجبور ظاہر کر کے فلسطین میں داخل کیا جا رہا ہے' وہ ہرگز بے خانماں نہیں ہیں' بلکہ انہیں مخصوص سیاسی مقاصد کے لئے "بے خانماں" ظاہر کیا جاتا ہے۔ ان کا بحالیات اور انسانی ہمدردی سے دور کا بھی واسطہ نہیں' لیکن اینگلو امریکی انکوائری کمیشن نے فوری طور پر ایک لاکھ یہودیوں کو فلسطین میں داخلے کی اجازت دے دی۔

اینگلو امریکن انکوائری کمیشن کی اس حرکت پر فلسطینی عرب بھپر گئے۔ اشتعال کی اس لہر نے پورے عالم اسلام کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور یہ آنچ برعظیم پاک و ہند تک بھی پہنچی۔ برطانیہ اس "اجازت" کو منسوخ کرنے پر مجبور ہو گیا مگر اس فیصلے پر صہیونی خفیہ تنظیمیں حگانا' ارگن اور اسٹرن آزاد اسرائیل کے ستارے اور پالک کے بکتر بند دستے حرکت میں آ گئے اور فلسطین میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ یہودی ہر طرح منظم و مسلح تھے۔ برطانیہ' امریکا اور اتحادی طاقتیں ان کی پشت پناہی کر رہی تھیں۔ اس کے باوجود غیر منظم اور غیر مسلح عرب ان سے پنجہ آزمائی کرتے رہے۔

دسمبر ۱۹۴۶ء میں ڈاکٹر وائز مین کی صدارت میں سوئٹزر لینڈ میں بائیسویں صہیونی کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس میں بن گوریان کی تجویز پر یہ طے کیا گیا کہ صہیونی جدوجہد اس وقت تک ختم نہیں ہو گی جب تک فلسطین میں "یہودی قومی وطن" نہیں بن جاتا۔ اس مرحلے پر برطانیہ نے اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کی بجائے فروری ۱۹۴۷ء میں فلسطین کا مسئلہ اقوام متحدہ میں پیش کر دیا۔

تقسیم فلسطین کی قرارداد

اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے یہ مسئلہ حل کرنے کے لئے گیارہ رکنی کمیٹی تشکیل کی۔ اس کمیٹی کے قیام کا مقصد فلسطین کے تمام حقائق معلوم کر کے اسمبلی میں ایک مفصل رپورٹ پیش کرنا تھی۔ ارکان کمیٹی کی اکثریت نے فلسطین میں عربوں اور یہودیوں کی دو ریاستوں پر مشتمل ایک وفاق قائم کرنے کی سفارش کی تھی۔ ارکان کی اقلیت' مشتمل بر نمائندگان ایران' ہندوستان اور یوگوسلاویہ نے اپنی علیحدہ رپورٹ میں فلسطین کے لئے ایک وحدانی نظام حکومت قائم کرنے کی سفارش کی۔ علاوہ ازیں دو سب کمیٹیاں بھی تشکیل دی گئیں۔ پہلی کمیٹی میں وہ نمائندے شامل کئے گئے جو تقسیم فلسطین کے حق میں تھے۔ اس کا صدر پولینڈ کا نمائندہ مقرر کیا گیا۔ دوسری سب کمیٹی کی صدارت پاکستان کے وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان کو سونپی گئی۔ اس میں یمن' مصر' شام' لبنان' ترکی' افغانستان اور پاکستان کے نمائندے

شامل تھے۔ اس سب کمیٹی نے جو رپورٹ پیش کی' اس کے تین حصے تھے۔ پہلے حصے میں جنرل اسمبلی سے سفارش کی گئی کہ وہ مندرجہ ذیل امور کے بارے میں بین الاقوامی عدالت انصاف کا مشورہ طلب کرے:

۱) کیا فلسطین بھی ان ممالک کے زمرے میں نہیں آتا جن کو پہلی جنگ عظیم کے بعد آزادی اور خودمختاری دینا تھی' اور اگر فلسطین بھی ان ممالک میں شامل ہوتا ہے تو اسے آزاد و خودمختار قرار دینے میں کون سا عنصر مانع تھا؟

۲) عرب ممالک سے برطانیہ اور فرانس کے مواعید آزادی کے پیش نظر کیا ''اعلان بالفور'' کوئی وقعت رکھتا ہے؟

۳) سابقہ لیگ آف نیشنز نے فلسطین پر برطانوی انتداب قائم کیا تھا۔ اس ادارے کے خاتمے کے بعد کیا انتداب ختم نہیں ہو جاتا؟

۴) کیا اقوام متحدہ کو فلسطینی عوام کے استصواب رائے کے بغیر فلسطین کو تقسیم کرنے کا کوئی حق حاصل ہے؟

اس کمیٹی کی رپورٹ میں دوسرے حصے میں یہودی پناہ گزینوں کے مسئلے کا بھی جائزہ لیا گیا تھا کہ فلسطین میں پہلے ہی یہودیوں کی تعداد ''مقررہ تعداد'' سے زیادہ ہو گئی ہے۔ آیا زائد یہودیوں کی فلسطین سے نکال دیا جائے یا ان ممالک میں آباد کر دیا جائے جو اقوام متحدہ کے رکن ہیں۔ رپورٹ کے تیسرے حصے میں فلسطین کے لئے وحدانی ریاست کے قیام اور اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کی سفارش کی گئی تھی۔ ۲۹ر نومبر ۱۹۴۷ء کو جنرل اسمبلی نے رائے شماری کر کے فلسطین کو یہودی اور فلسطینی دو ریاستوں میں تقسیم کرنے کا فیصلہ کیا۔ یروشلم کو بین الاقوامی علاقہ (خصوصی شہر) قرار دیا گیا۔

یہ فیصلہ کس طرح ہوا؟ اس کے حق میں ۳۳ ووٹ اور اس کے خلاف ۱۳ ووٹ تھے۔ دس ملکوں نے کوئی ووٹ نہیں دیا۔ یہ کم سے کم اکثریت تھی جس سے جنرل اسمبلی میں کوئی قرارداد پاس ہو سکتی تھی۔ چند روز پہلے تک اس تجویز کے حق میں اتنی اکثریت بھی نہ تھی۔ صرف ۳۰ ممالک اس کے حق میں تھے۔ آخر کار امریکہ نے غیر معمولی دباؤ ڈال کر ہائیٹی' فلپائن اور لائبیریا کو مجبور کر کے اس کی تائید کرائی۔ یہ بات خود امریکن کانگریس کے ریکارڈ پر موجود ہے کہ یہ تین ووٹ زبردستی حاصل کئے گئے تھے۔ تقسیم کے حق میں رائے شماری کو دو مرتبہ ملتوی کرایا گیا اور آخر امریکہ' روس اور دوسری بڑی طاقتیں اپنے زبردست دباؤ کے بعد اسے پاس کرانے میں کامیاب ہو سکیں۔

اس غیر قانونی اور غیر اخلاقی فیصلے کی رو سے ''عالمی ضمیر'' کے بین الاقوامی ادارے نے ''فراخ دلی'' کا ثبوت دیتے ہوئے فلسطین کا ۵۵ فیصد رقبہ ۳۳ فیصد یہودی آبادی کو اور ۴۵ فیصد رقبہ ۶۷ فیصد عرب آبادی کو دیا' حالانکہ اس وقت تک فلسطین کی زمین کا صرف ۶ فیصد یہودیوں کے قبضے میں آیا تھا۔ یہ تھا اقوام متحدہ کا انصاف!

اقوام متحدہ کے اس فیصلے کے مطابق فلسطین کا ساحلی علاقہ اور بحیرۂ مردار کا سارا جنوبی علاقہ (تاکہ یہودیوں کو عقبہ کی راہ مل جائے) یہودی ریاست میں شامل کیا گیا۔ یہودی ریاست فلسطین کے دس اضلاع پر مشتمل تھی' جن میں آبادی کے لحاظ سے نو میں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ صرف یافہ کے علاقے میں تل ابیب کی شہری آبادی کی بنا پر یہود

بنتِ اقصیٰ

محمود شام

بنتِ اقصیٰ! اپنی آنکھوں ہم نے دیکھا ہے دھواں
وہ دھواں' جس سے گریں لاکھوں دلوں پہ بجلیاں
ہم نے دیکھا ہے وہ منظر' حشر سے جو کم نہیں
قبلۂ اول! ملے گی اب کہاں ہم کو اماں
گردنیں خم ہیں ہماری' تجھ سے ہم شرمندہ ہیں
جل رہے ہیں یہ در و دیوار اور ہم زندہ ہیں
ہم اسیرِ مصلحت ہیں' ہم قتیلِ گرم و سرد
خودفریبی کی مثالیں' ہم سے ہی پائندہ ہیں
ہم اگرچہ ہیں روایاتِ سلف کے وعدہ دار
بنتِ اقصیٰ! پھر بھی تجھ پہ ہم یہ کر دیں آشکار
ہم صلاح الدین نہیں ہیں' ابنِ قاسم بھی نہیں
کیوں چلے آئیں تری آواز پہ دیوانہ وار
ہم ہیں سیٹو کے گرفتار اور سنٹو کے اسیر
ہم ہی اب اس کا ہدف ہیں' ہم ہیں جس ترکش کے تیر
ہم ہی ان ہاتھوں کو اب تک قوتیں بخشا کیے
بڑھ کے اب جو ہو گئے ہیں اپنے ہی دامان گیر
ایک ہی دشمن ہے اپنا' صورتیں اس کی ہزار
ہم ہی ہیں اس کے رفیق اور ہم ہی ہیں اس کے شکار
وہ ہے اپنا دوست بھی اور آستیں کا سانپ بھی
ہوشیار اے ایشیا و افریقہ ہوشیار

اکثریت میں تھے‘ جبکہ نابلس‘ جینن اور رام اللہ کے علاقوں میں سو فیصد رقبہ عربوں کا تھا‘ اور حمرون‘ غزہ‘ بیئر سبع اور عکرہ میں بھی یہود کا رقبہ برائے نام تھا۔ تقسیم میں اس بات کا خاص اہتمام کیا گیا تھا کہ تمام یہودی رقبہ اور یہودی آبادی کی اکثریت ''یہودی ریاست'' میں آ جائے‘ جبکہ ''عرب ریاست'' میں‘ جو مجموعی فلسطین کے ۴۵ فیصد رقبے پر تجویز کی گئی تھی‘ یہود کا کوئی رقبہ نہیں آیا اور سات لاکھ ۳۵ ہزار کی آبادی میں یہود بمشکل دس ہزار تھے۔ اس کے برعکس یہودی ریاست میں پچاس فیصد عرب تھے۔ تقسیم کے مطابق بیت المقدس‘ بیت اللحم اور مضافات کو جو مجموعی رقبے کے اعشاریہ ۶۵ فیصد پر مشتمل تھے ''انٹرنیشنل زون'' قرار دیا گیا تھا۔ اس میں عربوں کی آبادی ساڑھے دس ہزار اور یہودیوں کی تعداد دس ہزار تھی۔

تقسیم کی تجویز پر جن حربوں سے عمل کرایا گیا‘ اس کے بارے میں جیمز فورسٹائل اپنی ڈائری میں لکھتا ہے:

> ''اس معاملے میں دوسری قوموں پر دباؤ ڈالنے اور ان کو ووٹ دینے پر مجبور کرنے کے لئے جو طریقے استعمال کئے گئے‘ وہ شرمناک کارروائی کی حد تک پہنچے ہوئے تھے''۔

اس سلسلے میں امریکہ نے جو کردار ادا کیا‘ اس پر امریکہ کا سنجیدہ حلقہ چیخ اٹھا۔ ایک یہودی مصنف للنتھال تڑپ اٹھا۔ وہ لکھتا ہے:

> ''اقوام متحدہ میں مسئلہ فلسطین پر رائے شماری سے ایک ہفتہ قبل ڈاکٹر وائز مین نے صدر ٹرومین سے ملاقات کی‘ تاکہ صیہونی محاذ کو مزید تقویت پہنچانے کے لئے راستہ ہموار کیا جائے۔ چنانچہ اس نے اس ملاقات کے دوران میں صدر ٹرومین سے یہ حتمی وعدہ حاصل کیا کہ خلیج عقبہ کو‘ جو بحیرۂ ہند کے لئے ایک دروازے کی حیثیت رکھتا ہے‘ کاٹ کر جدا نہیں کیا جائے گا۔ درحقیقت بہت پہلے وہائٹ ہاؤس اور صیہونی ایجنسی میں مسلسل رابطہ قائم رکھنے کا پورا اہتمام کر لیا گیا تھا۔ رابطے کا کام انجام دینے والے صدر ٹرومین کے ذاتی دوست اور سابق کاروباری شریک کار ڈیوڈ نائکس اور ایڈورڈ جیکسن پرانے صیہونی سیاست دان تھے جن کے لئے ڈاکٹر وائز مین بھی سراپا شکرگزار تھے۔ اقوام متحدہ میں اس وقت جبکہ امریکی سفیر جنرل بلڈاگ ڈاکٹر وائز مین کو خلیج عقبہ کے متعلق اس کی منشا کے مطابق خوشخبری سنانے والے تھے‘ ٹیلیفون کی گھنٹی بجی اور صدر امریکہ کی آواز سنائی دی‘ جو امریکی نمائندے کو یہ ہدایت دے رہے تھے کہ خلیج عقبہ کا فیصلہ بالکل اسی طرح کیا جائے جس طرح ڈاکٹر وائز مین چاہتے ہیں......
> افسوس‘ اقوام متحدہ نے مسئلہ فلسطین پر عجلت سے کام لیتے ہوئے عالمی قوانین اور بین الاقوامی ادارے کے وقار کو سخت صدمہ پہنچایا ہے''۔

امریکہ نے اس کھیل میں جو کردار ادا کیا‘ اس پر امریکی کانگریس میں لارنس ایچ سمتھ نے اپنی تقریر میں کہا:

> ''آیئے‘ ہم ذرا یہ دیکھیں کہ اقوام متحدہ میں کیا ہوا؟ تقسیم کی قرارداد کو منظور کرانے کے لئے دو تہائی ووٹوں کی ضرورت تھی۔ دو مرتبہ یہ مرحلہ آیا‘ لیکن دونوں مرتبہ اسے ملتوی کر دیا گیا‘ کیونکہ اس کے دونوں محرکوں یعنی امریکہ اور روس کو اس کی کامیابی کا یقین نہ تھا۔ دریں اثنا امریکہ کی طرف سے ''واشنگٹن میں اعلیٰ سطح'' پر ان تین چھوٹی اقوام پر زبردست دباؤ ڈالا گیا‘ اور ۲۹ نومبر کو کیا ہوا؟ تقسیم کے حق میں تین فیصلہ کن ووٹ ہائیٹی‘ فلپائن اور لائبیریا کے تھے۔ ان تین ووٹوں نے دو تہائی اکثریت کو ممکن بنا دیا۔ اس سے قبل یہ تینوں ملک اس کے خلاف تھے''۔

شکاگو کے اخبار ''ڈیلی ٹریبیون'' میں کالم نگار ڈریو پیرسن نے لکھا:

> ''اس کی حمایت میں ووٹ حاصل کرنے کے لئے کئی لوگوں نے اپنا اثر و رسوخ اور دباؤ استعمال کیا۔ لائبیریا میں ربڑ کے باغات کے مالک ہاروے فائر سٹون نے لائبیریا کی حکومت کو مجبور کر دیا۔ اڈولف بیرل نے‘ جو صدر ہائیٹی کے مشیر ہیں‘ ہیٹی کا ووٹ دلوایا اور بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ وہائٹ ہاؤس میں کیا ہوا۔ صدر ٹرومین نے قائم مقام وزیر خارجہ لووٹ کو بدھ اور پھر جمعہ کے دن وارننگ دی کہ اگر امریکہ کے روایتی ساتھیوں نے اس مسئلے پر امریکہ کا ساتھ نہ دیا تو وزیر خارجہ سے جواب طلبی کی جائے گی''۔

امریکہ کے نائب وزیر خارجہ سمز ویلز نے تائید کی:

> ''وہائٹ ہاؤس نے ان ووٹوں کے لئے براہ راست یا بالواسطہ دباؤ ڈالا اور ہر ہتھکنڈا اختیار کیا''۔

پھر وہی ہوا جو یہود چاہتے تھے۔ کیوں نہ ہوتا! نیویارک کا ایک وکیل اپنی کتاب ''یہودی دنیا پر حکمران ہیں'' میں لکھتا ہے:

> ''اقوام متحدہ بجائے خود یہود کی وہ عالمی حکومت ہے جس کا خواب یہود کے عظیم رہنماؤں نے ''پروٹوکول'' میں دیکھا تھا''۔
> (''پروٹوکول'' کیا ہیں؟ ان کا تعارف ''ندائے خلافت'' کے اس ''فلسطین نمبر'' کے آخر میں بطور ضمیمہ شامل ہیں...... مدیر)

تقسیم فلسطین کی قرارداد (نمبر ۱۱۸) کا اعلان ہوتے ہی مسلح یہودیوں نے مسلمانوں کا قتل عام وسیع پیمانے پر شروع کر دیا۔ وہ جلد از جلد زیادہ سے زیادہ علاقے پر قابض ہونا چاہتے تھے۔ تاریخ کے مشہور پروفیسر‘ ڈاکٹر آرنلڈ ٹائن بی اپنی کتاب ''مطالعۂ تاریخ'' میں لکھتا ہے کہ ''مسلمانوں پر یہودیوں کے مظالم کسی طرح بھی ان مظالم سے کم نہ تھے جو نازیوں نے خود یہودیوں پر کئے تھے''۔ اس نے قصبہ دیریاسین میں ۹/اپریل ۱۹۴۸ء کے قتل عام کا خاص طور پر ذکر کیا ہے جس میں ۲۵۴ عرب عورتوں‘ بچوں اور مردوں کو بے دریغ موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ عرب عورتوں اور لڑکیوں کا برہنہ جلوس سڑکوں پر نکالا گیا اور یہودی موٹروں پر لاؤڈ سپیکر لگا کر جگہ جگہ یہ اعلان کرتے پھرے کہ ''ہم نے دیریاسین کی عرب آبادی کے ساتھ یہ اور یہ کیا ہے۔ اگر تم نہیں چاہتے کہ تمہارے ساتھ بھی یہی کچھ ہو تو یہاں سے نکل جاؤ''۔

ابھی سلامتی کونسل میں اقوام متحدہ کی خصوصی کمیٹی کی رپورٹ زیر بحث تھی‘ جس میں تقسیم فلسطین کو ناقابلِ عمل قرار دیا گیا تھا‘ ۱۴/مئی ۱۹۴۸ء کو برطانیہ نے رات کے چھ بجے فلسطین کے انتداب سے دستکش ہونے کا اعلان کر دیا۔ چھ بج کر ایک منٹ پر یہودیوں نے تل ابیب میں ریاست اسرائیل اور اس کی حکومت کے قیام کا اعلان کر دیا۔ دس منٹ کے بعد امریکہ اور پندرہ منٹ کے بعد روس نے اسے تسلیم کر لیا‘ حالانکہ اس وقت تک اقوام متحدہ نے یہودیوں کو فلسطین میں اپنی قومی ریاست قائم کرنے کا مجاز نہ کیا تھا۔ اس اعلان کے وقت تک چھ لاکھ سے زیادہ عرب بے گھر ہو چکے تھے۔ اسرائیل اقوام متحدہ کی قرارداد کے بالکل خلاف بیت المقدس کے آدھے سے زیادہ حصے پر قابض ہو چکا تھا‘ اور اس نے ''عرب ریاست'' میں قرزاز‘ سلامہ‘ سارس‘ بیار اور عمواس کے دیہات پر قبضہ کر لیا تھا۔ عرب باشندے پناہ گزین بننے پر مجبور ہوئے۔ ان کے لئے یہ ''النکبۃ'' کا سال تھا۔ ڈاکٹر وائز مین کو اسرائیل کا پہلا صدر اور ڈیوڈ بن گوریان کو اسرائیل کا پہلا وزیراعظم مامور کیا گیا۔

1948ء کی جنگ

یہودیوں کی جنگی تیاریاں تو ۲۰/نومبر ۱۹۴۷ء (اقوام متحدہ کی قراردادِ تقسیم) کے فوراً بعد شروع ہو گئی تھیں۔ سترہ سے پچیس سال کی عمر کے تمام یہودیوں کو فوجی خدمات کے لئے اپنے نام درج کرانے کی ہدایت کی گئی۔ ۵/دسمبر ۱۹۴۷ء کو صیہونی لیڈر بن گوریان نے ''فوری ایکشن'' کا حکم جاری کیا جس کے تحت یہودی آبادیوں کو ان تین علاقوں میں پھیل جانے کو کہا گیا جو اقوام متحدہ نے ''عرب ریاست'' کے لئے مختص کئے تھے۔ دسمبر کے وسط تک عربوں کے خلاف ایک باقاعدہ فوجی ایکشن شروع ہو گیا۔ اس فوجی پلان کو ''جمل'' کا نام دیا گیا۔ اس کا مقصد وقت حاصل کرنا تھا‘ تاکہ یہودی فوج کو متحرک کر کے وہ اہم چوکیاں قبضے میں کر لی جائیں جو انگریز خالی کر کے جا رہے تھے اور دوسرا مقصد عرب آبادی کو تشدد کر کے مطیع بنانا تھا۔

۱۹/دسمبر کو بن گوریان نے حکم دیا کہ یہودی دستوں کو پوری قوت سے حملہ کرنا چاہئے۔ ''ہر حملے میں فیصلہ کن

ضرب لگائی جائے جس سے گھر تباہ ہوں اور لوگ بے خانماں ہو جائیں''۔

اوائل مارچ ۱۹۴۸ء میں یہودی اپنے پلان دالت (Dalet) پر عمل کر رہے تھے' جس کا مقصد کُلّی' تل ابیب اور یروشلم کے درمیان واقع علاقے پر قبضہ کرنا تھا جو ''قرارداد تقسیم'' کی رو سے ''عرب ریاست'' کا حصہ ہوتا۔ گویا ''ریاست اسرائیل'' کے باضابطہ قیام سے تین ماہ پہلے (۱۵ مئی) تک یہودی اقوام متحدہ کی طے شدہ حدود سے تجاوز کر کے فلسطین کا معتدبہ حصہ فتح کر چکا تھا۔

اس کے برعکس عرب کمانڈر پہلی مرتبہ ۳۰ اپریل ۱۹۴۸ء کو اکٹھے ہوئے اور انہوں نے سوچا کہ فوجی مداخلت کا کیا طریقہ ہونا چاہئے۔ ایک اسرائیلی مورخ نے لکھا ہے کہ ''عرب لیڈر انتہائی مایوسی کی حالت میں ایک ایسے فارمولے کی تلاش میں تھے جو ان کا بھرم بھی رکھ لے اور فوجی اقدام بھی نہ کرنا پڑے۔''

۱۳ مئی کو امریکی سفیر نے اپنے خفیہ پیغام میں لکھا:

''اس وقت عرب کسی بھی ایسی بات کو مان لیں گے جو ان کا بھرم رکھ لے اور کھلی جنگ نہ ہو''۔

یکم جون ۱۹۴۸ء کو اقوام متحدہ میں اسرائیلی نمائندے نے اعلان کیا کہ اسرائیل کے قیام کے بعد پندرہ روزہ لڑائیوں کے دوران اسرائیل نے اقوام متحدہ کی مقررہ حدود کے ماوراء ۴۰۰ مربع میل کا زائد علاقہ ہتھیا لیا ہے اور اب اسرائیل کے اندر کوئی لڑائی نہیں ہو رہی اور اب ہمارا ملک اسرائیل ہر قسم کے حملہ آوروں سے محفوظ ہے۔

لیکن دوسری طرف صورت حال یہ تھی کہ پانچ عرب ملکوں (مصر' اردن' شام' لبنان اور عراق) کی مشترکہ فوج نے غزہ پٹی' بیئر سبع' ذوالکرم' نابلس' تل ابیب تک پہنچ گئے۔ یہودیوں کی ناکامی پر امریکہ' برطانیہ اور روس نے اقوام متحدہ کو جنگ بند کرانے پر مجبور کیا۔ عرب لیگ نے ۱۱ جون کو بین الاقوامی رائے عامہ کا احترام کرتے ہوئے عارضی صلح کے طور پر چار ہفتوں کے لئے جنگ بند کر دینے کا فیصلہ کیا۔ یہ عارضی صلح عربوں کے لئے زہر قاتل ثابت ہوئی' کیونکہ ایک تو اس نے عربوں کی فتح کو شکست میں بدل دیا۔ دوسرے یہودی خنجر عربوں کے سینے میں (غالباً) ہمیشہ کے لئے گڑ کر رہ گیا۔

عارضی صلح کے وقت طے پایا تھا کہ باہر سے کوئی یہودی فلسطین میں داخل نہیں ہو گا۔ فریقین اپنے اپنے علاقوں پر قابض رہیں گے۔ باہر سے کوئی اسلحہ آئے گا اور نہ کوئی جنگی اقدام ہی کیا جائے گا۔ لیکن یہودیوں نے تو یہ صلح صرف دم لینے اور تیاری کی تکمیل کے لئے کی تھی۔ انہوں نے اس سے پورا فائدہ اٹھایا اور چیکوسلاویکیہ سے دھڑا دھڑ اسلحہ آنے لگا۔ یہودی مصنف جان کمشے لکھتا ہے:

''یہودی ایجنٹ اسلحے کی خریداری کے لئے پورے یورپ اور امریکہ میں پھیل گئے۔ امریکی یہودیوں نے فراخ دلی سے عطیات دیئے اور تاجروں نے ڈالروں کے عوض اسلحے کی رسد میں کوئی کمی نہ آنے دی۔ چیکوسلاویکیہ اس معاملے میں نہایت مفید اور مددگار ثابت ہوا۔ پیراگ سے فلسطین میں صیہونی ہوائی اڈے عقر تک ہوائی جہازوں سے اسلحہ پہنچنے لگا۔ یہودیوں نے لڑاکا بمبار بھی حاصل کر لئے۔

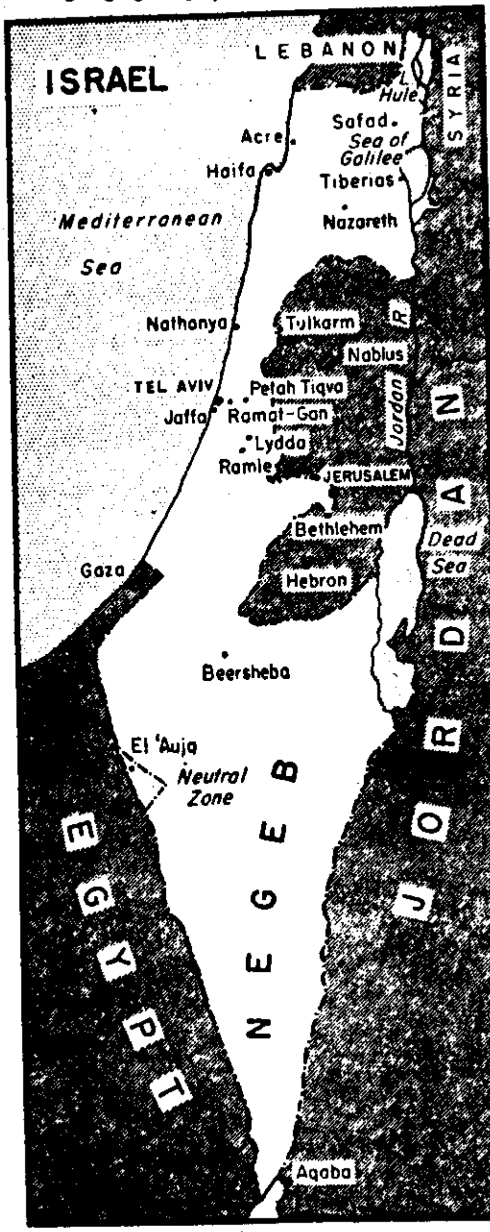

جب عارضی صلح کی مدت ختم ہوئی تو اس وقت تک یہودی فوج کو ایک مختصر لیکن موثر فضائیہ اور ایک چھوٹی لیکن مضبوط اور دلیر بحریہ کی حمایت حاصل تھی''۔

۱۷ ستمبر کو اسرائیلیوں نے اقوام متحدہ کے ثالثی نمائندے کاؤنٹ برناڈوٹ کو قتل کر دیا۔ جنگ عارضی صلح کے بعد پھر چھڑ گئی۔

۱۸ اکتوبر کو اسرائیلی طیاروں نے بیت المقدس پر شدید بمباری کی۔

جنوری ۱۹۴۹ء میں یہود مصر کی حدود میں داخل ہو گئے اور انہوں نے برطانوی بمبار مار گرائے۔ برطانیہ نے معاوضہ طلب کیا تو روس نے یہود کی حمایت کا اعلان کر کے حالات کو مزید ابتر بنا دیا۔ ۳۱ جنوری کو گیارہ ہزار قبرصی یہودی فلسطین میں داخل ہوئے' لیکن جب یہود کو مار پڑنے لگی تو اقوام متحدہ نے پھر مصالحت کا جال پھیلایا اور مارچ ۱۹۴۹ء میں جنگ بندی کرا دی جو عربوں کی سیاسی موت ثابت ہوئی۔ اسرائیل نے تقریباً ۷۸ فیصد علاقے پر قبضہ کر لیا تھا۔ غزہ پٹی کا انتظام مصر نے سنبھال لیا اور مغربی کنارے کا نظم و نسق اردن نے۔ دسمبر تک تقریباً چار لاکھ تیس ہزار عرب ریڈ کراس کے کیمپوں میں رہنے پر مجبور ہو گئے۔ ۱۹۵۰ء تک ان کی تعداد دس لاکھ سے زیادہ ہو گئی۔

۱۹۴۸ء کی جنگ میں اسرائیل کو فوجیوں اور اسلحے میں جس قدر برتری حاصل تھی اس کے باعث کسی کو بھی مصر کو اس بات میں ذرا بھی شک نہ تھا کہ وہ جنگ جیت جائے گا۔ امریکہ کے وزیر خارجہ جارج مارشل نے جنگ شروع ہونے سے ایک دن پہلے ہی تمام امریکی سفارت خانوں کو یہ اطلاع دے دی تھی کہ عرب افواج کمزور ہیں اور اسرائیل کا مقابلہ نہیں کر سکیں گی۔ اسے زیادہ تشویش اس بات پر تھی کہ اگر یہودیوں نے اپنے انتہا پسند گروپوں کے کہنے میں آ کر عربوں کی طرف نفرت انگیز رویہ اپنایا تو پھر جو یہودی ریاست قائم ہو گی وہ مسلسل بیرونی امداد کے بغیر زندہ نہ رہ سکے گی۔

جنگ چھڑنے سے دو دن پہلے یعنی ۱۳ مئی کو مصر میں امریکی سفیر نے اپنی حکومت کو خفیہ رپورٹ بھیجی کہ ''عربوں کو غیر ممالک سے اسلحہ حاصل کرنے میں ناکامی ہوئی ہے اور ان کے حوصلے پست ہیں''۔

اردن کے شاہ عبداللہ نے برابر انتباہ کیا: ''یہودی بے حد طاقتور ہیں، جنگ کرنا ایک بڑی غلطی ہو گی''۔ انگریز جنرل گلب پاشا کا کہنا تھا: ''میں نے اردن کی حکومت کو یہ اطلاع دینے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا کہ شرق اردن کے پاس یہودی ریاست سے جنگ کرنے کے لئے مطلوبہ وسائل میسر نہیں''۔

یہودی لیڈر بن گوریان نے اپنی ذاتی ڈائری میں لکھا ہے: ''۱۹۴۶ء سے لے کر ۱۹۴۷ء تک فلسطین کے مقامی یہودیوں پر مقامی عربوں کی طرف سے شاید ہی کوئی حملہ ہوا ہو۔ لیکن جونہی ۱۹۴۸ء میں جنگ بھڑکی تو دونوں جانب سے دہشت گردی میں اضافہ ہوا، لیکن صہیونی دہشت گردوں کے منظم اور بار بار حملوں کا عربوں کے پاس کوئی توڑ نہ تھا''۔

صہیونی دہشت گردی زیادہ تر دو گروہوں نے برپا کی جن کے نام ارگن اور اسٹرن گینگ تھے۔ ارگن کا سربراہ مناخم بیگن تھا۔ اسی گروپ نے اقوام متحدہ کے خصوصی نمائندے کاؤنٹ برناڈوٹ کو قتل کرایا تھا۔ سٹرن گینگ کے لیڈروں میں ٹیزاق شامیر شامل تھا۔ بیگن اور شامیر دونوں حضرات بعد ازاں باری باری اسرائیل کے وزیر اعظم بنے۔

۷ جنوری ۱۹۴۹ء کو جب اقوام متحدہ نے سیز فائر کرایا تو اس وقت تک آٹھ ہزار مربع میل یعنی فلسطین کے تقریباً ۷۷ فیصد رقبے پر اسرائیل کا قبضہ ہو چکا تھا۔ گلیلی کا جنوبی حصہ، وسطی فلسطین سے یروشلم تک کا وسیع پورا راستہ اور یروشلم کا بڑا حصہ اسرائیل کے قبضے میں آ چکا تھا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ اسرائیل نے اپنے اعلانِ آزادی میں سرحدوں کا ذکر نہیں کیا تھا اور نہ ہی اسرائیل نے آج تک اپنی واضح سرحدوں کی اعلانیہ نشاندہی کی ہے۔

یہ تو ہوئی رقبے کی بات۔ عرب پناہ گزینوں کا معاملہ زیادہ قیامت خیز تھا۔ ۱۹۴۸ء کی جنگ کے نتیجے میں پہلے ریلے میں ساٹھ لاکھ ۲۶ ہزار عرب پناہ گزین ہوئے۔ یہ تعداد فلسطین کی پوری آبادی کا دو تہائی ہے۔ ۱۶ ستمبر کو اقوام متحدہ کے خصوصی نمائندے کاؤنٹ برناڈوٹ نے لکھا:

''یہودی مقبوضہ علاقے سے تقریباً ساری عرب آبادی نکال دی گئی ہے۔ ان میں اکثریت بچوں، لڑکے لڑکیوں، حاملہ عورتوں یا دودھ پلاتی ماؤں کی تھی۔ یہ لوگ بالکل تباہ حال ہیں''۔

۱۷ اکتوبر ۱۹۴۸ء کو اسرائیل میں اقوام متحدہ کے نمائندے جیمز جی میکڈونلڈ نے براہ راست صدر ٹرومین کو یہ خصوصی رپورٹ ارسال کی کہ ''فلسطینی پناہ گزینوں کا مسئلہ تباہ کن صورت حال اختیار کر رہا ہے۔ اسے ''آفت زدہ'' کا درجہ دینا ہو گا۔ ان کی آبادکاری اور بحالی کے لئے موجودہ ذرائع انتہائی ناکافی ہیں۔ ان میں سے ایک لاکھ سے زائد آئندہ موسم سرما میں لقمۂ اجل بن جائیں گے۔ سخت بارش اور کھلے آسمان تلے یہ بوڑھے، بچے اور عورتیں بے یارو مددگار اور بغیر کسی خوراک کے پڑے ہیں''۔

اسرائیلی لیڈروں کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ عربوں سے مستقل چھٹکارا حاصل کیا جائے، اور انہیں یہودی ریاست میں آباد نہ ہونے دیا جائے۔ وزیر اعظم بن گوریان نے ۱۹۴۸ء میں مختلف سرکاری اجلاسوں میں اپنے ساتھیوں اور ماتحت اہلکاروں سے یہی کہا کہ عربوں کو یہاں سے بھگاؤ۔

کنشت (مذہبی انجمن) کے ایک رکن کارلی کا کہنا تھا: ''میں تو ایک عرب کو بھی واپس نہیں لینا چاہتا۔ ایک بھی غیر یہودی ہمیں درکار نہیں۔ میں یہودی ریاست کو کلیتاً یہودی دیکھنا چاہتا ہوں''۔ ایک اور کنشت ممبر موشے دایان کے والد شوئیل کا کہنا تھا: ''ہم امن کے معاوضے کے طور پر بھی مہاجرین کی واپسی کے خلاف ہیں۔ پہلا باضابطہ امن ہمیں کیا دے گا؟''

مارچ ۱۹۴۸ء تک اسرائیل کی فوجی کمان نے ''دالت پلان'' پیش کر دیا تھا، جس کا مقصد تل ابیب، یروشلم اور گلیلی کے درمیانی علاقے پر قبضہ کرنا تھا جو اقوام متحدہ کی قرارداد تقسیم کی رو سے ''عرب ریاست'' کا حصہ بنتا تھا۔ گلیلی کی ایک مہم کو Mathateh (جھاڑو) کا کام دیا گیا، جس کا مقصد یہ تھا کہ ''جھاڑو'' پھیر کر وہ علاقہ عربوں سے ''پاک'' کر دیا جائے گا۔ ۱۹۴۸ء میں بن گوریان نے اپنے ساتھیوں سے کہا تھا ''ہمارا آغاز ہمسایہ عرب ممالک سے یہ معاملہ طے کرنے سے ہو گا کہ یہودی ریاست سے عربوں کو پُرامن طریقے سے نکال لیا جائے''۔

۱۹۴۳ء میں اس نے عربوں کی زیادہ شرح پیدائش کے پیشِ نظر یہودی والدین پر زور دیا تھا کہ اپنی آبادی میں اضافے کے لئے فی خاندان دو بچے زیادہ پیدا کریں۔

۱۹۴۹ء میں جنگ کے خاتمے پر اسرائیلی زیر تسلط علاقے میں ایک لاکھ ۷۰ ہزار فلسطینی عرب باقی رہ گئے تھے۔ بقیہ سب نکالے جا چکے تھے۔ یہ اب کل آبادی کا صرف پندرہ فیصد تھے۔ یعنی اگر پناہ گزین بنا کر نہ نکالے جاتے تو چالیس فیصد سے زائد کی اقلیت ہوتے، جو کہ ظاہر ہے اب زیادہ قابل برداشت اقلیت تھے۔

وہ عرب جو ۱۹۴۸ء کی جنگ میں بے خانماں ہوئے تھے آج تک مہاجر کیمپوں میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ایک قرارداد کے ذریعے ۱۹۴۸ء ہی میں اسرائیل سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ مہاجرین کو اپنے گھروں میں واپس آنے دے، لیکن اسرائیل نے صاف انکار کر دیا۔ اسرائیل کا کہنا تھا کہ مہاجرین عرب حکومتوں کی ذمہ داری ہیں۔

امریکہ کے اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کی اوائل ۱۹۴۹ء کی ایک خفیہ رپورٹ ظاہر کرتی ہے کہ عرب ممالک مہاجرین کے سیل رواں کے آگے بے بس تھے۔ قاہرہ کے سفارت خانے کی رپورٹ میں درج تھا کہ اگر مہاجرین کو مصر میں دھکیلا گیا تو اس کے نتائج مصر کے لئے اقتصادی طور پر انتہائی تباہ کن ہوں گے۔ اردن کے سفارت خانے نے لکھا کہ مہاجرین اردن کی معیشت پر ناقابل برداشت بوجھ ہوں گے۔ لبنانی سفارت خانے کے بموجب مہاجرین ایک ناقابل برداشت بوجھ تھے جبکہ شام نے اس ناقابل برداشت معاشی بوجھ کے آگے عملی طور پر گھٹنے ٹیک دیئے تھے۔

۱۹۴۸ء کے آخری نو مہینوں میں عرب ملکوں نے ایک کروڑ دس لاکھ ڈالر بصورت نقد و اجناس خرچ کیا۔ اس کے مقابلے میں اسرائیل نے مہاجر کیمپوں میں جو براہ راست امداد بھیجی، وہ صرف سنگتروں کے پانچ سو کریٹ تھے۔

اسرائیل کے لئے ان مہاجرین کو واپس نہ لینے کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ان کے گھر تو پہلے ہی یہودی آبادکاروں کو دیئے جا چکے تھے، اور کچھ کو نئی یہودی بستیاں بسانے کے لئے منہدم کیا جا چکا تھا۔ اسرائیلی حکام ایک سوچے سمجھے پروگرام کے مطابق حیفہ جیسے شہروں اور دیہات میں عرب آبادیوں کو نیست و نابود کر رہے تھے تاکہ یورپ سے نقل مکانی کر کے آنے والے یہودیوں کے لئے (جن کی تعداد تقریباً پچیس ہزار ماہوار تھی) نئی آبادیاں تعمیر کی جا سکیں۔ چنانچہ ان حالات میں وہ گھر ہی موجود نہ تھے جن میں مہاجرین واپس آ کر آباد ہو سکتے۔ دوسری طرف جن یہودی آبادکاروں نے عربوں کے گھروں پر ناجائز قبضہ کیا، ان کے خالی کرنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔

1956ء کی جنگ سوئز

عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ ۱۹۵۶ء میں مصر کے صدر جمال عبدالناصر نے نہر سوئز کو قومی ملکیت میں لینے کا اعلان کیا، جس کے جواب میں برطانیہ، فرانس اور اسرائیل

نے مصر پر فوج کشی کر دی۔ اس وقت کے پاکستان کے وزیر اعظم حسین شہید سہروردی نے عرب ملکوں کے بارے میں طنزاً کہا تھا کہ صفر جمع صفر جمع صفر برابر ہے صفر۔ امریکی دباؤ کے تحت فوجوں کو واپس ہونا پڑا۔ صدر ناصر عرب قوم پرستوں کے ہیرو بن گئے۔

لیکن اب امریکی کانگریس کے ایک سابق منتخب رکن پال فنڈلے نے اصل حقائق اور رازوں کی نقاب کشی کی ہے۔ ان کی ایک کتاب Deliberate Deceptious کا اردو ترجمہ جناب سعید رومی نے کیا ہے جو حال ہی میں ''اسرائیل کی دیدہ و دانستہ فریب کاریاں'' کے عنوان سے شائع ہوگئی ہے۔ اس میں مصنف نے تصویر کا دوسرا رخ دکھاتے ہوئے لکھا ہے:

''۱۹۵۶ء کے سوئز بحران میں برطانیہ اور فرانس کی حکومتوں نے اسرائیل کے ساتھ ملی بھگت کر کے بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اس نیت سے مصر پر حملہ کیا تھا کہ وہ اس کے نوجوان سربراہ جمال عبدالناصر کا تختہ الٹ دیں۔ یہ تینوں ممالک اگرچہ امریکہ کے دوست تھے' لیکن انہوں نے واشنگٹن سے بھی اپنا یہ منصوبہ پوشیدہ رکھا۔ جونہی صدر آئزن ہاور کو اُن کے ارادوں کا علم ہوا تو اس نے ایسا سفارتی دباؤ ڈالا کہ نہ صرف ان کو اپنا حملہ روکنا پڑا' بلکہ مقبوضہ مصری علاقہ بھی خالی کرنا پڑا۔ مصر پر یہ فوجی حملہ ۱۹/اکتوبر کو شروع ہوا اور ۷/نومبر ۱۹۵۶ء کو ختم ہوا''۔

اس فوجی حملے کے بارے میں اسرائیل کے وزیر خارجہ نے کمالِ ڈھٹائی سے جھوٹ بولتے ہوئے کہا: ''یہ اسرائیل نہیں جو مصر کو آہنی شکنجے میں کسنا چاہتا تھا''۔ حقیقت یہ ہے کہ اسرائیلی دستے ۲۹/اکتوبر کو جزیرہ نما سینائی میں داخل ہوئے۔ امریکہ کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے اسرائیل نے واشنگٹن میں متعین اپنے سفیر ابا ایبان کو یہ ہدایت جاری کی کہ وہ امریکہ کو تسلی دلائے کہ فوجوں کی یہ نقل وحرکت ''حفاظتی'' نوعیت کی ہے اور اس کا کچھ بھی تعلق اس تنازعے سے نہیں جو برطانیہ و فرانس کا مصر سے ہے۔

جب صدر آئزن ہاور کو اسرائیلی حملے کا علم ہوا تو اس نے اپنے وزیر خارجہ جان فوسٹر ڈلس سے کہا: ''فوسٹر ان کو بتلا دو' ہم ان کے خلاف پابندیاں عائد کریں گے۔ ہم اقوام متحدہ میں یہ معاملہ اٹھائیں گے۔ ہم ہر وہ قدم اٹھائیں گے جس سے یہ حملہ رک سکے''۔ اگلے ہی روز صدر آئزن ہاور نے سلامتی کونسل میں یہ قرارداد پیش کر دی کہ جنگ بندی کی جائے اور اسرائیلی دستے واپس جائیں۔ چنانچہ فرانس' برطانیہ اور اسرائیل پر دباؤ ڈال کر مصر پر حملہ رکوا دیا گیا۔

اسرائیلی افواج نے کسی مزاحمت کے بغیر سارے جزیرہ نما سینائی پر قبضہ کر کے نہر سوئز اور جنوب میں شرم الشیخ تک رسائی حاصل کر لی تھی۔ مصر برطانوی اور فرانسیسی مشترکہ حملے کے دفاع میں الجھا ہوا تھا۔ یہ سب کچھ ہفتہ بھر میں ہوگیا۔ اسرائیل کے وزیر اعظم بن گوریان نے ۷/نومبر کو اعلان کیا کہ مصر کے ساتھ ۱۹۴۹ء والا جنگ بندی کا معاہدہ اب دفن ہو چکا ہے' اسے دوبارہ زندگی نہیں مل سکتی۔ ۱۹۴۹ء کے اس سمجھوتے سے انکار نے آئزن ہاور پر واضح کر دیا کہ اسرائیل نے جو علاقہ مصر سے بزور چھینا ہے' وہ اس پر مستقل قبضہ چاہتا ہے۔ آئزن ہاور نے فوراً بن گوریان کو ایک ذاتی خط لکھا کہ ''ایسا کوئی بھی فیصلہ یعنی سینائی پر قبضہ ہوا تو اسرائیل کو اقوام متحدہ کے احکامات اور اصولوں کی خلاف ورزی کا مرتکب قرار دے کر سخت مذمت کا سامنا ہوگا''۔

اسی روز یعنی ۷/نومبر کو ہی اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ۶۵ کے مقابلے میں ایک کی رائے شماری سے یہ مطالبہ منظور کیا کہ تمام غیر ملکی افواج جزیرہ نما سینائی خالی کر دیں۔ مخالفت میں یہ اکیلا ووٹ اسرائیل کا تھا' لیکن فروری ۱۹۵۷ء میں جنرل اسمبلی نے ایک اور قرارداد منظور کر کے اس امر پر افسوس کا اظہار کیا کہ اسرائیل نے ابھی تک انخلاء منظور نہیں کیا تھا۔ اسرائیل پھر بھی دستے ہٹانے سے انکار کرتا رہا۔

صدر آئزن ہاور نے ۱۱/فروری کو بن گوریان کو ایک اور پیغام بھجوایا کہ وہ غزہ سے اسرائیلی دستے فوراً اور غیر مشروط طور پر ہٹالے۔ بن گوریان نے دوبارہ انکار کر دیا۔

۲۰/فروری کو آئزن ہاور نے ایک سخت خط بن گوریان کو بھیجا کہ امریکہ نہ صرف اقوام متحدہ کی عائد پابندیوں کی حمایت کرے گا بلکہ سرکاری امداد کے علاوہ ذاتی چندوں کی ترسیل پر بھی پابندی عائد کر دے گا۔ بن گوریان کا کہنا تھا کہ آئزن ہاور کے مطالبات انصاف کے خلاف ہیں۔ تاہم اس نے امریکہ کے سخت دباؤ کے زیر اثر اسرائیلی دستے واپس بلالئے اور یوں سوئز کا بحران ختم ہوا۔

1956ء تا 1967ء

جون ۱۹۶۷ء میں عربوں نے یہودیوں کے ہاتھوں جو عبرتناک شکست کھائی' جس کے اثرات آج تک دنیائے اسلام کی سیاسی اور اقتصادی زندگی میں زہر گھول رہے ہیں' اس کا نقشہ دکھانے سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ ۱۹۵۶ء میں امریکی دباؤ کے تحت اسرائیل نے مقبوضہ جزیرہ نما سینائی سے اپنی فوجیں تو ہٹالی تھیں' لیکن اس کے عزائم میں کوئی فرق نہ آیا تھا' بلکہ یہودیوں نے زیادہ منظم ہو کر عربوں پر مستقل برتری حاصل کرنے کے لئے اپنی کوششیں تیز تر کر دی تھیں' اس کے برعکس عربوں میں انتشار اور نفاق کی جو صورت حال پہلے سے چلی آ رہی تھی' اس میں مزید شدت پیدا ہوگئی۔ یہاں پہلے یہودیوں کی داستانِ عروج کی چند جھلکیاں پیش کی جا رہی ہیں۔ اس کے بعد عربوں کی تنزلی پر روشنی ڈالی جائے گی۔

یہودیوں کے عزائم:

۱۹۵۰ء میں ریاست اسرائیل کی پہلی سالگرہ کے موقع پر پہلے وزیر اعظم بن گوریاں نے قوم سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا: ''ہمیں جوش وخروش کے ساتھ جنگ جاری رکھنی ہوگی۔ یہ بیک وقت فوجی اور سیاسی جنگ ہوگی۔ ہمیں ایک بار پھر سلیمانؑ کے عہد کی سلطنت قائم کرنا ہے۔''

۱۹۵۱ء میں دوسری سالگرہ کے موقع پر پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے یہ بانگ دہل کہا: ''صہیونیت کی تحریک کا اولین مقصد بکھری ہوئی بھیڑوں کو جمع کرنا تھا۔ آج اس کا مقصد پچاس لاکھ یہودیوں کو پوری دنیا سے چن چن کر دس سال کے اندر اندر (یعنی ۱۹۶۱ء تک) اسرائیل میں جمع کر دینا ہے' مگر اسرائیل کے وسائل اس کے متحمل نہیں ہو سکتے' اس لئے ہماری خارجہ پالیسی کا پہلا نکتہ یہ ہے کہ اسرائیل کی

بیروت سے القدس تک

(فلسطینی حریت پسندوں کی قید خانے میں فریاد)

—— شورش ملک ——

اے شہر آرزو
اے شہر آبرو
دشمن کو زعم ہے کہ مرے ہاتھ باندھ کر
کمزور کر گیا مرے عزم صمیم کو
آنکھوں میں میری پھیریں ستم کی سلائیاں
محروم کر گیا تیری گلیوں کے حسن سے
کانوں میں میرے ڈال کر سیسہ سمجھتا ہے
میں آشنا آواز سے بیگانہ ہوگیا
لیکن ستم گروں کی شقاوت' غرور کا
انجام ہی شکست ہے
اے شہر آرزو
اے شہر آبرو
میں نے بسالیا ہے تجھے دل میں' روح میں
جس پر عدو کا وار نہیں کوئی کارگر
میں سن رہا ہوں آشنا آواز کا سروش
میں دیکھتا ہوں تیرے حسیں گنبدوں کے نقش
پہچانتا ہوں دستِ عدو کے فریب کو
میرا وجود سورۂ رحمٰن کی طرح

ساری زمین کو خالی کرایا جائے۔''

اسرائیل کی ''ساری زمین'' سے مراد ''از نیل تا فرات'' ہے۔ چنانچہ جب ۱۳/ اگست ۱۹۵۱ء کو یروشلم میں عالمی صیہونی کانفرنس منعقد ہوئی تو اس میں سب سے اہم موضوع یہی تھا۔ ۱۹۵۲ء کے اوائل میں وزیر جنگ موشے دایان نے قوم کے نام پیغام میں کہا: ''ایک ایک یہودی کو میدان جنگ میں نکل آنا چاہئے۔ میں نے فوج سے کہہ دیا ہے کہ وہ دن رات تیاری میں مصروف رہے۔ عظیم تر اسرائیل کا قیام ہمارا قومی نصب العین ہے۔''

۱۳ مارچ ۱۹۵۲ء کو عظیم تر اسرائیل کی سرحدوں کا تعین کرتے ہوئے لیبر پارٹی کے سربراہ ڈاکٹر عاری الکمان نے اس منصوبے کو فاش کر دیا جو ''پروٹوکول'' کی صورت میں اب تک خفیہ رکھا جا رہا تھا۔ اس نے کہا: ''عظیم تر اسرائیل عراق سے سوئز تک پھیلا ہوا ہے۔ یہی وہ طاقتور ریاست ہوسکتی ہے جو مشرقِ وسطیٰ میں اندرونی اور بیرونی امن واستحکام کی ضمانت دے سکے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم دنیا کو صاف صاف اور واضح الفاظ میں بتا دیں کہ فلسطین میں دنیا بھر کے یہودیوں کو جمع کر کے جنگجو بنانے کا مطلب اسرائیل کی سرحدوں کا تعین ہے جو عراق سے سوئز تک پھیلی ہوں۔ اس کے بعد ہی اسرائیل جمہوریت کا گہوارہ بن کر اپنے آپ کو تباہی سے بچا سکتا ہے۔''

۱۹۵۱ء ہی میں اسرائیلی پارلیمنٹ کی پیشانی پر عبرانی زبان میں یہ الفاظ کندہ کرا دیے گئے تھے:

''اے اسرائیل تیری سرحدیں از نیل تا فرات''

ایک یہودی مصنف نے لکھا ہے:

''اس عظیم تر اسرائیل میں پورا شام' پورا لبنان' اردن و عراق کا بڑا حصہ' صحرائے سینا' بالائی نجد اور مدینہ تک شامل ہے' کیونکہ حضرت محمدؐ کے عہد میں یہود مدینہ میں آباد تھے۔''

بن گوریان نے ایک مرتبہ کہا تھا: ''یہودیوں کے لئے ایک الگ قومی ریاست کا قیام صیہونیت کا مقصد وحید نہیں ہے' بلکہ اسرائیل کے قیام کے بعد صیہونیت کو اصل تحریک کی طرف آگے بڑھانا ضروری ہو گیا ہے۔ اسرائیل کا مقام ایک سنگ میل ہے' منزل نہیں ہے۔''

بجمن صاحب نے اسرائیلی پارلیمنٹ میں بہت پہلے بتا دیا تھا: ''اسرائیل' اس کے عوام اور خود ریاست کی اس وقت تک کوئی اہمیت نہیں۔ جب تک کہ ہم اپنا پورا علاقہ بغیر جنگ کے اور صلح ناموں اور معاہدوں پر دستخط کئے بغیر آزاد نہ کرالیں۔''

چنانچہ ان مقاصد کی تکمیل کی خاطر قیام اسرائیل کے فوراً بعد سے یہودیوں کا ہر قدم یہودی قوم کو ایک جنگجو اور مضبوط فوج میں بدلنے کے لئے ہوتا ہے۔ ۱۹۵۱ء میں ایک یہودی صنعت کار نے ایک سائنسی جریدے میں لکھا تھا:

''ہر معاشی قدم اور ہر ترقیاتی پروگرام فوجی نقطۂ نظر سے بنایا جانا چاہئے۔''

اسرائیل کے سابق وزیر خارجہ شیرٹ نے یروشلم میں حگانا گروپ کے ایک جلسۂ عام سے خطاب کرتے ہوئے بہت پہلے کہا تھا: ''میں اسرائیل کے عوام سے کہتا ہوں کہ وہ خود کو مضبوط اور طاقتور بنائیں۔ تمام اسرائیل کو جنگ کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ تنہا فوج فتح کی ضمانت نہیں دے سکتی' پوری قوم کو اس کے لئے تیار رہنا چاہئے۔''

اسرائیل میں جس حد تک جنگی تیاریاں ہو رہی تھیں' اس نے ایک یہودی صحافی کو بھی اسرائیل کی اس جنگجویانہ فطرت کی مذمت کرنے پر مجبور کر دیا۔ اظہار مذمت کے لئے اس نے ایک کتاب لکھی' جس پر اس کے خلاف مختلف انتہاپسند گروپوں کی طرف سے زبردست احتجاج ہوا۔ چنانچہ اس پر مقدمہ چلایا گیا۔ اس نے عدالت میں بیان دیتے ہوئے کہا: ''میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ آج اسرائیل میں اولیت انتہاپسند اور متشدد یہودیوں کی نئی نسل پیدا کرنے کو حاصل ہے۔ میں نے خود دیکھا ہے کہ نوجوانوں کو کس طرح جنگی پیمانے پر تربیت دی جاتی ہے اور فوجی کارروائیوں کے لئے تیار کیا جاتا ہے۔ یہ طریقہ بالکل وہی ہے جو نازیوں اور فسطائیوں نے اپنایا تھا۔ انہیں بالکل ان جارحانہ اصولوں پر تعلیم دی جاتی ہے جو فوجی طاقتیں اپنے جوانوں کی تربیت کے لئے اختیار کرتی ہیں۔ بچوں کی پرورش جنگی خطوط پر ہوتی ہے۔ اسرائیل کے ماحول میں جارحیت اور حملہ آوری کا جذبہ چھایا ہوا ہے۔ میں نے اسرائیل کے چپے چپے میں ایک ہی پکار سنی ہے' جنگ کی پکار۔''

جون ۱۹۶۷ء کی جنگ سے پہلے ہی امریکی فوجی ماہرین نے اس کی جنگی تیاریوں کے پیش نظر واضح طور پر یہ کہہ دیا تھا کہ وہ صرف چار پانچ دن میں اپنے گردوپیش کی عرب ریاستوں کو پیٹ ڈالے گا۔ سیاسی حیثیت سے ہر موقع پر امریکہ اور اس کے ساتھی اس کی پشت پناہی کرتے رہے ہیں اور انہی کی حمایت کی وجہ سے اقوام متحدہ اس کی پے در پے زیادتیوں کا کوئی تدارک نہ کرسکی۔ نومبر ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۷ء تک اقوام متحدہ کی ۲۸ قراردادیں وہ مسترد کر چکا تھا۔ ستمبر ۱۹۴۸ء سے نومبر ۱۹۶۶ء تک اقوام متحدہ نے اس کے خلاف گیارہ مرتبہ قرارداد مذمت پاس کی' مگر اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اس کی جرأت و بے باکی کا اندازہ آپ اس سے کر لیجئے کہ جون ۱۹۶۷ء کی جنگ کے بعد جب جنرل اسمبلی کا اجلاس شروع ہونے والا تھا' اسرائیل کے وزیراعظم لیوی اشکول نے علی الاعلان کہا تھا:

''اگر اقوام متحدہ کے ۱۲۲ ارکان میں سے ۱۲۱ بھی فیصلہ دے دیں اور تنہا اسرائیل کا اپنا ووٹ ہی ہمارے حق میں رہ جائے' تب بھی ہم اپنے علاقوں سے نہیں نکلیں گے۔''

عربوں کی حالتِ زار:

۱۹۴۷ء میں جب اقوام متحدہ نے فلسطین کو تقسیم کیا تو اس کے پہلے پڑوسی اردن کے حکمران امیر عبداللہ واحد عرب حکمران تھے جنہوں نے تقسیم کا منصوبہ تسلیم کر لیا۔ وہ حجاز کے شریف حسین کے دوسرے بیٹے تھے۔ وہ مکہ معظمہ میں ۱۸۸۲ء میں پیدا ہوئے اور ترکی میں تعلیم پائی۔ وہ عثمانی پارلیمان میں مکہ سے منتخب ہوئے تھے۔ جب عربوں نے عثمانی ترکوں کے خلاف بغاوت کی تو انہوں نے اس جنگ میں عربوں کی طرف سے نمایاں حصہ لیا۔ لیکن جب فلسطین سے برطانوی فوجوں کی واپسی کے بعد پانچ عرب ممالک نے (۱۹۴۸ء) فلسطین کو یہودیوں کے تسلط میں جانے سے روکنے کے لئے جنگ کی تو امیر عبداللہ نے اس جنگ میں شرکت کی اور اردنی فوج ''عرب لیجن'' کے منظم دستوں کی مدد سے بیت المقدس اور فلسطین کے وسطی حصے پر قبضہ کر لیا' جبکہ شام اور مصر کی فوجیں یہودیوں کے مقابلے میں ناکام رہیں۔ اس وقت تک عبداللہ کی مملکت کا نام شرق اردن تھا' کیونکہ یہ علاقہ دریائے اردن کے مشرق میں واقع تھا۔ فلسطین کے وسطی حصے پر قبضے کے بعد نئی وسیع تر مملکت کا نام ۲۶ اپریل ۱۹۴۹ء کو شرق اردن سے بدل کر ''اردن'' کر دیا گیا۔ فلسطین کے متعلق سعودی عرب' شام اور مصر کی حکومتوں کا موقف یہ تھا کہ فلسطین کو ایک علیحدہ اور خودمختار ریاست ہونا چاہئے جس کے سربراہ مفتی امین الحسینی ہوں' لیکن عبداللہ نے اس موقف کے خلاف ۱۹۵۰ء میں مقبوضہ علاقوں کو باضابطہ طور پر اردن کا حصہ بنانے کا اعلان کر دیا۔ فلسطینی عربوں کو وزارت اور پارلیمنٹ میں نمائندگی بھی دی گئی۔

فلسطین کی پہلی جنگ (۱۹۴۸ء) میں ناکامی اور وہاں کے بیشتر حصے پر یہودیوں کا قبضہ ہو جانے کے بعد لاکھوں کی تعداد میں فلسطینی بے گھر ہو گئے اور ان مہاجرین کی بیشتر تعداد نے اردن ہی میں پناہ لی۔ اردن کی مختصر حکومت کو' جس کے وسائل پہلے ہی کم تھے' مہاجرین کی آبادکاری کے مسئلے نے ایک نئی مشکل سے دوچار کر دیا۔ فلسطین کے یہ مہاجر برطانوی انتداب میں آئینی اور جمہوری سیاست کے عادی ہو چکے تھے' اس لئے ان کی وجہ سے اردن میں بھی آئینی حکومت اور جمہوری اقتدار کو فروغ ملا' جس نے اردن کی حکومت کو ایک نئی کشمکش میں مبتلا کر دیا۔ شاہ عبداللہ کی آمریت اور ان کی پالیسی نے ملک میں عام بے چینی پیدا کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۲۰ جولائی ۱۹۵۱ء کو ایک فلسطینی مہاجر نوجوان نے شاہ عبداللہ کو' جبکہ وہ مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے گئے تھے' گولی مار کر قتل کر دیا۔

شاہ عبداللہ کے بعد ان کے بڑے بیٹے طلال کو ۵ ستمبر

۱۹۵۱ء کو شاہ اردن قرار دے دیا گیا، لیکن اردن کی پارلیمنٹ نے ان کے دماغ میں خلل ہونے کی وجہ سے ان کو معزول کر دیا اور ۱۱ مئی ۱۹۵۲ء کو طلال کے بیٹے حسین کو بادشاہ بنا دیا۔ ۱۹۵۶ء میں جب نہر سویز کے مسئلے پر برطانیہ، فرانس اور اسرائیل نے مصر پر حملہ کیا تو شاہ حسین نے "عرب لیجن" کے انگریز کمانڈر گلب پاشا کو علیحدہ کر دیا اور برطانیہ سے کیا ہوا وہ معاہدہ منسوخ کر دیا جس کے تحت اردن کو سالانہ امداد ملتی تھی۔ اس معاہدے کی تنسیخ سے اردن کو مالی نقصان ضرور ہوا، لیکن اردن پر سے برطانیہ کا دباؤ کم ہو گیا، لیکن اردن (گویا فلسطین بھی) کے قریب واقع عرب ملکوں میں سیاسی تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں جن کی وجہ سے نئے نئے مسائل پیدا ہونے لگے۔ مصر میں جمال عبدالناصر کے برسراقتدار آنے کے بعد آس پاس کے عرب ملکوں میں اضطراب پیدا ہوا۔ ہر ملک میں صدر ناصر کے حامی سوشلسٹ گروپ پیدا ہو گئے، جن کی مدد سے مصر نے مقامی حکومتوں کا تختہ الٹنے کی کوشش کی۔ ۱۹۵۸ء میں شام اور مصر کے مابین "متحدہ عرب جمہوریہ" قائم ہوئی تو اردن نے عراق کے ساتھ مل کر ایک نیا وفاق بنا لیا، لیکن چند ماہ بعد عراق میں فوجی انقلاب آ جانے سے نہ صرف یہ کہ وفاق ناکام ہو گیا، بلکہ اردن میں بھی انقلاب کا خطرہ پیدا ہو گیا، جس سے بچنے کے لئے شاہ حسین ایک بار پھر برطانیہ اور سعودی عرب کی طرف جھک گئے، حالانکہ اردن میں ہاشمی خاندان کا غلبہ شروع ہی سے سعودی حکومت کا رقیب رہا تھا۔

یہ وہ پانچ عرب ممالک تھے جنہوں نے باہم مل کر ۱۹۴۹ء میں اسرائیل پر پہلا حملہ کیا تھا لیکن آج ان کے باہمی نفاق و انتشار کے باعث فلسطینی عربوں میں یہ احساس پیدا ہونا قدرتی امر تھا کہ انہیں اپنی جنگ خود لڑنا پڑے گی۔ اب فلسطینی عربوں اور لاکھوں مہاجرین کا سب سے بڑا اور اہم مسئلہ ان کی سیاسی تنظیم اور نمائندگی کا تھا۔ مہاجرین کی نصف آبادی فلسطین میں تھی اور نصف شام، لبنان اور خصوصاً اردن کے پڑوسی ممالک میں مہاجر کیمپوں میں غربت و افلاس اور مصائب و ادبار کی زندگی اب تک گزار رہی ہے۔

اس زمانے میں اہل فلسطین اگرچہ بدترین اسرائیلی مظالم اور مصائب کے شکار تھے، لیکن ان میں اتحاد کا فقدان تھا۔ اُس وقت بھی ان کی بارہ مختلف تنظیمیں موجود تھیں۔ ان کے اس انتشار و اختلاف سے امریکہ، برطانیہ، روس اور اسرائیل ہی نہیں، بلکہ خود عرب ممالک بھی فائدہ اٹھا رہے تھے اور فلسطینی عربوں کو وہ اپنے اپنے مفاد کے لئے استعمال کر رہے تھے۔ مثال کے طور پر ان کی ایک تنظیم "عوامی محاذ برائے آزادی فلسطین" تھی جس کا سربراہ ایک متعصب عیسائی ڈاکٹر جارج حبش تھا۔ حبش بیروت کی امریکن یونیورسٹی کا فارغ التحصیل تھا۔ وہ عرب قوم پرست تحریک "القومیون العرب" کا رہنما تھا۔ یہ تحریک شام اور لبنان کے عیسائیوں نے قائم کی تھی۔ بیروت کی امریکن یونیورسٹی اس کا مرکز تھی۔ اس تحریک کا مقصد سیکولرازم کی بنیاد پر عربوں کو ایک پلیٹ فارم پر متحد کرنا تھا۔ پہلے یہ امریکہ کے مقاصد کے لئے کام کرتے تھے، پھر کمیونزم کے علم بردار بن گئے۔ جارج حبش کی نظر میں عربوں کی شکست کا اصل سبب مذہب کی افیون ہے۔ یہ شخص سعودی عرب کا دشمن نمبر ایک تھا۔

تنظیم آزادی فلسطین

ایسے مایوس کن اور خلفشاری حالات میں اہل فلسطین کی ایک نئی سیاسی تنظیم "حرکۃ التحریر الفلسطین" کے نام سے وجود میں آئی جو عوام الناس میں "الفتح" کے نام سے مشہور ہے۔ انگریزی میں اسے Palestine Liberation Organisation کہتے ہیں۔ تنظیم آزادیٔ فلسطین (پی ایل او) کا قیام باقاعدہ طور پر ۱۹۶۴ء میں عرب سربراہی کانفرنس کے نتیجے میں عمل میں آیا۔ حالانکہ سات آٹھ سال قبل ہی ایک انقلابی نوجوان یاسر عرفات کی قیادت میں "الفتح" کی صورت میں یہ وجود میں آ گئی تھی۔ اکتوبر ۱۹۶۴ء میں رباط میں عرب سربراہوں کی جو کانفرنس منعقد ہوئی، اس میں متفقہ طور پر اس تنظیم کو فلسطینی باشندوں کی واحد نمائندہ سیاسی تنظیم کے طور پر تسلیم کر لیا گیا۔ ۲۲ نومبر ۱۹۷۴ء کو تنظیم کے سربراہ یاسر عرفات نے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی سے خطاب کیا۔ اس موقع پر دنیا کے ۷۰ ممالک نے اسے تسلیم کر لیا۔ فلسطین کی آزادی اور اس تنظیم کی روح رواں یاسر عرفات ہیں جو تقریباً چالیس برس سے مسلسل اس کشتی کو بھنور میں ڈوبنے سے بچائے رکھنے کی کشمکش میں مبتلا ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ان کا ایک مختصر سوانحی خاکہ پیش کیا جائے۔

یاسر عرفات

ابوعمار ۱۹۲۹ء میں یروشلم میں پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان قاہرہ میں بڑی جائیداد کا مالک تھا، لیکن یاسر عرفات کے والد نے مقدمہ بازی میں ساری جائیداد ختم کر دی۔ یاسر عرفات ۱۹۴۸ء سے بہت پہلے قاہرہ چلے گئے تھے جہاں انہوں نے مصری فوج میں ملازمت کر لی۔ ۱۹۴۸ء میں جب عربوں اور یہودیوں میں تصادم ہوا تو یاسر عرفات نے عربوں کو اسلحہ پہنچایا اور اسرائیلی علاقوں میں چھاپہ مارنے والے فدائیوں کو تربیت دی۔ ۱۹۴۸ء کی عرب اسرائیل جنگ ختم ہونے کے بعد انہوں نے مصری یونیورسٹی فواد اوّل میں سول انجینئرنگ میں داخلہ لیا۔ یہاں ان کو فلسطینی طلبہ کے وفاق کا صدر منتخب کیا گیا۔ انہوں نے مصر میں فلسطینی اور مصریوں پر مشتمل چھاپہ مار دستے منظم کئے جنہوں نے ۱۹۵۱ء اور ۱۹۵۲ء میں نہر سویز کے علاقے میں انگریز فوجوں پر حملے کئے۔ سول انجینئرنگ کی تکمیل کے بعد مصری فوجی اکادمی میں داخلہ لیا اور آتش گیر مادوں کو استعمال کرنے کی تربیت حاصل کی۔ مصری فوج میں وہ لیفٹیننٹ ہو گئے۔ ۱۹۵۶ء میں جب برطانیہ، اسرائیل اور فرانس نے نہر سویز کے علاقے میں فوج اتاری تو یاسر عرفات نے دشمن کی تنصیبات کو تباہ کرنے کے کام میں ایک ماہر انجینئر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ ۱۹۵۵ء میں جب تنظیم "الفتح" قائم ہوئی تو اس میں بطور رکن شامل ہو گئے۔ اس کے بعد کچھ مدت مصر میں انجینئر کی حیثیت سے

فلسطینی لیڈر یاسر عرفات رملہ میں نماز کے بعد دعا مانگنے کے بعد منہ پر ہاتھ پھیر رہے ہیں

کام کیا۔ پھر کویت چلے گئے، جہاں ۱۹۵۸ء میں پی ڈبلیو ڈی کے محکمے میں انجینئر ہو گئے۔ انہوں نے وہاں آزادانہ ٹھیکہ داری کا کام بھی کیا۔ ۱۹۶۵ء میں کویت چھوڑ دیا اور "الفتح" کی عسکری تنظیم "العاصفہ" کے سربراہ ہو گئے جس نے اپنی چھاپہ مار سرگرمیوں کا آغاز ۱۹۶۲ء میں کیا تھا۔ ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ کے بعد الفتح کو عروج حاصل ہوا اور فروری ۱۹۶۹ء میں الفتح کو تنظیم آزادیٔ فلسطین (پی ایل او) کو پی ایل او کے اوپر غلبہ ہو گیا اور عرفات اس کے صدر ہو گئے۔ ان کی سعی سے ستمبر ۱۹۶۹ء میں مراکش کے شہر رباط میں منعقدہ پہلی اسلامی سربراہی کانفرنس میں پی ایل او کو فلسطینیوں کی واحد نمائندہ جماعت تسلیم کر لیا گیا اور انہوں نے پی ایل او کے مبصر کی حیثیت سے شرکت کی۔ فروری ۱۹۷۴ء میں لاہور میں دوسری اسلامی سربراہی کانفرنس میں شرکت کی۔ ۲۱ راگست ۱۹۸۲ء کو پی ایل او کا بیروت سے انخلا شروع ہوا اور فدائین کے گروپ شام، عراق، اردن، شمالی و جنوبی یمن، سوڈان، تونس اور الجزائر میں چلے گئے۔ ۳۰ راگست ۱۹۸۲ء کو انہیں بھی بیروت چھوڑنا پڑا۔ دسمبر ۱۹۸۳ء میں جب مصر اور پی ایل او

کے اختلافات ختم ہو گئے تو وہ قاہرہ پہنچے جہاں ان کا شاہی استقبال کیا گیا۔ نومبر ۱۹۸۴ء میں پھر پی ایل او کے چیئرمین منتخب ہوئے۔ (بقیہ حالات آئندہ واقعات کے پہلو بہ پہلو بیان ہوں گے)

جنگِ جون 1967ء

۵ جون ۱۹۶۷ء کو اسرائیل نے اپنے ہمسایہ عرب ممالک پر بھرپور حملے کر کے چھ روز کے اندر اندر ان کے کئی علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ مصر کو غزہ پٹی اور جزیرہ نما سینا' اردن کو مشرقی کنارے کے کچھ علاقے' پورا یروشلم' شام کو قنطیرہ اور جولان کی پہاڑیوں سے محروم ہونا پڑا۔ گویا اسرائیل نے اپنے تمام جنگی مقاصد حاصل کر لئے۔ ۱۹۵۶ء کے سوئز بحران کے برعکس اس مرتبہ اسرائیل نے امریکہ کی پیشگی مفاہمت حاصل کرنے کی شعوری کوشش کی۔ یہی وجہ تھی کہ مفتوحہ علاقوں کے انخلاء پر انہیں کسی امریکی دباؤ کا سامنا نہ ہوا۔ یہ حملہ ۵ جون کو شروع ہو کر ۱۰ جون کو ختم ہوا' اس لئے اسے ''جنگِ جون'' بھی کہا جاتا ہے۔

مسلمانانِ عالم کے لئے یہ جنگ اس لئے المناک ہے کہ بیت المقدس (یروشلم) یہودیوں کے قبضے میں چلا گیا۔ جنگ شروع ہونے کے دو دن بعد اسرائیل نے یروشلم کا قدیم حصہ بھی اردن سے چھین لیا۔ اسرائیلی لیڈروں نے فوراً ہی یہ اعلان کر دیا کہ وہ یہ شہر مقدس کبھی واپس نہ کریں گے۔ اسرائیلی فوج کا چیف ربی فتح یروشلم کے نصف گھنٹہ بعد دیوارِ گریہ پر پہنچ گیا اور اعلان کیا: ''میں جنرل شلوموگوران' اسرائیلی افواج کا چیف ربی یہاں اس لئے آیا ہوں کہ اب یہاں سے کبھی واپس نہ جانا ہوگا''۔ وزیر دفاع موشے دایان بھی پہنچا اور کہا: ''ہم نے اسرائیل کے منقسم دارالحکومت کو آج یکجا کر دیا ہے۔ ہم اپنے مقدس ترین مقام پر آ گئے ہیں اور دوبارہ کبھی اس سے جدا نہ ہوں گے''۔

دورانِ جنگ یہودی نہ صرف مسجد اقصیٰ پر قابض ہوئے' بلکہ حبرون میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا حرم شریف بھی ان کے تصرف میں چلا گیا۔ حرم خلیل پر قبضے کے فوراً بعد انہوں نے اس پر چھ ستاروں والا یہودی پرچم لہرا دیا اور عبرانی زبان میں جگہ جگہ تختیاں نصب کر دیں کہ ''یہ یہودی ملکیت ہے''۔ مسلمانوں کا داخلہ مسجد خلیل میں بند کر دیا گیا۔ ان سے کہا گیا کہ وہ صرف جمعہ کی نماز یہاں ادا کر سکتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اسے ایک ''صہیونی عجائب گھر'' میں بدل کر یہودی زائرین کی زیارت گاہ میں تبدیل کر دیا گیا۔ مسلمانوں نے اس پر شدید احتجاج کیا لیکن بالآخر ان کی قوتِ مزاحمت جواب دے گئی اور یہودی اس پر اپنا مستقل قبضہ جمانے میں کامیاب ہو گئے۔

پہلے ہفتے میں مراکش' الجزائر' تیونس اور لیبیا سے آئے ہوئے مسلمانوں کے محلے تباہ کر دیئے گئے۔ اسرائیل نے مسلم اوقاف کی ۱۳۵ عمارتوں کو بلڈوزروں سے زمین کے برابر کر دیا۔ آٹھ سو خاندانوں کے افراد ہجرت پر مجبور ہوئے۔

دوسرے ہفتے میں اسرائیلی افسروں اور یہود کی مذہبی تنظیموں نے مسجد اقصیٰ کی مغربی دیوار (جسے اب دیوارِ گریہ کہا جانے لگا ہے) کے نواح میں ایک اور جارحانہ مہم کا آغاز کیا۔ آہستہ آہستہ یروشلم کے وسط میں مسلم علاقوں کو تختۂ مشق بنایا گیا۔ تین ہزار سے زیادہ مکینوں کو تین دن کے اندر اندر اپنے گھر بار خالی کر دینے کا حکم دیا گیا۔

۲۷ جون ۱۹۶۷ء کو اسرائیلی پارلیمنٹ نے بیت المقدس کی عرب حیثیت کو ختم کر کے اسرائیل کا جز قرار دے دیا۔

۲۸ جون کو وزارتِ داخلہ نے شہر کے تمام میونسپل اداروں کو ختم کر کے ان کا نظم و نسق یہودیوں کے حوالے کر دیا گیا۔

اس کے بعد یہودیوں نے مسجدوں اور کلیساؤں کی بے حرمتی شروع کر دی اور عبادت کے اوقات میں یہودیوں کو تفریح اور ہنسی مذاق کے لئے عبادت گاہوں کے اندر جانے کی اجازت دے دی گئی' جس کا مقصد مسلمانوں اور عیسائیوں کے جذبات کو مجروح کرنا تھا۔

۳۰ جون کو قدیم و جدید بیت المقدس کے درمیان حائل تمام فصیلوں کو مسمار کر دیا گیا۔ یہودی انجینئروں نے یافہ گیٹ کو ڈائنامیٹ سے اڑا دیا اور حصاروں کو بلڈوزروں سے زمین کے برابر کر دیا۔

۱۷ جولائی کو ایک بریگیڈیئر کی قیادت میں اس کے پورے بریگیڈ نے مسجد اقصیٰ کے بیرونی حصے میں عبادت کی اور اعلان کیا کہ اس جگہ یہودی معبد تعمیر کیا جائے گا۔ دنیا کے سب سے بڑے گرجا کلیسائے نشور میں کھلی ڈاکہ زنی ہوئی اور حضرت مریمؑ کے مجسمے سے انتہائی بیش قیمت ہیرے اور موتی چرا لئے گئے اور کلیسا کے صحن میں پادریوں کو زدوکوب کیا گیا۔

۸ اگست کو اسرائیل کی وزارتِ مذہبی امور نے طے کیا کہ مغربی دیوار (گریہ) کے گرد جو رکاوٹیں ہیں' انہیں گرا دیا جائے۔

۱۵ اگست کو اسرائیلی افواج کا چیف ربی بریگیڈیئر گورن اپنے دستے اور کچھ دوسرے یہودیوں کے ہمراہ قبۃ الصخرہ پر چڑھ گیا۔ ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں تورات تھی۔ وہ دو گھنٹے قبۃ الصخرہ میں ٹھٹھے لگاتے رہے اور یوں مسلمانوں کے انتہائی مقدس مقام کی دیدہ دانستہ بے حرمتی کی۔ اسرائیل کے وزیر مذہبی امور نے اعلان کیا کہ مسلمانوں کی یہ مسجد یہودیوں کی ملکیت ہے اور اس پر جلد یا بدیر ہیکل تعمیر کیا جائے گا۔

اگست ۱۹۶۷ء میں اسرائیلی فوجوں نے مسجد اقصیٰ

کس کا حق؟

— علامہ اقبالؒ —

رندانِ فرانسیس کا مے خانہ سلامت
پُر ہے مئے گلرنگ سے ہر شیشہ حلب کا
ہے خاکِ فلسطین پہ یہودی کا اگر حق
ہسپانیہ پر حق نہیں کیوں اہلِ عرب کا؟
مقصد ہے ملوکیت انگلیس کا کچھ اور
قصہ نہیں تاریخ کا یا شہد و عنب کا

ندائے خلافت کا یہ شمارہ' ماہنامہ **میثاق** اور ماہنامہ **حکمت قرآن**
تنظیم اسلامی کی درج ذیل ویب سائٹ پر ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں۔
www.tanzeem.org

کے ایک دروازے کی چابیاں چھین کر اپنے قبضے میں لے لیں اور مسجد کو یہودی زائرین اور سیاحوں کے لئے مستقل طور پر کھول دیا۔

۱۸/اپریل کو ایک نیا قانون نافذ کر کے مزید مسلم املاک ضبط کر لی گئیں۔ یہ املاک حرم شریف کی جنوب مغربی دیوار اور آرمنی محلے کے درمیان واقع تھیں اور ان میں البراق' تمام مغربی محلہ اور باب السلسلہ کے سامنے کا علاقہ اور شرف محلہ شامل ہیں۔

نومبر ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کا رقبہ ۷۹۹۳ مربع میل تھا جو ۱۹ سال کے بعد جون ۱۹۶۷ء کی جنگ میں اس کے اندر ۲۷ ہزار مربع میل کا اضافہ ہو کر ۳۴ ہزار ۹۹۳ مربع میل ہو گیا اور چودہ پندرہ لاکھ عرب یہودیوں کے غلام بن گئے۔

اسرائیل کی اس غیر معمولی کامیابی کی اصل وجہ یہ ہے کہ سب سے بڑھ کر امریکہ اس کا حامی و مددگار اور پشت پناہ رہا۔ برطانیہ اور فرانس اور دوسرے مغربی ممالک بھی اپنی اپنی حد تک اس کی تائید وحمایت کا پورا حق ادا کرتے رہے۔

روس اور اس کا مشرقی بلاک بھی کم از کم ۱۹۵۵ء تک علانیہ اس کا حامی رہا اور بعد میں اس نے اگر اپنی پالیسی بدلی بھی تو وہ عرب ملکوں کے لئے مفید ہونے کی بجائے اسرائیل ہی کے لئے مفید ثابت ہوئی۔ ۱۹۵۵ء میں جب عرب ممالک اس سے بالکل مایوس ہو گئے کہ امریکہ اور دوسرے مغربی ملکوں سے ان کو اسرائیل کے مقابلے کی خاطر اپنی حفاظت کے لئے ہتھیار مل سکیں گے تو انہیں مجبوراً اشتراکی بلاک کی طرف رجوع کرنا پڑا اور اس بلاک کے ملکوں نے اس لالچ میں ان کو ہتھیار دینے شروع کئے کہ اس طرح انہیں عرب ممالک میں اشتراکیت پھیلانے اور ان کو اپنے دائرہ اثر میں لانے کا موقع مل جائے گا۔ اس کے نتیجے میں یہ تو نہ ہو سکا کہ عرب ممالک اسرائیل کا مقابلہ کرنے کے قابل ہو جاتے' البتہ یہ ضرور ہوا کہ روس کو مصر و شام سے یمن تک اور عراق سے الجزائر تک اپنے اثرات پھیلانے کا موقع حاصل ہو گیا اور عرب ملکوں میں رجعت پسندی اور ترقی پسندی کی کشمکش اتنی بڑھی کہ اسرائیل سے نمٹنے کے بجائے وہ آپس ہی میں ایک دوسرے سے الجھ کر رہ گئے۔

۱۹ برس کی اس مدت میں امریکہ نے اسرائیل کو ایک ارب ۶۰ کروڑ ڈالر کی مالی امداد دی۔ مغربی جرمنی سے اس کو ۸۲ کروڑ ۲۰ لاکھ ڈالر کا تاوان دلوایا گیا' اور دنیا بھر کے یہودیوں نے دو ارب ڈالر سے زیادہ چندے دے کر اس کی مالی پوزیشن مضبوط کی۔ جنگی حیثیت سے اسے اس قدر مسلح کر دیا گیا کہ جون ۱۹۶۷ء کی جنگ سے پہلے ہی امریکی ماہرین کا یہ اندازہ تھا کہ وہ صرف چار پانچ دن کے اندر اپنے گردوپیش کی تمام عرب ریاستوں کو پیٹ لے گا۔ سیاسی حیثیت سے ہر موقع پر امریکہ اور اس کے ساتھی اس کی پشت پناہی کرتے رہے اور انہی کی حمایت کی وجہ سے اقوام متحدہ اس کی پے در پے زیادتیوں کا کوئی تدارک نہ کر سکی۔ نومبر ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۷ء تک اقوام متحدہ کی ۲۸ قراردادیں وہ اس کے منہ پر مار چکا تھا۔ ستمبر ۱۹۴۸ء سے نومبر ۱۹۶۶ء تک سات مرتبہ اقوام متحدہ نے اس کے خلاف مذمت کی قراردادیں پاس کیں' مگر اس کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ اس کی جرأت و بے باکی کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ جون ۱۹۶۷ء کی جنگ کے بعد جب جنرل اسمبلی کا اجلاس شروع ہونے والا تھا' اس وقت اسرائیل کے وزیر اعظم لیوی اشکول نے علی الاعلان یہ کہا کہ "اگر اقوام متحدہ کے ۱۲۲ ممبروں میں سے ۱۲۱ بھی فیصلہ دے دیں اور تنہا اسرائیل کا اپنا ووٹ ہی ہمارے حق میں رہ جائے' تب بھی ہم اپنے مفتوحہ علاقوں سے نہ نکلیں گے"۔ یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ امریکہ اور اس کے ساتھیوں کی حمایت کے بل پر اسرائیل تمام دنیا کی رائے کو ٹھوکر پر مارتا ہے اور اقوام متحدہ اس کے مقابلے میں قطعی بے بس ہے۔

جون ۱۹۶۷ء کی جنگ سے ایک ہفتہ پہلے امریکی فوج کے جائنٹ چیفس آف سٹاف کے صدر جنرل وھیلر نے صدر جانسن کو اطمینان دلایا تھا کہ اگر اسرائیل بڑھ کر پہلے ایک کامیاب ہوائی حملہ کر دے تو پھر زیادہ سے زیادہ تین چار دنوں کے اندر وہ عربوں کو مار لے گا۔ لیکن اس رپورٹ پر بھی جانسن صاحب پوری طرح مطمئن نہ ہو سکے اور انہوں نے سی آئی اے کے چیف رچرڈ ہیلمس سے رپورٹ طلب کی۔ جب اس نے بھی وھیلر کے اندازوں کی توثیق کر دی تو جانسن صاحب نے روس سے رجوع کر کے یہ اطمینان حاصل کیا کہ وہ عربوں کی مدد کے لئے عملاً کوئی مداخلت نہ کرے گا۔ اس کے بعد کہیں جا کر اسرائیل کو شعور ہوا کہ اب عرب ملکوں پر حملہ کر دینے کا مناسب موقع آ گیا ہے۔ اس پر بھی امریکہ کا چھٹا بحری بیڑہ مصر و اسرائیل کے سواحل کے قریب اپنی پوری طاقت کے ساتھ مستعد کھڑا تھا' تا کہ بوقتِ ضرورت کام آ سکے۔

برطانیہ کی اسرائیل نوازی کا یہ حال تھا کہ ان کا ایک طیارہ بردار بحری جہاز مالٹا میں اور دوسرا عدن میں ایک منٹ کے نوٹس پر اسرائیل کی مدد پر حرکت کرنے کے لئے تیار کھڑا تھا۔ جنگ کے بعد لندن "سنڈے ٹائمز" نے ایک کتاب شائع کی جس کا نام تھا "ہولی وار' جون ۱۹۶۷ء"۔ اس کا جو باب بیت المقدس پر یہودی قبضے کے بیان میں آیا ہے' اس کا عنوان رکھا گیا ہے "۸۹۶ برس کے بعد واپسی"۔ اب یہ ظاہر ہے کہ ۸۹۶ سال پہلے بیت المقدس پر سے صلیبی عیسائیوں کا قبضہ اٹھا تھا نہ کہ یہودیوں کا۔ اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ اسرائیل کے ساتھ انگریزوں کی ہمدردی میں صلیبی جذبہ کام کر رہا تھا اور اس لڑائی کو وہ صلیبی جنگوں ہی کا ایک حصہ سمجھتے تھے۔ ط

روس کی عرب دوستی کا حال بھی یہ تھا کہ جس صبح کو مصر کے ہوائی اڈوں پر اسرائیل کا حملہ ہونے والا تھا' اسی کی رات کو روس نے صدر ناصر کو اطمینان دلایا تھا کہ کوئی حملہ ہونے والا نہیں ہے۔ یہ ویسی ہی یقین دہانی تھی جیسی ستمبر ۱۹۶۵ء میں ہم کو کرائی گئی تھی کہ بھارت بین الاقوامی سرحد پار نہ کرے گا۔ عربوں کے ساتھ روس کے رویے پر یوگوسلاویہ کے ایک سفارت کار کا یہ تبصرہ بڑا سبق آموز ہے:

"ایک بڑی طاقت جب تمہارا ساتھ چھوڑتی ہے تو وہ تم کو پیراشوٹ کے بغیر ہوائی جہاز سے گرا دیتی ہے۔"

سوال یہ ہے کہ آخر یہ سب کچھ کیوں ہوا؟ دس سال کے قلیل عرصے میں اتنا بڑا تغیر کیسے ہو گیا؟ وہ کون سے عوامل ہیں جن کے باعث پورے عالم اسلام کو بالعموم اور عرب ممالک کو بالخصوص غرقِ ندامت ہونا پڑا۔ مسجد اقصیٰ' بیت المقدس' قبۃ الصخرہ وغیرہ مقاماتِ مقدسہ مسلمانانِ عالم کا مشترکہ ملی سرمایہ ہے اور ان کی حفاظت تمام عالم اسلام کا مشترکہ دینی فریضہ ہے۔ دس سال پہلے (۱۹۵۶ء) برطانیہ' فرانس اور اسرائیل کا سہ طاقتی حملہ پوری شدت اور قوت کے ساتھ مصر پر ہوا تھا' مگر حملہ آوروں کو شرمناک شکست اور ناکامی کا سامنا کرنا پڑا تھا جبکہ "بظاہر تنہا اسرائیل حملہ آور ہوا اور مصر' شام' اردن' حجاز' عراق' لیبیا' الجزائر اور کویت سمیت تقریباً ایک درجن عرب ممالک نے مشترکہ دفاع کیا اور ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ صدر جمال عبدالناصر کو شکست' ندامت اور ذلت کا ایسا اعتراف کرنا پڑا' جس کا تصور وہ خود بھی نہیں کر سکتے تھے' جس سے مسلمانانِ عالم پر یکایک نزع کا عالم طاری ہو گیا اور دوسری طرف تل ابیب' لندن اور نیویارک میں مسرت کے شادیانے بجائے گئے۔

اس جنگ میں عرب ممالک کی شکست فاش کے اسباب کا بصیرت افروز تجزیہ جناب مولانا محمد تقی عثمانی نے اپنے زیر ادارت شائع ہونے والے مجلّہ "البلاغ" میں کیا تھا۔ یہاں اس کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے:

(۱) سب سے پہلا اور بنیادی سبب یہ تھا کہ انہوں نے عرصہ دراز سے اسلام کی واضح تعلیمات کو بالکل پس پشت ڈال رکھا ہے' لیکن ان کی زندگی کی ہر نقل و حرکت اس دعویٰ کو جھٹلاتی ہے۔ ان کے افکار' ان کی تہذیب' ان کی معاشرت' ان کا لباس' غرض سر سے پاؤں تک ہر چیز پکار پکار کر کہتی ہے کہ ہم زبان سے مغربی سامراج کو کتنا برا بھلا کہتے رہیں' لیکن ہمارے دل اس کی محبت وعظمت سے آباد ہیں۔

اسی طرزِ عمل کا نتیجہ یہ ہے کہ آپ عرب ملکوں میں جا کر دیکھئے تو یہ پہچاننا مشکل ہو گا کہ یہ مسلمانوں کا ملک ہے۔ وہی عریانی' وہی فحاشی' وہی عیش پرستی اور وہی اللہ اور رسولؐ

کے احکام سے دوری۔ یہاں تک کہ ایک روایت تو یہ سننے میں آتی ہے کہ اسرائیلی حملہ آوروں نے تو حملے سے دو دن پہلے روزے رکھ کر پیش قدمی کی تھی، مگر قاہرہ کے بعض ہوٹلوں میں اس وقت بھی رقص و سرود کی محفلیں گرم تھیں جب اسرائیل کے بمبار طیارے مصر میں داخل ہو رہے تھے اور یہ بات تو ہر کس و ناکس کو معلوم ہے کہ اب سے چند ماہ پہلے تک مصر میں اسلام کا نام لینے والوں کے لئے پھانسی کے تختے لٹکے ہوئے تھے۔ مصر اور شام میں جس طرح علماء پر مظالم ڈھائے گئے، وہ ہر شخص کی آنکھوں کے سامنے ہیں۔ انتہا یہ ہے کہ ایک طرف اسرائیل کے یہودی علماء عرب ممالک کے خلاف اپنے عوام میں مذہبی جوش پیدا کر رہے تھے، مگر دوسری طرف مصر اور شام کے علماء کو تہہ خانوں میں قید کر کے اسلام پسندی کی سزا دی جا رہی تھی۔

(۲) اسلام کی تعلیمات سے دور جا نکلنے ہی کا نتیجہ یہ تھا کہ عرب ممالک اسرائیل کا مقابلہ کرنے کے لئے اسلام کی بجائے ''عرب قومیت'' کا نعرہ لگا رہے تھے۔ انہوں نے برسوں سے وطنی قومیت کے اس بت کو اپنی آستینوں میں جگہ دے رکھی تھی، جسے توڑنے کے لئے سرکار دو عالم ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبے میں صاف اعلان فرما دیا تھا کہ: ''**لافضل لعربی علی عجمی**'' (کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں)۔

اسرائیل میں مختلف نسلوں اور مختلف خطوں کے یہودی یک دل اور یکجان ہو کر اپنی فوجی تیاریوں میں مصروف تھے، ان میں کوئی بات یہودی مذہب کے سوا مشترک نہیں تھی۔ ان کی نسلیں مختلف، وطن جدا، زبان الگ مگر مذہب کے نام پر وہ ایک ہو رہے تھے۔ اس مذہبی اتحاد نے ان میں مذہبی جنگ کی روح پیدا کر دی تھی، اس لئے ان کا مقابلہ وطنی قومیت کی بنیاد پر کیا ہی نہیں جا سکتا تھا۔ ان کا موثر مقابلہ کرنے کے لئے ضرورت اس بات کی تھی کہ مسئلہ فلسطین کو صرف عربوں کا نہیں، بلکہ پورے عالمِ اسلام کا مسئلہ بنا کر پیش کیا جاتا، اور انڈونیشیا سے لے کر مراکش تک تمام مسلمانوں کو اس مہم میں شریک کیا جاتا۔ پاکستان، ترکی اور ایران نے حالیہ جنگ کے موقع پر اپنی سابقہ تلخیوں کو بھلا کر عربوں کی حمایت میں جو مثالی کردار ادا کیا، وہ یہ ثابت کرنے کے لئے بالکل کافی ہے کہ اگر اہلِ عرب فلسطین کے مسئلے پر سنجیدگی کے ساتھ تمام مسلمانوں کو متحد کرنے کی کوشش کرتے تو یہ بات کچھ مشکل نہیں تھی، اور اگر یہ عظیم الشان اتحاد قائم ہو جاتا تو نہ صرف دنیا کے نقشے پر اسرائیل کا وجود مٹ چکا ہوتا بلکہ کشمیر سے لے کر قبرص تک کے تمام مسلم مسئلے خود بخود حل ہو جاتے، اور یہ اسلامی ممالک جو اپنے مسائل حل کرنے کے لئے کبھی امریکہ، کبھی روس اور کبھی چین کی طرف دیکھنے پر مجبور ہیں، ہر بیرونی احتیاج سے آزاد ہو جاتے۔ دنیا کے نقشے پر ایک نظر ڈال کر دیکھئے۔ قدرت نے عالم اسلام کو جغرافیائی اعتبار سے کس طرح ایک لڑی میں پرو رکھا ہے۔ دنیا کی کیسی کیسی اہم شاہراہیں ان کے قبضے میں ہیں، کیسے کیسے قدرتی وسائل انہیں میسر ہیں۔ انسانی وسائل کے اعتبار سے بھی وہ کتنے مالا مال ہیں۔ کرۂ ارض کے بالکل بیچوں بیچ واقع ہونے کے سبب پوری دنیا کا دل کس طرح ان کے ہاتھ میں ہے۔ اگر یہ قدرتی انعامات اتحاد اور تنظیم کے ساتھ کام میں لائے جائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ دنیا میں اپنا جائز مقام حاصل نہ کر سکیں۔

لیکن ان تمام کھلے کھلے حقائق کے باوجود عرب کی سرزمین سے عین دورانِ جنگ بھی **العزة لله** کے بجائے **العزة للعرب** کے نعرے بلند ہو رہے تھے۔ کیا یہ غضبِ خداوندی کو دعوت دینے کا خود جمع کردہ سامان نہیں تھا! اس نظریۂ قومیت کو ہوا دینے سے چند در چند نقصانات پیدا ہوئے ہیں۔ ایک طرف تو اسرائیل جیسے دشمن کے مقابلے میں جس کی پشت پناہی پوری مغربی دنیا کر رہی تھی، موثر حریف تیار نہ ہو سکا۔ دوسرے اس طریقے سے خود عربوں میں پھوٹ پڑ گئی۔ جو لوگ قومیت کی بنیاد پر متحد ہونے کو غلط سمجھتے تھے، انہوں نے اپنا ایک الگ بلاک بنا لیا، اور دونوں عرب بلاکوں کے درمیان خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ دونوں کی قوتیں مشترک دشمن کے مقابلے کی بجائے باہمی افتراق میں صرف ہونے لگیں۔ دونوں کے تمام وسائل نشر و اشاعت آخر وقت تک ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے میں مصروف ہوتے رہے۔ انتہا یہ ہے کہ جس وقت اسرائیل کے روپ میں امریکہ اور برطانیہ متحد ہو کر عرب ممالک پر چڑھے چلے آ رہے تھے، ٹھیک اس وقت بھی مصر کی اعلیٰ

سرِ وادیٔ سینا

(۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ کے بعد)

— فیض احمد فیض —

(۱)

پھر برق فروزاں ہے سرِ وادیٔ سینا
پھر رنگ پہ ہے شعلۂ رخسارِ حقیقت
پیغامِ اجل دعوتِ دیدارِ حقیقت
اے دیدۂ بینا
اب وقت ہے دیدار کا دم ہے کہ نہیں ہے
اب قاتلِ جاں چارہ گرِ کلفتِ غم ہے
گلزارِ ارم پرتوِ صحرائے عدم ہے
پندارِ جنوں
حوصلۂ راہِ عدم ہے کہ نہیں ہے
پھر برق فروزاں ہے سرِ وادیٔ سینا، اے دیدۂ بینا
پھر دل کو مصفا کرو، اس لوح پہ شاید
مابینِ من و تو نیا پیماں کوئی اترے
اب رسمِ ستم حکمتِ خاصانِ زمیں ہے
تائیدِ ستم مصلحتِ مفتیٔ دیں ہے
اب صدیوں کے اقرارِ اطاعت کو بدلنے
لازم ہے کہ انکار کا فرماں کوئی اترے

(۲)

سنو کہ شاید یہ نورِ صیقل
ہے اس صحیفے کا حرفِ اول
جو ہر کس و ناکسِ زمیں پر
دلِ گدایانِ اجمعیں پر
اتر رہا ہے فلک سے اب کے
سنو کہ اس حرفِ لم یزل کے
ہمیں تمہیں بندگانِ بے بس
علیم بھی ہیں خبیر بھی ہیں
سنو کہ ہم بے زبان و بے کس
بشیر بھی ہیں نذیر بھی ہیں
ہر اک اولی الامر کو صدا دو
کہ اپنی فردِ عمل سنبھالے
اٹھے گا جب جمِ سرفروشاں
پڑیں گے جب جمِ سرفروشاں
پڑیں گے دار و رسن کے لالے کوئی نہ ہوگا کہ جو بچا لے
جزا سزا سب یہیں پہ ہوگی یہیں عذاب و ثواب ہوگا
یہیں سے اٹھے گا شورِ محشر یہیں پہ روزِ حساب ہوگا

تربیت یافتہ پچاس ہزار افواج یمن کے اندر مسلم کشی میں مصروف تھیں۔

قومیت کے نظریئے کا تیسرا نقصان یہ ہوا کہ اس کے ذریعے فوجوں میں جہاد کی وہ روح بیدار نہ ہو سکی جو موت سے آنکھیں ملانے کا حوصلہ پیدا کرتی ہے۔ چار دن کی اس جنگ میں قاہرہ اور متحدہ ہائی کمان کا ریڈیو مسلسل یہ نعرے لگاتا رہا: جاهدوا في سبيل العروبة (عرب قومیت کی راہ میں جہاد کرو) مگر ''جاهدوا في سبيل الله'' کا جملہ سننے کے لئے یہ گناہ گار کان ترستے ہی رہے۔ ''العزة للعرب'' کا نعرہ تو ہر ہر گھنٹے کے بعد سننے میں آتا تھا مگر ''العزة لله'' کا جملہ ایک مرتبہ بھی نہیں سنا جا سکا۔ لڑنے والے آخر مسلمان تھے اور مسلمان کبھی وطن و قوم کے مصنوعی غرور پر جان دینا پسند نہیں کرتا۔ وہ صرف لا الہ الا اللہ کا کلمہ ہی ہے جو اسے خون میں نہانے اور آگ میں کودنے کا ولولہ عطا کرتا ہے۔

صدر ناصر نے اپنے اعتراف شکست کا ایک سبب یہ بھی بیان کیا ہے کہ اسرائیل کی فوجی طاقت ہم سے تین گنا زیادہ تھی۔ ان کا یہ کہنا اپنی جگہ درست ہے لیکن کیا ستمبر ۱۹۶۵ء کے جہاد میں بھارت کی عسکری طاقت پاکستان سے تین گنا زائد نہیں تھی؟ مگر دنیا نے دیکھ لیا کہ پاکستان کی مٹھی بھر افواج نے کس طرح ٹینکوں کے سیلاب کا رخ پھیر دیا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ یہ جنگ نسل و وطن کے کسی خود ساختہ غرور پر نہیں لڑی گئی۔ اس کی بنیاد صرف لا الہ الا اللہ کا وہ زمزمہ بار کلمہ تھا جسے پڑھ کر صدر پاکستان نے خیبر سے سلہٹ تک ہر فرد میں اسلام کے نام پر کٹ مرنے کی حیرت انگیز روح دوڑا دی تھی۔ ان حالات میں یہ حقیقت خواہ کتنی ہی تلخ معلوم ہو مگر اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ شکست اسلام اور مسلمانوں کی نہیں، بلکہ عرب قومیت کی شکست ہے۔

(۳) ہم نے تعلیماتِ اسلام سے منہ موڑا اور مغربی معاشرت و افکار کو بھی صرف آزادانہ عیش و عشرت کی حد تک اختیار کیا۔ دشمنوں کی مدافعت کے لئے جدید اسلحہ اور جدید طریق جنگ جو اسلام سے حاصل کرنے کی چیز تھی، ہم نے اس کی طرف کوئی التفات نہ کیا۔ اسی کا ایک نتیجہ یہ تھا کہ ہم دشمن کے مقابلے کے لئے مادی اعتبار سے بھی کوئی موثر تیاری نہیں کر سکے۔

اسرائیل کا خطرہ عربوں کے سروں پر گزشتہ بیس سال سے منڈلا رہا ہے، اس کے جارحانہ عزائم بھی کبھی پردے میں نہیں رہے، اس کی جنگی تیاریاں بھی ان کے سامنے تھیں، لیکن انہوں نے اس کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ قدرت نے انہیں بہترین قدرتی اور انسانی وسائل سے مالا مال کیا ہے۔ تیل پر موجودہ دنیا کی روح قائم ہے، اور اس علاقے میں انہیں اس ''زرِ سیال'' پر تقریباً اجارہ داری حاصل ہے، لیکن انہوں نے قدرت کی اس گراں بہا نعمت کو تمام و کمال ان غیر مسلموں کے رحم و کرم پر چھوڑ رکھا ہے، جن کی اسلام دشمنی کبھی راز نہیں رہی اور خود اس تیل کی رائلٹی پر قناعت کر کے اس طرح بیٹھے ہوئے ہیں گویا اس نعمت کا اس سے بہتر کوئی مصرف نہیں ہو سکتا۔ سہل انگاری اور عیش کوشی کے سوا اس تلخ حقیقت کی اور کیا دلیل دی جا سکتی ہے کہ انہوں نے گزشتہ بیس سال میں اپنے یہاں ایسی ایک جماعت بھی پیدا نہیں کی جو تیل کے کنوؤں سے استفادے کا ہنر جانتی ہو اور اپنی اس دولت کو غیر ملکیوں کے تسلط سے آزاد کرا سکے۔

پھر انہیں ان قدرتی وسائل کی صرف رائلٹی سے جو رقم حاصل ہوتی ہے، وہ تناسب کے اعتبار سے دنیا کی امیر ترین ملکوں کی مجموعی آمدنی سے بھی زیادہ ہے۔ ایک اندازے کے مطابق بینک آف انگلینڈ جیسے دولت مند بینک کی دو تہائی دولت صرف کویت کی جمع کرائی ہوئی رقم سے حاصل ہوتی ہے اور دوسرے دولت مند ممالک یورپ اور امریکہ نے پوری دنیا میں اپنی ساکھ کا لوہا منوا رکھا ہے۔ کیا اس سے تجارتی منافع حاصل کرنے کا حق بھی اسی مغربی دنیا کو پہنچتا ہے، جس کی دولت کا ایک بڑا مصرف عالم اسلام کی تخریب ہے۔ سوال یہ ہے کہ رقم خود اپنے ملکوں میں جمع رکھ کر اس سے عالمِ اسلام کی تعمیر و ترقی کا کام لینے کا انتظام کیوں نہیں کیا جاتا؟ موجودہ حالات میں تو ان کے پاس یہ دولت جمع کرانے کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں نکلتا کہ مغربی ممالک عربوں کا تیل استعمال کرنے کا جو معاوضہ انہیں دیتے ہیں، یہ پھر سے انہی کی جیب میں ڈال دیتے ہیں کہ تم ہی اس سے اپنی تجارت و صنعت کو فروغ دو۔ اسی کے ذریعے اسرائیل کو طاقتور بنانے کے لئے اسے جدید ترین اسلحہ مہیا کرو اور اسی کے ذریعے ہم پر بمباری کرنے والے طیارے بناتے رہو، اور جس وقت ہمیں اپنے کسی ترقیاتی کام کے لئے کوئی ضرورت پیش آئے تو اسی کا کچھ حصہ ''امداد'' کا نام رکھ کر ہمیں واپس کر دو، تا کہ دنیا کے گوشے گوشے میں تمہاری سخاوت اور فیاضی کے قصیدے پڑھے جائیں اور ہماری گردنیں ہمیشہ تمہارے احسانات کے آگے جھکی رہیں۔

پھر تھوڑا سا اور آگے بڑھ کر دیکھئے! جو بچی کھچی رقم یہ ممالک اپنے پاس رکھتے ہیں، وہ بھی تھوڑی نہیں ہے۔ لیکن اس کا مصرف کیا ہے؟ ایئر کنڈیشنڈ کاریں، آرائش و زیبائش کا جدید ترین سامان، خود کار فلمیں، شراب، بچوں کے قیمتی کھلونے، ہوا بند ڈبوں کی غذائیں اور قصیدہ گو شاعر! عرب ملکوں میں سے بیشتر کا یہ حال ہے کہ وہاں آپ کو گھر گھر ٹیلی ویژن اور خودکار فلمیں ملیں گی۔ سڑکوں پر لاتعداد کیڈی لک کاریں دوڑتی نظر آئیں گی، لیکن ان کی چھاؤنیوں میں فوجوں کی تعداد ان کی کاروں سے کئی گنا کم ہو گی۔ اسلحہ تھوڑا اور وہ بھی پرانے طرز کا ملے گا۔ انتہا یہ ہے کہ کویت جیسے دولت مند فوج کی تعداد کل پانچ ہزار اور طیاروں کی تعداد صرف آٹھ ہے۔

کتنے عبرت کا مقام ہے کہ بیس سال سے اسرائیل کا عالم یہ ہے کہ وہاں بچہ بچہ سپاہی بن رہا ہے، مگر اہلِ عرب کی باقاعدہ افواج بھی جدید مشینی جنگ کے ترقی یافتہ طریقوں کی تربیت نہیں رکھتیں۔ وہاں ملک کی دولت کا بیشتر حصہ دفاعی مقاصد پر صرف ہو رہا ہے، اور یہاں ہر ہر فرد اپنی رقم کا بہترین مصرف تفریح، تعیش اور آسائش کو سمجھتا ہے۔ وہاں جدید ترین اسلحے کی بھرمار ہو رہی ہے اور یہاں گھر گھر ٹیلی ویژن نصب ہیں۔ وہاں ٹینکوں کو مضبوط سے مضبوط تر بنایا جا رہا ہے اور یہاں کاروں میں ایئر کنڈیشنر لگانے کا شوق بڑھ رہا ہے۔ وہاں صنعتی اور تکنیکی میدان میں ترقی کے لئے شب و روز کوششیں ہو رہی ہیں، اور یہاں ترقی اور خوشحالی کا معیار رقص و سرود کو سمجھ لیا گیا ہے۔ وہاں مختلف اور متحارب جماعتیں اسلام کو مٹانے کے لئے متحد ہو رہی ہیں اور یہاں ابھی تک یہی طے نہیں ہو سکا کہ اتحاد کی بنیاد کیا ہو۔ خدارا سوچئے کہ ایسے حالات میں ہمیں اپنی شکست کا شکوہ کرنے کا کیا حق پہنچتا ہے!

(۴) اس شکست کا چوتھا اہم سبب یہ ہے کہ ہم نے عالمِ اسلام کے اتحاد کی کوشش کی بجائے دوسروں پر بھروسا کرنے کو ضروری خیال کر لیا ہے۔ بجائے اس کے کہ انڈونیشیا سے مراکش تک پورا عالمِ اسلام متحد ہو کر اپنے مسائل خود حل کرنے کی کوشش کرتا، آج اس کی نگاہیں کبھی روس اور کبھی امریکہ کی طرف سے مرکوز رہتی ہیں، حالانکہ قدم قدم پر ان طاقتوں کی بے وفائی مشاہدے میں آ چکی ہے۔ موجودہ جنگ میں عربوں کو روس پر اعتماد تھا، لیکن اس نے اس دوران جو شرمناک کردار ادا کیا، وہ ساری دنیا کے سامنے آ چکا ہے۔ مانا کہ جنگ کے بعد اس کی طرف اسرائیل کے خلاف بڑے زور شور کے بیانات جاری ہوئے، اس نے اقوام متحدہ کی نشستوں میں اسرائیل کی مذمت اور عربوں کی حمایت میں کھل کر تقریریں کیں، لیکن سوال یہ ہے کہ ان ہوائی تقریروں کے ذریعے کب تک دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکی جائے گی! اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ جو شخص دنیا میں جنگل کا قانون نافذ کرنا چاہتا ہو اس کا علاج تقریروں سے نہیں، شمشیروں سے ہوا کرتا ہے۔ جارحیت کی مذمت زبان سے نہیں، سنگینوں کی نوک سے کی جاتی ہے اور مظلوم کی فریاد رسی گول میزوں پر نہیں جنگ کے میدان میں ہوا کرتی ہے۔

اگر اخلاق و شرافت اور بین الاقوامی قوانین اسرائیل کی نگاہ میں کچھ وقعت رکھتے تو آج مشرق وسطیٰ میں فلسطین کا کوئی مسئلہ ہی سرے سے موجود نہ ہوتا۔ وہ ایک زہریلا

اژدہا ہے جسے قائل کرنے کے لئے عقل و خرد کی کوئی منطق کارگر نہیں ہو سکتی۔ اس کا علاج صرف ایک ہے' ایسا بھرپور وار جس کے بعد اسے سر اٹھانے کی جرأت نہ ہو سکے۔

میدانِ کارزار گرم ہونے کے وقت خاموش بیٹھے رہنا اور مظلوم کا قصہ پاک ہو جانے کے بعد شور مچانا دوستوں کا کام نہیں ہوتا' اور جو مظلوم ایسے شخص کو دوست سمجھنے کی غلطی کرے' اس کی سادگی پر اظہارِ تعجب کے سوا اور کیا کیا جا سکتا ہے! روس کے اس موجودہ شور و غل کا مقصد بظاہر اس کے سوا کچھ نظر نہیں آتا کہ بالآخر عربوں کو اسرائیل کے ساتھ سودے بازی پر آمادہ کر کے بیت المقدس کو بین الاقوامی شہر اور خلیج عقبہ کو بین الاقوامی شاہراہ قرار دے دیا جائے اور اس جنگ میں اسرائیل کی سب سے بڑی کامیابی اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے۔

عربوں کی شکست کے جو اسباب ہم نے اوپر بیان کئے ہیں' ان میں کوئی پیچیدگی' دقت یا ابہام نہیں ہے۔ یہ کوئی ایسا فلسفہ نہیں ہے جسے سمجھانے کے لئے طویل دلائل کی ضرورت ہو۔ یہ وہ سامنے کی باتیں ہیں جنہیں آج ہر ذی شعور مسلمان محسوس کر رہا ہے۔ یہ شکست ایک زبردست ٹھوکر ہے جو پورے عالمِ اسلام کو لگی ہے۔ یہ قدرت کا ایک تازیانہ ہے جو ہم سب کو بیدار ہونے کی دعوت دے رہا ہے اور اگر ہم خودکشی کا عزمِ صمیم کر کے نہیں بیٹھ گئے تو ہمیں ان کوتاہیوں کی تلافی کے لئے کمربستہ ہونا پڑے گا۔ یاد رکھئے کہ اسرائیلی جارحیت کا سیلاب ازخود کسی حد پر رکنے والا نہیں ہے جب تک کہ عالمِ اسلام اس پر یہ ثابت نہ کر دے کہ مسلمان ایک ایسی چٹان ہے جس سے ٹکرانا اپنے آپ کو پاش پاش کر ڈالنے کے مترادف ہے۔ زبانی دعوؤں کا وقت گزر چکا ہے' اب عملی کام کا وقت ہے اور اگر اب بھی ہمیں ہوش نہ آیا تو ہمارا انجام بڑا ہولناک ہو گا۔ آج اسرائیل نے بیت المقدس اور صحرائے سینا پر قبضہ جمایا ہے۔ کل وہ قاہرہ' دمشق اور بغداد کا رخ کرے گا اور پھر عالمِ اسلام کا کوئی گوشہ اس قہرِ الٰہی سے محفوظ و مامون نہ رہ سکے گا۔

اور اگر اس شکست نے ہمیں جہد پر آمادہ کر لیا تو یہ شکست کچھ مہنگی نہیں ہے۔ اگر ہم صحیح معنی میں مسلمان بن کر متحد ہو گئے تو اسرائیل کی تو ہستی کیا ہے' دنیا کی کوئی طاقت ہم پر بری نگاہ ڈالنے کی جرات نہ کر سکے گی۔''

جون ۱۹۶۷ء کی جنگ میں شکست کھانے کے بعد عربوں اور بالخصوص مسلمانانِ عالم کے لئے اسرائیل سے مفتوحہ علاقوں کی واپسی کا مسئلہ' ان کی اجتماعی و سیاسی زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ بن گیا۔ جون ۱۹۶۷ء سے آج جون ۲۰۰۲ء تک گزشتہ ۳۵ برسوں کی بین الاقوامی سیاسی تاریخ اسی مسئلے کے گرد گھومتی رہی ہے۔ ۲۲ نومبر ۱۹۶۷ء کو اقوام متحدہ کی سیکورٹی کونسل کی قرارداد نمبر ۲۴۲ اس مسئلے کے حل کے لئے پہلی اور بنیادی قرارداد تھی۔ اس میں یہ بات واضح کی گئی تھی کہ ''جنگ کے ذریعے علاقے پر قبضہ کرنا ایک قابلِ قبول عمل ہرگز نہیں۔'' اس میں وہ فارمولا درج تھا جو آج تک تمام امن کوششوں کا نقطۂ آغاز رہا ہے یعنی ''زمین برائے امن''۔

عرب ممالک نے اسرائیل کو اس بات کے بدلے امن کی پیش کش کی تھی کہ وہ تمام علاقے واپس کر دے جو اس نے ۱۹۶۷ء کی جنگ میں عربوں سے چھینے تھے۔ جب ۱۹۷۷ء میں لیکڈ (اتحاد) پارٹی برسرِاقتدار آئی اور مناخم بیگن وزیراعظم مقرر ہوا تو اسرائیل اور امریکہ کے درمیان قرارداد نمبر ۲۴۲ کی تشریح پر ایک بڑا تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا۔ بیگن کی دلیل یہ تھی کہ یہ قرارداد اردن کے مغربی کنارے پر نافذ نہیں ہوتی۔ اس علاقے کو لیکڈ پارٹی والے ''جوڈیا'' اور ''سامریہ'' کے قدیم ناموں سے پکارنے لگے تھے۔ حالانکہ پچھلی تمام اسرائیلی حکومتیں یہ بات مانتی رہی تھیں کہ یہ قرارداد تمام مفتوحہ علاقوں پر لاگو ہوتی ہے یعنی مشرقی یروشلم' غزہ کی پٹی' جولان کی پہاڑیاں' مغربی کنارہ' صحرائے سینا۔ امریکہ کا موقف یہ تھا کہ یہ قرارداد تمام محاذوں پر لاگو ہوتی ہے۔ ابتدا میں امریکہ کا موقف بہت سخت تھا لیکن ہر نئے الیکشن کے موقع پر (صدر جانسن' صدر ریگن' صدر جمی کارٹر وغیرہ) امریکہ کی پالیسی رفتہ رفتہ نرم ہوتی گئی۔ دوسری طرف وہ عربوں کو یقین دلاتا رہا کہ اسرائیل کو غیر مشروط طور پر عرب علاقے خالی کرنا ہوں گے۔

1969ء تا 1982ء

۱۹۶۷ء کی جنگ کی بعد والی فائر بندی کا جاری رہنا اسرائیل کی توسیع پسندانہ پالیسی کے موافق تھا' کیونکہ جب جنگ بند ہوئی تو اسرائیلی دستے' سوائے لبنان کے' تمام ہمسایہ عرب ممالک کی سرزمین پر تھے۔ فائر بندی جاری رہنے کا مطلب یہ تھا کہ اسرائیل اپنا غاصبانہ قبضہ کسی نقصان کے بغیر جمائے رکھے اور ساتھ ہی ان مفتوحہ علاقوں میں اپنی بستیاں بسائے جائے۔

اسرائیل کے وزیراعظم لیوی اشکول نے جنگ ختم ہوتے ہی اعلان کر دیا تھا: ''جو صورتِ حال آج تک رہی تھی' وہ دوبارہ کبھی نہیں ہو گی۔'' اس اعلان سے جو پیغام عربوں کو ملا وہ یہ تھا کہ اسرائیل مفتوحہ علاقوں پر دائمی قبضہ چاہتا ہے' اور اگر اقوام متحدہ اپنی قرارداد ۲۴۲ کے مطابق اسرائیل سے یہ علاقہ خالی کروانا چاہتا ہے تو اس کے لئے فوجی دباؤ کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں۔

چنانچہ ۱۹۶۸ء کے دوران میں چھوٹی چھوٹی سرحدی جھڑپوں کا آغاز ہو گیا۔ مصر کے صدر ناصر نے متعدد بار اعلانیہ انتباہ دیا کہ اگر اسرائیل نے مصری علاقوں پر اپنا قبضہ جاری رکھا تو وہ اس کو طاقت کے بل پر واپس لیں گے۔ صدر ناصر کے بقول ''ہماری اولین اور اہم ترین ترجیح اس جنگ میں فوجی محاذ کو حاصل ہے۔ مصریوں کو یہ جان لینا چاہئے کہ دشمن لڑائی کے بغیر یہ علاقہ خالی نہیں کرے گا۔''

۱۹۶۹ء کی 'جنگِ رگڑا' ہونے کی ایک بڑی وجہ ستمبر ۱۹۶۸ء میں اسرائیل کا یہ فیصلہ بھی تھا کہ نہر سوئز کے ساتھ ساتھ بارلیف لائن تعمیر کی جائے۔ یہ نہر سوئز کی پوری لمبائی یعنی ۱۰۱ میل تک لمبی' نہایت مضبوط فوجی چوکیوں اور مورچوں کی قطار تھی۔ بارلیف لائن کا مقصد نہر کے باہر ہونے والے مصری توپ خانے کے حملوں کو روکنا تھا' لیکن مصریوں کی نگاہ میں یہ اسرائیل کے اس عزم کا اظہار تھا کہ وہ نہر سوئز پر مستقلاً اپنے دستے تعینات کر کے جزیرہ نما سینا پر قبضہ برقرار رکھنا چاہتا ہے۔

۸ مارچ ۱۹۶۹ء کو جنگ شروع ہوئی' جب مصریوں نے نہر سوئز کے مشرق میں واقع بارلیف لائن کی انتہائی طاقتور اسرائیلی چوکیوں پر گولہ باری کی ابتدا کی اور ساتھ ہی کمانڈو دستوں نے کارروائی کی۔ جنگ ختم ہونے سے پیشتر اسرائیل نے اپنے نئے حاصل شدہ ایف ۴ امریکی طیاروں سے مصر کے اندر دور تک بمباری کی۔ شہریوں کا بے پناہ نقصان ہوا اور قاہرہ کے قریبی علاقوں کو نشانہ بنایا گیا۔

سوویت یونین نے ایک نہایت غیر معمولی اقدام کیا' یعنی مصر کی فضائی حدود کے دفاع کے لئے اپنے طیارے اور پائلٹ بھیج دیئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک مرتبہ پھر سپر طاقتیں آپس میں ٹکرا جائیں گی۔ روسی مداخلت نے امریکہ کو مجبور کر دیا کہ وہ فائر بندی کروائے جو اس نے اگست ۱۹۷۰ء میں کروا دی۔ جنگ کے اختتام پر اسرائیل نے سرکاری طور پر اپنی فتح کا اعلان کیا' کیونکہ اس کے دستے اب بھی نہر سوئز کے مشرق میں مصر کی سرزمین پر موجود تھے۔

۱۹۶۹ء کی بے کار جنگ کا ایک واقعہ عالمِ اسلام میں اندوہ و غم اور انتقام کی آگ دہکا گیا۔ ۱۹/اگست ۱۹۶۹ء کو یہودیوں نے انتہائی بے شرمی سے مسجد اقصیٰ کو آگ لگا دی' جس سے صلاح الدین ایوبی کا بنوایا ہوا تاریخی منبر بھی جل گیا۔ یہودیوں نے مسجد اقصیٰ کو یک لخت ڈھا دینے کے بجائے تمہید کے طور پر اس کو آگ لگائی' تا کہ ایک طرف دنیائے اسلام کا ردِعمل دیکھ لیا جائے اور دوسری طرف یہودی قوم کو آخری کارروائی کے لئے بتدریج تیار کیا جائے۔

اس واقعے نے پوری دنیائے اسلام میں غم و غصہ کی لہر دوڑا دی۔ مسجد اقصیٰ کو آگ لگا کر اسے مکمل طور پر مسمار کرنا ''عظیم تر اسرائیل'' کی سازش کا ایک حصہ سمجھا گیا۔ بعد میں جب یہودیوں نے مسجد اقصیٰ کی دیواروں کے قریب ہیکل سلیمانی کے آثار معلوم کرنے کے لئے کھدائی شروع کی تو ان شبہات کو مزید تقویت ملی کہ یہودی مسجد

اقصیٰ کوکسی نہ کسی بہانے سے گرا کر اس کی جگہ ہیکل سلیمانی ازسرِنو تعمیر کرنا چاہتے ہیں جس کا نقشہ بھی یہودی انجینئروں نے تیار کر رکھا ہے۔

مسجد اقصیٰ میں آتش زنی کا جو واقعہ پیش آیا' اس نے پورے عالمِ اسلام کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ اس ضمن میں ۲۵ اگست کو قاہرہ میں عرب لیگ کے چودہ رکن ممالک کے وزرائے خارجہ کا اجلاس منعقد ہوا جس میں متفقہ طور پر سعودی عرب کے شاہ فیصل اور مراکش کے شاہ حسن دوم کو اختیار دیا گیا کہ دنیا بھر کے اسلامی ممالک کے سربراہوں کی کانفرنس بلانے کا انتظام کریں۔ چنانچہ ۲۲ ستمبر ۱۹۶۹ء کو رباط (مراکش) میں اسلامی ممالک کے سربراہوں کا تین روزہ اجلاس شروع ہوا' جس میں اسلامی ممالک کی تنظیم (او آئی سی) کی بنیاد ڈالی گئی۔ آج اس تنظیم کے ارکان کی تعداد ۵۶ ہے۔

۱۹۷۳ء کی جنگ رمضان

اسے جنگ رمضان یا یومِ کپور جنگ یا جنگِ اکتوبر کے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ ۱۹۶۹ء کی جنگ کی مانند اب بھی عربوں کا مقصد اپنے وہ علاقے واگزار کروانا تھا جو ۱۹۶۷ء کی جنگ سے اب تک اسرائیل نے قبضہ رکھے تھے۔ یہ جنگ ۶ اکتوبر سے ۲۵ اکتوبر تک جاری رہی۔

۱۹۷۰ء میں صدر ناصر کی وفات پر صدر انور سادات نے مصر کی صدارت سنبھالتے ہی تین ماہ کے اندر اندر صدر نکسن کو ایک فوری خفیہ پیغام بھجوایا: ''میں امن چاہتا ہوں' جلدی کیجئے۔'' وائٹ ہاؤس نے یہ پیغام نظر انداز کر دیا کیونکہ قومی سلامتی کا مشیر ہنری کسنجر اسرائیل کے اس موقف سے متفق تھا کہ سادات سنجیدہ رہنما نہیں ہے اور ممکن ہے' وہ زیادہ دیر اقتدار میں نہ رہے۔

۱۹۷۱ء کے دوران انور سادات نے اسرائیل کے انخلاء کا مطالبہ بار بار اعلانیہ دہرایا۔ اس نے خبردار کیا کہ یہ سال فیصلہ کن ہوگا۔ اسرائیل کو یہ علاقہ جنگ سے یا امن سے خالی کرنا پڑے گا۔ اسرائیل نے جواباً کہا: ''ہم ۵ جون ۱۹۶۷ء سے پہلے والی سرحدوں پر واپس نہیں جائیں گے۔''

۱۹۷۲ء میں انور سادات نے ڈرامائی طور پر تمام روسی مشیر مصر سے نکال باہر کئے۔ روس مصر کا بڑا حمایتی تھا۔ سادات کو امید تھی کہ امریکہ اسرائیل کو باہمی امن قائم کرنے پر مجبور کر دے گا۔ ۱۹۷۳ء کے اوائل میں سادات نے کسنجر سے اپنے ایک اعلیٰ عہدے دار کی وساطت سے خفیہ مذاکرات کرائے تا کہ کوئی پر امن حل نکل آئے' لیکن کسنجر کو پھر بھی سادات کی اہلیت و متانت پر شک ہی رہا۔ اس نے ۳۰ اکتوبر کے متوقع اسرائیلی انتخابات ہو جانے تک کوئی قدم اٹھانے سے انکار کر دیا۔

جنگ سے دو ماہ پیشتر وزیر دفاع موشے دایان نے اعلیٰ فوجی قیادت کو بتایا کہ ''طاقت کا توازن ہمارے حق میں ہے۔ عرب فوراً جنگ شروع نہیں کر سکتے۔'' جنرل ایرل شیرون (موجودہ وزیراعظم) نے اعلان کیا ''بغداد اور خرطوم کے درمیان' لیبیا سمیت' ایسا کوئی ٹارگٹ نہیں جو ہماری فوج فتح نہ کر سکے۔'' اسرائیلیوں کی خود اعتمادی کا یہ حال تھا کہ وزیر دفاع موشے دایان نے اسرائیلیوں پر زور دیا کہ وہ مقبوضہ علاقوں میں آباد ہو جائیں' کیونکہ عرب اسرائیلی مذاکرات کا دس پندرہ برس تک کوئی امکان نہیں۔

اپریل ۱۹۷۳ء میں سادات نے ایک انٹرویو میں کہا: ''حالات بے حد حوصلہ شکن ہیں' اس کو ہم ناامیدی ہی کہہ سکتے ہیں۔ میں نے جس دروازے پر دستک دی' اسرائیل نے اسے میرے منہ پر دے مارا۔ امریکی ان کی پیٹھ ٹھونکتے رہے۔ وقت آن پہنچا ہے کہ ہم کوئی چونکا دینے والا کام کریں۔''

۶ اکتوبر کو جب اسرائیلی اپنا مقدس تہوار ''یومِ کپور'' منا رہے تھے' مصر اور شام کی فوجوں نے اسرائیل پر اچانک حملہ کر دیا۔ اس جنگ میں عربوں کا پلہ بھاری رہا' لیکن اقوام متحدہ کی سکیورٹی کونسل نے امریکہ کی تجویز پر سیز فائر کرا

We supply world's Finest engineering & Test Equipments

- **Protection Relays:** Complete Power distribution and monitoring relays, Motor Protection, Current, Voltage, Power and frequency relays.
- **Power Generation relays:** excitation loss relay, over current relay, earth fault relay, power relay, voltage relays, etc.
- **Synchronization:** Complete synchronizing equipment including synchronizers, load sharers, synchroscopes, etc, for parallel running generators.
- **Test Equipments:** Complete Test Equipments for Low/Medium/High Voltage Distribution networks.
  Complete Test Equipment for Energy meter Testing.
  Complete Test Equipment for Transformers.
- **Panel Instruments:** Ammeters, Voltmeters, Wattmeters, VAr meters, Frequency meters, Power Factor meters.
- **Circuit Breakers:** Vaccum Circuit Breakers, Miniature Circuit Breakers, Earth Leakage Circuit breakers.
- **Process Equipment:** Temperature, Pressure, Flow, Vibration and Level Sensors, Temperature Controllers.
- **Speakers:** Complete range of loud speaker parts and accessories. Including car speakers & Magnets.

ZEB

Zeb Traders

23, Nisbet Road, P.O.Box 860, Lahore-54000(Pakistan)
Phone: (042) 7221383 ,7355375 Fax: (042) 7234770
Email: zebtr@lhr.comsats.net.pk

دیا جس سے پھر حساب برابر ہو گیا۔ البتہ اس جنگ میں اسرائیل کو کافی نقصان ہوا۔

۹ نومبر ۱۹۷۷ء کو اسرائیل اور فلسطین کی باہمی تاریخ میں ڈرامائی پیش رفت ہوئی جب مصر کے انور السادات نے اعلان کیا وہ امن مذاکرات کے لئے آمادہ ہے اور اس کی خاطر وہ کہیں بھی' جانے کے لئے ہمہ وقت تیار ہے۔ ۱۵ نومبر کو اسرائیلی وزیراعظم بیگن نے انہیں اسرائیل آنے اور اسرائیلی پارلیمنٹ (Knesset) سے خطاب کرنے کی دعوت دی۔ چار دن کے بعد ہی سادات جب اسرائیل پہنچے تو پوری دنیا کو امید تھی کہ امن مذاکرات کامیاب ہوں گے' لیکن کوئی امن معاہدہ نہ ہو سکا۔ ۱۴ مارچ ۱۹۷۹ء کو اسرائیلی پارلیمنٹ نے امن معاہدے کی منظوری دی اور بارہ دن بعد انور السادات اور بیگن نے اس پر دستخط کئے۔ یہ معاہدہ امریکی صدر جمی کارٹر کی موجودگی میں "کیمپ ڈیوڈ" میں ہوا' اس لئے اسے "کیمپ ڈیوڈ معاہدہ" بھی کہا جاتا ہے۔ معاہدے کے مطابق اسرائیل نے صحرائے سینا سے اپنی فوجیں واپس بلا لیں اور مصر کو واپس کر دیا۔ ۲۹ مئی کو دونوں ملکوں نے ایک دوسرے کے استعمال و مفاد کے لئے اپنی اپنی سرحدیں کھول دیں۔

اسرائیل کے مفتوحہ علاقے بازیاب کرانے کی غرض سے متعدد کوششیں ہوئیں' لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ بالآخر فلسطین کے عوام اور تنظیم آزادی فلسطین (پی ایل او) کی مسلسل کاوشوں سے اگست ۱۹۸۰ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے خصوصی اجلاس میں مسئلہ فلسطین پر ایک قرارداد منظور ہوئی۔ اس قرارداد کے اہم نکات یہ ہیں:

۱) یروشلم سمیت تمام فلسطینی علاقوں اور دیگر عرب علاقوں سے یہودیوں کا انخلاء
۲) مہاجرین کی اپنے وطن کو واپسی اور اصلی گھروں میں بحالی
۳) بیرونی مداخلت کے بغیر فلسطینی قوم کا حق خود ارادیت تسلیم کیا جائے۔
۴) فلسطینیوں کا یہ حق تسلیم کیا جائے کہ وہ ایک آزاد اور خودمختار مملکت قائم کریں۔
۵) تنظیم آزادیٔ فلسطین کے اس حق کی توثیق کی گئی کہ وہ اقوام متحدہ کے ڈھانچے کے اندر رہتے ہوئے فلسطین اور مشرق وسطیٰ کے مسائل پر برابری کی سطح پر مذاکرات میں حصہ لے۔
۶) اس بنیادی اصول کی توثیق کہ کسی قوم کو کسی دوسری قوم کے علاقے جبراً اپنے آپ میں مدغم کرنے کا حق نہیں۔
۷) اسرائیل سے مطالبہ کہ وہ جون ۱۹۶۷ء سے قبضے میں لائے ہوئے فلسطینی اور دوسرے عرب علاقوں سے اپنی فوج کا مکمل اور غیر مشروط انخلاء کرے' اور یہ عمل ۱۵ نومبر ۱۹۸۰ء سے پہلے شروع ہو جائے گا۔
۸) اسرائیل اقوام متحدہ کی ان تمام قراردادوں کی پابندی کرے' جن کا تعلق فلسطین کے مسئلے سے ہے' بالخصوص یروشلم کے شہر کے بارے میں قرارداد پر عمل کرے۔
۹) ایسی تمام تجاویز کی مخالفت' جن کا منشا یہ ہے کہ فلسطینی مہاجرین کو اپنے وطن سے باہر آباد کیا جائے۔
۱۰) اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل سے درخواست کہ وہ سلامتی کونسل اور جنرل اسمبلی کی پہلے سے منظور شدہ قرارداد پر عمل درآمد کرانے کے لئے مناسب کارروائی کریں اور اسمبلی کے ۳۵ ویں اجلاس میں رپورٹ پیش کریں۔
۱۱) اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل سے درخواست کہ اگر اسرائیل اس قرارداد پر عمل نہ کرے تو وہ اپنا اجلاس طلب کر کے اقوام متحدہ کے منشور کے ساتویں باب کے تحت کارروائی کریں۔ ۱۷ دسمبر ۱۹۸۰ء کو جنرل اسمبلی نے پاکستان سمیت غیر جانبدار ممالک کی ایک قرارداد بھاری اکثریت سے منظور کر لی' جس میں کہا گیا ہے کہ فلسطینیوں کی آزاد مملکت قائم کی جائے۔ قرارداد میں کہا گیا کہ تنظیم آزادی فلسطین کو کسی بھی امن معاہدے میں مساوی فریق کے طور پر شریک کیا جانا چاہئے۔

اپریل ۱۹۸۲ء تک اسرائیل نے صحرائے سینا سے اپنی بیشتر فوج واپس بلا لی' لیکن ۸ جون کو اسرائیل نے جنوبی لبنان پر چڑھائی کر دی اور کئی علاقوں پر قبضہ کر لیا' جہاں پی ایل او کے رضاکار کیمپ موجود تھے۔ ۱۰ جون کو بیروت پر بھی حملہ کر دیا۔ پی ایل او کے مجاہدین کا بیروت سے انخلاء۔ یاسر عرفات اور ان کے عملے کی تیونس روانگی۔ صابرا اور شتیلا کے کیمپوں میں غیر مسلح فلسطینیوں کا قتلِ عام۔

1983ء تا 1999ء

اسرائیل کی حدود میں رہنے والے یہودیوں اور مسلمانوں کے مابین بھی مسلسل آویزش رہتی ہے۔ جب اسرائیل کی مملکت قائم ہوئی تھی تو زیادہ تر عرب یہاں سے چلے گئے تھے لیکن جو باقی رہ گئے' وہ بھی اسرائیل کی آبادی کا پانچواں حصہ ہیں۔ ان عربوں میں دو تہائی مسلمان ہیں اور ایک تہائی عیسائی اور دروز ہیں۔ چنانچہ ۱۹۸۷ء میں فسادات پھر پھوٹ پڑے۔ مغربی کنارے اور غزہ پٹی میں رہنے والے فلسطینیوں نے "انتفاضہ" کی نئی گوریلا تنظیم کے تحت بھرپور حصہ لیا۔ اسرائیلی پولیس نے ان کے خلاف سخت تشدد کیا۔ فلسطینیوں کی زمین پر یہودیوں نے بڑی بڑی بستیاں آباد کرنا شروع کیں تو اس سے بھی جذبات مشتعل ہوئے۔

۱۹۸۸ء: اردن نے مغربی کنارے سے متعلق اپنے دعوے کی تردید کر دی۔ ابو جہاد کو اسرائیل کی ایک حملہ آور ٹیم نے ہلاک کر دیا۔

۱۹۸۹ء: تنظیم آزادیٔ فلسطین کے قائد یاسر عرفات نے اسرائیل کا وجود تسلیم کر لیا' مگر اس شرط کے ساتھ کہ اسرائیل کے پہلو بہ پہلو فلسطین کو بھی ایک آزاد اور خودمختار مملکت تسلیم کیا جائے۔

۱۹۹۱ء: خلیج کی جنگ کا آغاز' متعلقہ فریقین میں امریکہ اور روس کی سرپرستی میں میڈرڈ میں مذاکرات ہوئے۔ اسرائیل' فلسطین' اردن' شام اور لبنان نے شرکت کی۔

مذاکرات دو حصوں پر مشتمل تھے۔ اول: اسرائیل اور شام' لبنان' اردن اور فلسطین کے درمیان باہمی گفت و شنید اور مسئلے کے حل پر غور و خوض۔ دوم' تمام فریقوں کے درمیان ان پانچ مسائل پر مذاکرات: پانی' پناہ گزین' ماحول' معاشی ترقی اور تحفظ و سلامتی۔

۱۹۹۲ء: اسرائیل کے نئے انتخابات میں رابن وزیراعظم بن گئے۔

۱۹۹۳ء: "اوسلو معاہدہ" ہوا جس کے تحت یاسر عرفات اور اسرائیل کے درمیان طے پایا کہ آئندہ پانچ سال کے دوران میں مغربی کنارے اور غزہ پٹی کے فلسطینی عربوں کو سیاسی خودمختاری حاصل ہو جائے گی۔

۱۹۹۴ء: اسرائیل اور اردن کے درمیان "معاہدۂ امن" ہوا۔ ایسا معاہدہ اب تک اسرائیل نے شام اور لبنان کے ساتھ نہیں کیا۔ اوسلو معاہدے کے پہلے مرحلے کے تحت غزہ پٹی اور مغربی کنارے کے فلسطینیوں کو خودمختاری حاصل ہو گئی۔

۱۹۹۵ء: اوسلو معاہدے کے دوسرے مرحلے کے تحت مغربی کنارے کے جن علاقوں میں فلسطینیوں کی اکثریت تھی' وہاں انہیں مزید خودمختاری حاصل ہو گئی۔ ۴ نومبر کو اسرائیل کے وزیراعظم رابن کو ایک یہودی انتہاپسند نے قتل کر دیا۔

۱۹۹۶ء: مئی میں اسرائیل میں نئے انتخابات ہوئے۔ بنجمن نیتن یاہو معمولی اکثریت سے وزیراعظم منتخب ہوئے۔ انہوں نے "اوسلو معاہدے" پر حرف بہ حرف عمل کرنے سے انکار کر دیا اور چند نئی شرائط عائد کر دیں اور فلسطینیوں کو موعودہ مراعات دینے سے انکار کر دیا۔ جنوری ۱۹۹۶ء میں فلسطین میں انتظامی کونسل کے ارکان کے لئے انتخاب ہوا۔ یاسر عرفات کو آزاد فلسطین کا صدر منتخب کیا گیا۔

۱۹۹۷ء: جنوری میں حبرون میں اسرائیل اور فلسطین کے درمیان "امن معاہدہ" ہوا جس کی رو سے طے پایا کہ شہر سے اسرائیلی فوج نکال لی جائے گی' لیکن اس معاہدے پر اس لئے عمل نہ ہو سکا کہ مارچ میں یہودیوں نے مغربی کنارے کے علاقے میں اپنی نئی بستیاں تعمیر کرنا شروع کر دیں۔ یہودیوں نے کہا کہ سوویت یونین کے زوال کے

بعد سات لاکھ سے زیادہ روسی یہودی اسرائیل میں پناہ گیر ہو چکے ہیں' اس لئے تازہ بستیاں آباد کرنا ضروری ہے' لیکن فلسطینیوں کا خیال تھا کہ یہ مسلمانوں کو مستقل اقلیت میں رکھنے ان کے حقوق و مفادات کے درمیان کشمکش جاری ہے۔ اسرائیلی حکومت نے مشرقی یروشلم میں بھی یہودی بستیاں اور فلیٹ تعمیر کرنے کی اجازت دے دی ہے جو فلسطینی مسلمانوں اور عیسائیوں کو کسی طرح منظور نہیں۔

۱۹۹۷ء ہی میں حماس کے فدائین نے گوریلا جنگ شروع کر دی اور ان کے خودکش حملوں سے عام یہودی شہریوں کی زندگی تنگ ہونے لگی۔ اسرائیل کے وزیراعظم نیتن یاہو نے اس کا ذمہ دار فلسطینی اتھارٹی کے صدر یاسر عرفات کو ٹھہرایا' اور اسرائیل میں رہنے والے عربوں کے خلاف مظالم ہونے لگے۔ طرح طرح کی پابندیاں عائد کر دی گئیں' یہاں تک ان پر بھاری ٹیکس لاگو کر دیے گئے' اور یہ ''اوسلو معاہدے'' کی صریحاً خلاف ورزی تھی۔ وزیراعظم نے یہودیوں پر زور ڈالا کہ وہ مشرقی یروشلم میں جلد سے جلد' زیادہ سے زیادہ نئی بستیاں اور نئے فلیٹ تعمیر کریں۔

اکتوبر ۱۹۹۸ء میں اسرائیلی وزیراعظم اور یاسر عرفات میں مذاکرات ہوئے اور ۱۹۹۳ء کے امن معاہدے کے بعد جو نئے مسائل پیدا ہو گئے تھے' ان کے حل نکالے گئے۔ یاسر عرفات نے منظور کر لیا کہ وہ اپنے منشور سے وہ جملہ حذف کر دیں گے جس میں یہودی ریاست کو تباہ و برباد کرنے کا عزم ظاہر کیا گیا ہے۔ اسرائیل نے مغربی کنارے کا مزید ۱۳ فیصد علاقہ چھوڑنے کا اقرار کیا۔

۲۰ نومبر کو اسرائیل نے مغربی کنارے کے موعودہ علاقے سے اپنی فوج واپس بلالی' ۲۵۰ فلسطینی قیدیوں کو رہا کر دیا' غزہ میں ہوائی اڈہ بنانے کی اجازت دے دی اس کے باوجود امن قائم نہ ہو سکا۔ فلسطینی قیدیوں کی رہائی کے مسئلے پر اختلاف پیدا ہونے کی وجہ سے مغربی کنارے اور غزہ میں تشدد کی نئی لہر اٹھی' جس کے لئے فریقین نے ایک دوسرے کو موردِ الزام ٹھہرایا۔ ''اوسلو معاہدے'' کو ختم ہونے سے بچانے کے لئے امریکہ کے صدر کلنٹن نے ۱۵ دسمبر کو غزہ پٹی کا دورہ کیا۔ وہ پہلا امریکی صدر تھا جس نے فلسطینی عربوں کے علاقے کا دورہ کیا تھا۔ یہ دورہ اتفاق سے اس وقت ہوا جب فلسطینی نیشنل کونسل کے لئے انتخابات اسرائیلی وزیراعظم پر حزب اختلاف کی جانب سے دوطرفہ دباؤ بڑھ رہا تھا۔ بائیں بازو کی جماعتوں کا الزام یہ تھا کہ وہ دیدہ دانستہ امن معاہدے کی خلاف ورزی کر رہا ہے اور دائیں بازو کی جماعتیں پچھتا رہی تھیں کہ انہوں نے نیتن یاہو کو الیکشن میں جتوا کر غلطی کی۔ اس نے انتخابات کے دوران قوم سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اسرائیل کی سرزمین کا ایک انچ رقبہ بھی نہیں چھوڑے گا' لیکن اب اس نے فلسطینیوں کو مغربی کنارہ اور غزہ پٹی کا سارا علاقہ حوالے کر دیا ہے۔

چنانچہ دسمبر ۱۹۹۸ء کے وسط میں پارلیمنٹ نے حکومت کالعدم قرار دے کر نئے الیکشن کرانے کا فیصلہ کیا' جس سے امن مذاکرات پھر التوا میں پڑ گئے۔

اپریل ۱۹۹۹ء میں اسرائیل نے لبنان میں حزب اللہ کے گوریلا کیمپوں پر ۳۱ ہوائی حملے کئے۔ یہ گوریلے ان اسرائیلی فوجی دستوں کے خلاف لڑ رہے تھے جو ۱۹۸۵ء سے لبنان کی سرحد پر جمے بیٹھے تھے تاکہ اسرائیلی سرحد کا تحفظ ہو سکے۔ اسرائیلی عوام کے اس مطالبے میں شدت پیدا ہوئی کہ ان فوجی دستوں کو لبنانی سرحد سے واپس بلایا جائے۔ یہی عوامی مطالبہ ۱۹۹۹ء کے الیکشن میں تحریک کی صورت اختیار کر گیا۔ لیبر پارٹی کا امیدوار بارک ۵۵ فیصد ووٹ حاصل کر کے کامیاب قرار پایا اور نیتن یاہو ہار گیا۔ یاسر عرفات ۴ مئی کو ''آزاد فلسطین'' کے قیام کا اعلان کرنے والے تھے' لیکن انہوں نے اپنا یہ فیصلہ ملتوی کر دیا' تاکہ اسرائیل کی نئی حکومت اور خصوصاً انتہاپسندوں کو اپنے رویے میں نرمی اختیار کرنے کا موقع دیا جائے۔

بارک نے مخلوط حکومت بنائی اور ۶ جولائی ۱۹۹۹ء کو وزارت عظمیٰ کا عہدہ سنبھالتے وقت اپنی تقریر میں اعلان کیا: ''میرے نزدیک سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ مشرق وسطیٰ میں سوسالہ پرانی کشیدگی ختم کی جائے۔'' اس کا مقصد

دعوت فکر

مسلمان سوچیں!

PEPSI: Pay Each Penny to Save Israel

''کوکا کولا'' نے فلسطینیوں کی نسل کشی کے لئے اسرائیل سے تعاون کا اعلان کر دیا

اسلام آباد (نمائندہ خصوصی): دنیا بھر کے مقبول ترین مشروب کوکا کولا نے اپنی چار دن کی آمدنی اسرائیل کو دینے کا اعلان کر دیا ہے۔ اس بات کا انکشاف امریکی نشریاتی ادارے این بی سی ٹیلی ویژن نے اپنی ایک رپورٹ میں کیا۔ عالمی معیشت پر یہودی لابی کے قبضہ اور بالخصوص ترقی پذیر ممالک سے ملٹی نیشنل کمپنیوں کو حاصل ہونے والی آمدنی بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر اسرائیل کے استحکام کے لئے بروئے کار لائی جاتی ہے' جس کی سب سے بڑی وجہ ملٹی نیشنل کمپنیوں کے مالکان کا یہودی ہونا ہے جو اپنے نظریاتی ملک اسرائیل کے استحکام اور بقا کے لئے ہر قسم کی مالی معاونت کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ این بی سی نے دعویٰ کیا ہے کہ کوکا کولا نے دو مئی تک کی اپنی آمدنی اسرائیل کو دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ دنیا بھر میں مقبول ایک اور سافٹ ڈرنک پیپسی کی بھی یہودی ملکیت ہونے کا دعویٰ کیا جاتا رہا ہے بلکہ پیپسی کا نام بھی ''اپنا ایک ایک پیسہ اسرائیل کے تحفظ کے لئے جمع کرو'' کی اپیل کو مختصر کر کے بنایا گیا ہے کیونکہ پیپسی Pay Each Penny to Save Israel کا مخفف ہے۔ اسلامی دنیا میں عرصہ دراز سے اسلامی تنظیموں کی جانب سے ان مشروبات اور ملٹی نیشنل کمپنیوں کی اشیاء کے بائیکاٹ کی مہم چلائی جاتی رہی ہے مگر ان کمپنیوں کی جانب سے اپنی طاقتور اشتہاری مہمات کی وجہ سے بچے بچے کی زبان پر ان اشیاء کا نام ہے' بالخصوص کوکا کولا اور پیپسی جیسے مشروبات مہذب طرز زندگی کا ایک لازمی جزو بن چکے ہیں۔ مگر ان کمپنیوں کی جانب سے اسرائیل کے ساتھ اپنی جذباتی اور نظریاتی وابستگی کے کھلے عام اعلان کے بعد ہر مسلمان کے لئے سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا ہم فلسطینیوں پر حملے کے لئے استعمال ہونے والے اسلحے کی قیمت اپنی جیب سے تو ادا نہیں کر رہے ہیں!

(ہفت روزہ ضرب مومن' ۱۰ تا ۱۶ مئی ۲۰۰۲ء)

اسرائیل اور امریکہ کے اسلام دشمن اقدامات کے خلاف احتجاج کے طور پر

غیر ملکی مشروبات کا بائیکاٹ کیجئے!

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ کوکا کولا اور پیپسی کولا اور ان جیسے تمام غیر ملکی مشروبات (Soft Drinks) کا اصل منافع اسرائیلی یہودیوں کو جاتا ہے۔ اسرائیل اس وقت پوری دیدہ دلیری کے ساتھ اسلام کو مٹانے کے درپے ہے اور فلسطینی مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ رہا ہے۔ للہٰذا ان تمام مشروبات کا بائیکاٹ کرنا ہر مسلمان کے غیرت و حمیت ایمانی کا تقاضا ہے!

الداعی: تنظیم اسلامی

یہ تھا کہ فلسطینیوں سے بامعنی امن کی بات چیت کی جائے' شام سے تعلقات بہتر بنائے جائیں' جنوبی لبنان کی سرحدی جھڑپیں دور کی جائیں جہاں ایرانی اسلحہ سے لیس حزب اللہ کے گوریلا اسرائیل کی شمالی سرحدوں پر گاہے گاہے طوفان مچاتے رہتے ہیں۔

ستمبر ۱۹۹۹ء میں اسرائیل نے امن معاہدے کی رو سے مفتوحہ علاقے کا مزید سات فی صد رقبہ فلسطینیوں کے حوالے کر دیا۔

دسمبر میں چار سالہ تعطل کے بعد اسرائیل اور شام کے مابین مذاکرات ہوئے۔ شام کے نزدیک اچھے تعلقات کے لئے پہلی شرط یہ تھی کہ اسرائیل جولان کی پہاڑیاں خالی کر دے۔ اسرائیل کا نقطہ نظر یہ تھا کہ جولان کی پہاڑیاں شام اور اسرائیل کے درمیان بفرزون کی حیثیت رکھتی ہیں' اس لئے جب تک شام اسرائیل کے تحفظ کی ضمانت نہ دے' یہ پہاڑیاں خالی نہیں کی جائیں گی۔ یوں جنوری ۲۰۰۰ء میں مذاکرات ناکام ہوئے۔

۱۹۹۹ء کے اختتام تک آزاد فلسطینی اتھارٹی نے' یاسر عرفات کی قیادت میں غیر اسرائیلی علاقوں پر مکمل کنٹرول حاصل کر لیا۔ تمام حکومتی فرائض و اختیارات سنبھال لئے۔ لیکن مستقل امن کا قیام' مغربی کنارے اور غزہ پٹی میں حکومت خود اختیاری کا مسئلہ اب بھی معرض التوا میں تھے۔ ۱۹۹۹ء میں بارک اسرائیل کا وزیراعظم منتخب ہوا تو فلسطینیوں کو اس سے خوش آئند توقعات وابستہ ہو گئی تھیں' کیونکہ اسے اعتدال پسند متوازن لیڈر سمجھا جاتا تھا۔

2000ء کا سلسلۂ واقعات

جنوری: شام اور اسرائیل کے مذاکرات ناکام ہوئے۔ اسرائیل نے جولان کی پہاڑیاں خالی کرنے سے انکار کر دیا۔

فروری: جنوبی لبنان کی سرحد پر قابض اسرائیلی دستوں پر حزب اللہ کے نئے حملے شروع ہوئے۔ جواب میں اسرائیل نے شدید بمباری کی۔ اسرائیل کے وزیراعظم بارک نے اعلان کیا کہ شام کے ساتھ کوئی امن معاہدہ ہو یا نہ ہو' جولائی تک اسرائیلی فوج لبنان سے واپس بلا لی جائے گی۔

۲۴ مئی کو اسرائیل نے ۲۲ سالہ قبضے کے بعد اپنی فوج لبنان سے واپس بلا لی۔

جولائی میں کیمپ ڈیوڈ میں یاسر عرفات اور بارک کے مابین پھر امن مذاکرات ہوئے' لیکن پھر ناکام ہوئے' حالانکہ صدر کلنٹن نے کامیاب بنانے کی سرتوڑ کوشش کی۔ مذاکرات ناکام ہونے کی بڑی وجہ یروشلم تھی۔ یاسر عرفات اپنے اس موقف پر سختی سے ڈٹے رہے کہ سارا یروشلم ہمارا ہے۔ صدر کلنٹن نے یاسر عرفات کے سخت رویے کی مذمت کی' لیکن اہل فلسطین نے خراج تحسین پیش کیا۔ مذاکرات کی ناکامی سے اسرائیل میں بارک کی مخلوط حکومت خطرے میں پڑ گئی۔

۱۳ دسمبر وہ تاریخ تھی جب یاسر عرفات کو ''آزاد فلسطین'' قائم کرنے کا اعلان کرنا تھا' لیکن اسرائیل کے ساتھ ایک بار پھر مذاکرات کی ناکامی کے بعد اعلان آزادی ایک بار پھر ملتوی کرنا پڑا۔ یاسر عرفات اپنے اس دعوے پر ڈٹے رہے کہ یروشلم ہمارا ہے اور آزاد فلسطین کا دارالحکومت یروشلم ہی ہوگا۔

۲۸ ستمبر: اسرائیل میں حزب اختلاف کے سخت گیر اور انتہا پسند لیڈر اریل شیرون یروشلم میں ایک ایسے مذہبی مقام کا دورہ کرتے ہیں جو یہودیوں اور مسلمانوں دونوں کے نزدیک مقدس ہے۔ اس دورے سے فلسطینیوں کے جذبات بھڑک اٹھتے ہیں۔ درجنوں پولیس والے اور سینکڑوں فلسطینی اس دورے کے نتیجے میں ہونے والے فساد میں زخمی ہو جاتے ہیں۔

۲۹ ستمبر: چھ فلسطینی ہلاک اور تقریباً ۲۰۰ زخمی ہو جاتے ہیں' جب اس مقام پر فساد برپا ہو جاتا ہے جسے یہودی ''ٹمپل ماؤنٹ'' اور مسلمان ''بیت المقدس'' کہتے ہیں۔

۳۰ ستمبر: مغربی کنارے اور غزہ میں بھی فساد پھیل جاتا ہے۔ اسرائیلی گولیوں سے چودہ فلسطینی ہلاک ہو جاتے ہیں' جن میں بارہ سالہ بچہ محمد الدرہ بھی شامل ہے۔ اپنے باپ کی نظروں کے سامنے' جس کی موت کا منظر ٹیلی ویژن کے کیمرے میں فلم بند ہو کر ساری دنیا میں نشر ہو جاتا ہے۔

یکم اکتوبر: جنگ بندی پر اتفاق رائے ہو جاتا ہے' مگر یہ اتفاق بہت بودا ثابت ہوتا ہے۔ بارہ افراد ہلاک' جن میں اسرائیلی سرحدی پولیس کا وہ سپاہی بھی شامل ہے جو خون بہہ جانے کی وجہ سے اس وقت ہلاک ہو گیا جب فلسطینی اسلحہ برداروں نے طبی امداد کو روک دیا۔

۲ اکتوبر: ۱۹ افراد اس وقت تک کی سب سے شدید لڑائی میں ہلاک۔ اسرائیلی عرب' فلسطینیوں کی حمایت میں مظاہرہ کرتے ہیں۔ فلسطینیوں کو مقبوضہ علاقوں میں سفر کی ممانعت۔

۳ اکتوبر: جنگ بندی کی اطلاع' مگر لڑائی جاری ہے۔ چھ افراد ہلاک

۴ اکتوبر: اسرائیلی وزیراعظم ایہود بارک اور فلسطینی قائد یاسر عرفات پیرس میں فرانسیسی صدر اور امریکی وزیر داخلہ میڈلین البرائٹ سے ملاقات کرتے ہیں۔ دونوں طرف سے حساس مقامات سے عسکری دستوں کو دور رکھنے کے احکامات۔ سات مزید افراد ہلاک

۵ اکتوبر: ''الاقصیٰ انتفاضہ'' کے پہلے ہفتے میں ۶۷ افراد ہلاک۔ مرنے والوں میں تین اسرائیلی بھی شامل ہیں۔ اسرائیلی ٹینک مغربی کنارے میں واپس ہونے لگتے ہیں۔ یاسر عرفات کی مصری صدر حسنی مبارک اور امریکی وزیر داخلہ سے ملاقات۔ ملائیشیا کی طرف سے اقوام متحدہ میں قرارداد جس میں اسرائیلی افواج کے مظالم کی مذمت کی گئی۔

۶ اکتوبر: اسرائیل مغربی کنارے اور غزہ کے راستے بند کر دیتا ہے۔ اس کے مسلح دستے ایک مقدس مقام میں داخل ہو جاتے ہیں جب فلسطینی وہاں اپنا جھنڈا لہرا دیتے ہیں۔ وہاں پولیس سے تصادم میں ایک شخص ہلاک' جبکہ مغربی کنارے اور غزہ میں نو افراد ہلاک

۷ اکتوبر: اسرائیلی دستے مزار یوسفؑ کو خالی کر دیتے ہیں جو نابلس میں واقع ہے اور یہودیوں کے نزدیک مقدس۔ فلسطینی پولیس اس کے دفاع کا اعلان کرتی ہے مگر اسرائیلی فوج کے اخراج کے چند گھنٹوں کے اندر ایک ہجوم اس میں گھس جاتا ہے اور اسے نذر آتش کر دیتا ہے۔ لبنانی سرحد پر بھی تصادم ہوتا ہے۔ حزب اللہ تین اسرائیلی سپاہیوں کو اغوا کر لیتی ہے۔ وزیراعظم بارک کی جانب سے یاسر عرفات کے نام الٹی میٹم کہ ۴۸ گھنٹوں میں تشدد کی کارروائی بند کی جائے' ورنہ اسرائیلی افواج پوری طاقت کے ساتھ جوابی کارروائی کریں گی۔ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی جانب سے قرارداد منظور' جس میں اسرائیل کی جانب سے ''طاقت کے بے جا استعمال'' کی مذمت کی گئی۔ امریکہ اس قرارداد کی منظوری کے وقت غیر حاضر رہا۔

۸ اکتوبر: اسرائیلی فوج غزہ میں دو عمارتوں اور ایک کارخانے کو اڑا دیتی ہے جو اسلحہ بردار فلسطینی عربوں کے لئے ٹھکانے کا کام کرتی تھیں۔ ایک یہودی آباد کار مغربی کنارے کی ایک شاہراہ کے قریب غار میں مردہ پایا جاتا ہے' جبکہ دو فلسطینی اور ایک اسرائیلی عرب جھڑپوں میں ہلاک ہو جاتا ہے۔

۹ اکتوبر: یروشلم' ناصرہ اور حبرون میں جھڑپیں یہودی مقدس دن ''یوم کپور'' میں بھی جاری رہتی ہیں۔ اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل اور روسی وزیر خارجہ دونوں فریقوں سے ملاقات کرتے ہیں۔ بارک کے ۴۸ گھنٹے کے نوٹس میں اضافہ تاکہ طویل مسلح کشمکش سے بچ سکیں' مگر اسرائیلی عربوں اور یہودیوں کے درمیان تشدد جاری رہتا ہے۔ تین فلسطینی ہلاک۔

۱۰ اکتوبر: بارک کا بیان کہ تشدد کی وارداتوں میں معمولی سی کمی سے مذاکرات کا سلسلہ دوبارہ شروع ہو سکتا ہے۔ غزہ میں بارہ سالہ فلسطینی لڑکا سر میں گولی لگنے سے ہلاک۔ مغربی کنارے میں فسادات جاری ہیں۔

۱۱ اکتوبر: تشدد کے واقعات جاری ہیں اور ان کے درمیان سفارتی کارروائی بھی چل رہی ہے۔ حبرون میں فلسطینیوں کے مظاہرے میں بارک کا پتلا جلایا جاتا ہے۔ مغربی

کنارے کی شاہراہوں کے ساتھ واقع دیہات اور شہروں میں اسرائیلی اور فلسطینی مسلح افراد کے درمیان فائرنگ کا تبادلہ۔ تین فلسطینی ہلاک۔

۱۲/اکتوبر: رملہ میں فلسطینی پولیس کے ہاتھوں ایک اسرائیلی کا قتل۔ ٹیلی ویژن پر دنیا بھر میں نشر ہونے کے بعد یہ قتل اسرائیلی عوام کو مشتعل کرتے ہیں۔ رملہ اور غزہ میں واقع یاسر عرفات کے صدر مقام پر شدید جوابی کارروائی۔

۱۴/اکتوبر: امریکی صدر کلنٹن ہنگامی حالات کے تحت سربراہ ملاقات کا اعلان کرتے ہیں جو مصر میں منعقد ہوگی۔

۱۷/اکتوبر: اسرائیلی افواج کی طرف سے اعلان کہ وہ فلسطینی افواج کے ساتھ اتفاق رائے پر پہنچ گئی ہیں کہ تشدد کو کیسے کم کیا جائے۔ اس معاہدے سے چند مقامی اور عارضی فائدے ضرور حاصل ہوتے ہیں، مگر انتفاضہ جاری ہے۔

۲۲/اکتوبر: بارک کا اعلان کہ اسرائیل اس کارروائی سے ''ٹائم آؤٹ'' لے رہا ہے۔

۶ نومبر: قائد حزب اختلاف شیرون کی طرف سے اپنی لیکوڈ پارٹی کو ہدایت کہ بارک کی حکومت کا تختہ الٹ دیا جائے تاکہ وہ یاسر عرفات سے امن معاہدہ نہ کرسکیں۔

۸ نومبر: امریکی صدر سے ملاقات کے لئے روانگی اور بین الاقوامی فوج کی مداخلت کے لئے اصرار

۱۹ نومبر: اردن کے دارالحکومت عمان میں اسرائیلی سفارت کار پر حملہ۔

۲۲ نومبر: اسرائیل کے شمالی شہر ہادیرا میں گاڑی بم کا دھماکا۔ ۲ افراد ہلاک، ۳۵ زخمی۔ بارک کا اعلان کہ اس کے ذمہ دار افراد سے اسرائیل حساب کتاب کرے گا۔

۲۶ دسمبر: چند تحفظات کے ساتھ اسرائیل صدر کلنٹن کا منصوبہ قبول کرلیتا ہے۔ صدر کلنٹن یروشلم پر فلسطینی دعوے کو قبول کرلیتے ہیں، مگر ساتھ ہی یہ کہتے ہیں کہ اس کے بدلے میں تمام پناہ گزینوں کی ''واپسی کے حق'' کے مطالبے سے دست بردار ہونا پڑے گا۔

2001ء کا سلسلۂ واقعات

یکم جنوری: فلسطین کے اہم سرکاری افسر ثابت کو اسرائیلی سپاہی گولی مار کر ہلاک کرڈالتے ہیں۔ اسرائیلی فوج کے سربراہ نے کہا کہ ثابت اسرائیلی افواج کے خلاف کارروائیوں کا نگران تھا۔

۲۰ جنوری: صدر کلنٹن اپنے دورِ اقتدار کے آخر تک مشرقِ وسطیٰ میں قیام امن کی کوششیں کرنے کے بعد اپنے عہدے سے دست بردار ہوجاتے ہیں۔

۴ فروری: بارک کی طرف سے آخری کوشش کہ اسرائیل کے بیس فی صد عرب، آنے والے انتخابات میں اُن کی حمایت کریں۔ وہ انتفاضہ کے ابتدائی دنوں میں کوئی درجن بھر اسرائیلی عربوں کے قتل پر معافی بھی مانگ لیتے ہیں۔ عرب رہنماؤں کی طرف سے بارک کی معذرت کے بارے میں بیان کہ یہ بہت دیر سے آئی ہے۔

۶ فروری: شیرون نے بارک کو ۳۸ فیصد کے مقابلے میں ۶۲ فیصد ووٹوں سے ہراکر الیکشن جیت لیا۔

۱۳ فروری: عرفات کا باڈی گارڈ اسرائیلی ہیلی کاپٹر سے مارے جانے والے راکٹ کا نشانہ بن کر جان سے ہاتھ دھوبیٹھا۔

۵ مارچ: شیرون نے وزیراعظم کا عہدہ سنبھال لیا۔ ان کی ''قومی اتحادی حکومت''، میں بارک بھی شامل ہے۔

۲۷ مارچ: دس ماہ کی عمر کا ایک یہودی بچہ مغربی کنارے کے شہر حبرون میں گولی لگنے سے ہلاک ہوگیا۔ گولی ایک فلسطینی بندوقچی نے چلائی تھی۔

۷ مئی: فلسطینی بچہ اسرائیلی ٹینک کی گولہ باری سے غزہ میں پناہ گزین بستی میں ہلاک

۱۸ مئی: ایک فلسطینی خودکش فدائی نے پانچ اسرائیلیوں کو اسرائیلی ساحلی شہر میں ہلاک کرڈالا......اسرائیل کے ایف ۱۶ طیارے مغربی کنارے اور غزہ میں فلسطینی پولیس سٹیشنوں پر حملہ کرتے ہیں۔ دس فلسطینی ہلاک۔

۲۱ مئی: سابق امریکی سینیٹر جارج مچل کی سربراہی میں ایک بین الاقوامی کمیشن اپنی سفارشات پیش کرتا ہے۔ اس رپورٹ میں تشدد کے خاتمے، حالات کے پُرسکون ہونے کی مہلت، اعتماد بحال کرنے کے مراحل اور امن مذاکرات

لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

(ایک ترانہ فلسطینی مجاہدوں کے لئے)

فیض احمد فیض

ہم جیتیں گے
حقّا، ہم اک دن جیتیں گے
ہم جیتیں گے
کیا خوف زیلغارِ اعداء
ہے سینہ سپر ہر غازی کا
کیا خوف زیورش جیشِ قضا
صف بستہ ہیں ارواح الشہداء
ڈر کا ہے کا
ہم جیتیں گے
حقّا، ہم اک دن جیتیں گے
بالآخر اک دن جیتیں گے
ہم جیتیں گے
ہر قطرۂ خوں اپنا پرچم
ہر کشتۂ شجر ہے نخلِ ارم
ہر نعرہ عدو کو صورِ عدم

دَم دَم دَم دَم
ہم جیتیں گے
حقّا، ہم اک دن جیتیں گے
بالآخر اک دن جیتیں گے
ہم جیتیں گے
قد جاء الحق وزهق الباطل
فرمودۂ ربِّ اکبر ہے
جنت ہے اپنے پاؤں تلے
اور سایۂ رحمت سر پر ہے
پھر کیا ڈر ہے
ہم جیتیں گے
حقّا، ہم اک دن جیتیں گے
بالآخر اک دن جیتیں گے
ہم جیتیں گے

ازسرنو شروع کرنے کی سفارش کی گئی ہے۔ دونوں فریق اس رپورٹ کو اپنے اپنے اختلافی نقطۂ نظر کے ساتھ قبول کر لیتے ہیں۔

۲۲ مئی: شیرون نے یک طرفہ فائر بندی کا حکم دے دیا۔ فلسطینیوں نے کہا کہ یہ یک طرفہ فائر بندی محض دکھاوے کا ڈرامہ ہے اور سستی شہرت حاصل کرنے کے لئے ہے۔

یکم جون: تل ابیب میں ڈسکو کے باہر فلسطینی خودکش فدائی نے ۲۲ اسرائیلی فوجیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

۲ جون: یاسر عرفات کی طرف سے فائر بندی کی حمایت

۱۱ جون: پانچ ماہ کا اسرائیلی بچہ زخموں کی تاب نہ لا کر ہلاک۔ یہ بچہ مغربی کنارے پر فلسطینی فائرنگ میں زخمی ہوا تھا۔

۱۳ جون: امریکی سی آئی اے کے ڈائریکٹر جارج ٹینٹ فائر بندی کی شرائط کے لئے مذاکرات کر رہے ہیں۔ تشدد میں کمی آ جاتی ہے مگر اتفاق رائے نہیں ہوتا۔

۱۷ جولائی: بیت اللحم پر اسرائیلی ہیلی کاپٹروں کا حملہ۔ چار فلسطینی شہید

۳۹ جولائی: نابلس کے نواح میں بم دھماکے میں چھ فلسطینی ہلاک۔ اسرائیل فلسطینی الزام کو مسترد کر دیتا ہے کہ ان کو جان بوجھ کر قتل کیا گیا تھا۔ اسرائیل غزہ میں عرفات کے پولیس ہیڈکوارٹر پر راکٹوں سے حملہ کرتا ہے۔

۹ اگست: کم از کم اٹھارہ افراد، جن میں زیادہ تر بچے ہیں، اس وقت ہلاک ہو جاتے ہیں جب یروشلم کے ایک ریستوران میں بم دھماکہ ہوتا ہے۔

ٹریڈ سنٹر کی ہلاکت کے بعد

۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کو نیویارک کے ٹریڈ سنٹر کی تباہی اور واشنگٹن کے فوجی دفاتر پر اغوا شدہ طیاروں کے ذریعے جو ہلاکت ہوئی اس کی ذمہ داری اگرچہ امریکا کے صدر بش جونیئر نے اسامہ بن لادن اور ان کی جماعت القاعدہ اور افغانستان کی جائز حکومت طالبان پر عائد کی، لیکن اب جو نئے نئے شواہد رفتہ رفتہ سامنے آ رہے ہیں، اُن سے اس ابتدائی شبے کو تقویت ملتی جا رہی ہے کہ یہ تباہی درحقیقت یہودیوں نے دیدہ دانستہ پھیلائی تھی، تاکہ انہوں نے عالم اسلام کو اپنے شکنجے میں لینے کی جو کارروائی شروع کر رکھی ہے وہ جلد از جلد پایۂ تکمیل کو پہنچے۔ چنانچہ ۱۱ ستمبر کے بعد کشمیر اور فلسطین میں جنگی کارروائیاں شدید اور تیز ہو گئیں اور امریکا کی سیاست وسفارت کے زیر سایہ یہود نے ہنود سے اپنے رشتے مزید استوار کئے۔ یہاں فلسطین سے متعلق ان سازشی اور جنگی سرگرمیوں کا تاریخ وار خلاصہ پیش کیا جا رہا ہے جو ۱۱ ستمبر سے اب تک سامنے آئی ہیں۔

۵ مارچ ۲۰۰۱ء کو لیکوڈ پارٹی کے نمائندے کی حیثیت سے ایرل شیرون اسرائیل کا وزیراعظم منتخب ہوا۔ چند سال پہلے وہ وزیر جنگ رہ چکا تھا۔ وہ فلسطینی عربوں کے لئے بہت انتہا پسند اور متشدد سمجھا جاتا ہے۔ اس نے وزارتِ عظمیٰ کا منصب سنبھالتے ہی فلسطینیوں پر قیامت خیز مظالم کا سلسلہ شروع کر دیا۔ فدائین کے خودکش حملوں کا ذمہ دار یاسر عرفات کو قرار دے کر رملہ میں انہیں محاصرے میں لے لیا۔ اسرائیل کے تازہ شدائد پر غور وخوض کے لئے عرب لیگ کا دو روزہ سربراہی اجلاس ۲۷ اور ۲۸ مارچ ۲۰۰۲ء کو لبنان کے دارالحکومت بیروت میں منعقد ہوا۔ عرب لیگ کے ۲۲ ارکان میں سے درجن بھر ممالک کے سربراہوں نے کانفرنس میں شرکت نہیں کی جن میں لیبیا کے کرنل قذافی، اردن کے شاہ عبداللہ، مصر کے صدر حسنی مبارک، قطر کے امیر حمد بن خلیفہ الثانی، عراق کے صدام اور آزاد فلسطین کے صدر یاسر عرفات شامل ہیں۔ اسرائیل نے یاسر عرفات کو کانفرنس میں شرکت کی اجازت نہیں دی۔ یاسر عرفات نے کانفرنس کے میزبان ملک لبنان سے شرکائے کانفرنس سے مواصلاتی ذریعے سے خطاب کرنے کی درخواست کی تو اسے لبنان کے صدر ایمائل لاہاؤد نے مسترد کر دیا کہ اس طرح اسرائیل کی ''عسکری مداخلت'' کا بہانہ مل جائے گا۔ اس پر فلسطینی نمائندے بطور احتجاج کانفرنس سے واک آؤٹ کر گئے۔ لیکن جب سعودی عرب کے ولی عہد شہزادہ عبداللہ بن عبدالعزیز کے اصرار پر صدر لبنان نے اُن سے معذرت کر لی تو وہ دوسرے دن کے اجلاس میں شریک ہوئے۔

اجلاس میں معزز سربراہوں نے اپنے اس دیرینہ (فرسودہ!) عزم کا اظہار کیا کہ فلسطینی علاقوں پر اسرائیلی تسلط کا خاتمہ ان کی اولین ترجیح ہے۔ نیز یہ کہ عراق کے خلاف امریکی حملہ عرب لیگ کے تمام ممبر ملکوں پر حملہ تصور کیا جائے گا۔ بیروت کانفرنس نے سعودی امن منصوبے کی تائید کی۔ امن منصوبہ یہ ہے کہ اگر اسرائیل تمام مفتوحہ عرب علاقے مکمل طور پر خالی کر دے تو عرب ممالک مکمل امن کی ضمانت دیں گے۔ ''اعلان بیروت'' کی رو سے ایک آزاد اور خودمختار فلسطینی ریاست کا قیام بنیادی شرط ہے جو مغربی کنارے اور غزہ پر مشتمل ہو اور جس کا دارالحکومت القدس (یروشلم) ہو۔ اعلان کے مطابق اقوام متحدہ کی قرارداد ۱۹۴ (منظور کردہ ۱۹۴۸ء) کے مطابق فلسطینی مہاجروں کو اپنے آبائی گھروں میں واپسی کی اجازت دی جائے اور جو واپس نہ آنا چاہیں، اسرائیل انہیں معاوضہ ادا کرے۔

اسرائیل نے یہ ''امن منصوبہ'' حسب توقع مسترد کر دیا۔ اسرائیلی حکومت کا خیال ہے کہ اسرائیل میں لاکھوں فلسطینی مہاجرین کی واپسی کا مطلب یہ ہو گا کہ اس طرح ''دو فلسطینی ریاستیں'' وجود میں آ جائیں گی۔ امریکا نے سعودی امن منصوبے اور اعلان بیروت کا خیر مقدم کیا۔ اسامہ بن لادن نے (اپنے خفیہ ٹھکانے سے) امن منصوبے کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ یہ یہودی امریکی سازش اور وعدہ خلافیوں کا تسلسل ہے۔ کانفرنس کے دوران شمالی اسرائیل کے ہوٹل میں فلسطینی فدائی کے خودکش حملے اور بم دھماکے کے نتیجے میں ۲۱ یہودی ہلاک ہو گئے۔ امریکی وزیر خارجہ کولن پاؤل نے اسرائیلی فوج کے محاصرے میں نظربند یاسر عرفات سے مطالبہ کیا کہ وہ تمام فلسطینی گروپوں پر قابو پائیں۔

۳۰ مارچ ۲۰۰۲ء: ''اعلان بیروت'' کے چند گھنٹے بعد اسرائیل نے فلسطینی اتھارٹی کے سربراہ یاسر عرفات کو اپنا دشمن قرار دے دیا۔ اسرائیلی ٹینکوں نے مغربی کنارے کے اہم سیاسی واقتصادی مرکز رملہ پر دوبارہ قبضہ کر کے یاسر عرفات کے ہیڈکوارٹر پر دھاوا بول دیا۔ اسرائیلی چھاتہ برداروں نے عرفات کے کمروں میں داخل ہو کر انہیں دھماکے سے اڑانے کی کوشش کی۔ فلسطینی مجاہدین نے بھرپور مزاحمت کی۔ گولہ باری، مشین گنوں اور میزائلوں سے ہیڈکوارٹر کے متعدد دفاتر تباہ۔ اسرائیل نے دعویٰ کیا کہ ہم صرف یاسر عرفات کو تنہا کرنا چاہتے ہیں۔ عرب لیگ کی جانب سے عالمی برادری سے اپیل کی گئی کہ وہ اسرائیلی مظالم بند کرائے۔ یاسر عرفات نے بیان دیا کہ میری تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے شہادت کی فضیلت سے نوازے۔ انہوں نے کہا کہ حملے کا گرین سگنل امریکا نے دیا۔ مجھے قتل کرنے یا قیدی بنانے کا منصوبہ بنایا گیا۔ اسی دن سولہ سالہ فلسطینی لڑکی آیات الاخراس نے مقبوضہ بیت المقدس کی سپر مارکیٹ میں فدائی حملہ کر کے دو یہودی ہلاک اور متعدد زخمی کر دیئے۔

۳۱ مارچ: یاسر عرفات کا محاصرہ جاری ہے۔ ان کے دفتر کی بجلی اور پانی بند کر دیا گیا۔ رملہ کی سڑکوں پر لڑائی۔ اسرائیلی سات فلسطینی شہید۔ ایک سو گرفتار ہوئے۔ اسرائیلی فوج بیت جالہ اور الخلیل میں داخل ہو گئی۔ لبنان کے جنوب میں حزب اللہ کے ٹھکانوں پر بمباری۔ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے ہنگامی اجلاس میں قرارداد منظور کی گئی جس میں اسرائیل سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ رملہ اور دوسرے فلسطینی علاقے خالی کر دے۔ اسرائیل نے یہ قرارداد بھی مسترد کر دی۔ ایران، فرانس، بھارت اور چین کی طرف سے اسرائیل کی مذمت کی گئی، لیکن امریکا کے صدر بش نے اسرائیل کی حمایت کرتے ہوئے مضحکہ خیز بیان دیا کہ اسرائیل کو دفاع کا حق حاصل ہے۔

یکم اپریل: اسرائیلی فوج نے یاسر عرفات کے دفاتر میں گھستے ہی مشین گنوں سے فائرنگ۔ رملہ میں ۳۰ فلسطینی سپاہی شہید۔ شمالی اسرائیل کی بندرگاہ حیفہ کے پُررونق ریستوران میں فدائی دھماکا۔ بیت اللحم میں بھی بم دھماکا۔ مختلف فدائی حملوں میں ۱۶ یہودی ہلاک۔ اسرائیلی فوج نے رملہ کو فوجی

شہر قرار دے کر صحافیوں کو نکل جانے کا حکم دیا۔ رملہ میں سینکڑوں فلسطینیوں کو یرغمال بنا لیا گیا۔ عرب لیگ کی جانب سے اعلان کیا گیا کہ اسرائیل محاصرہ ختم کرے یا پھر سخت اقدامات کا سامنا کرنے کے لئے تیار رہے۔ چین، ترکی، مصر، ویٹ نام اور متعدد دوسرے ممالک نے اسرائیل کی مذمت کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ اسرائیل فوری طور پر رملہ سے نکل جائے اور یاسر عرفات کی سلامتی کی ضمانت دے۔

۳ راپریل: اسرائیلی فوج نے حضرت عیسیٰؑ کی جائے پیدائش بیت اللحم میں داخل ہونے کے بعد گرجا گھروں کی بے حرمتی شروع کر دی۔ بیت اللحم کی جامع مسجد عمر بھی جلا دی گئی۔ سانتا ماریا چرچ پر گولہ باری میں سات رہبائیں زخمی ہوگئیں۔ پوپ نے اس مقدس شہر کو بچانے کے لئے سفارتی مہم شروع کرنے کی ہدایت کی۔

یاسر عرفات کا محاصرہ مزید تنگ کر دیا گیا۔ ان کی خوراک ختم ہوگئی ہے۔ روزانہ ایک آلو پر گزارا کر رہے ہیں۔ رملہ میں سکیورٹی ہیڈ کوارٹر بھی تباہ کر دیا گیا۔ انہیں جلا وطن کرنے کی اسرائیلی تجویز کی مخالفت تقریباً تمام ممالک نے کی ہے، جن میں امریکا بھی شامل ہے۔ سلامتی کونسل نے فوری جنگ بندی اور فلسطینی علاقوں سے اسرائیلی فوج نکالنے کا حکم دیا ہے۔

کوالالمپور میں او آئی سی کا سہ روزہ اجلاس کے بعد اعلامیہ جاری ہوا جس میں واضح کیا گیا ہے کہ اسرائیل کو یاسر عرفات پر حملوں کے سنگین نتائج بھگتنا ہوں گے۔ وزرائے خارجہ کے اجلاس میں اقوام متحدہ پر زور دیا گیا کہ وہ اسرائیل پر پابندی لگائے۔ امریکا نے بھی اسرائیل سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ سلامتی کونسل کی قرارداد پر عمل کرتے ہوئے مقبوضہ فلسطینی علاقوں سے اپنی فوج واپس بلا لے۔ دوسری طرف فلسطینی قیادت، عربوں اور مسلم سربراہوں کا یہ عالم ہے کہ وزرائے خارجہ کانفرنس کے میزبان مہاتیر محمد نے ان فلسطینی نوجوانوں کو دہشت گرد قرار دیا جو خودکش حملوں کے ذریعے اپنی جان دے کر ناراضگی کا اظہار کر رہے ہیں۔ یاسر عرفات نے مدد حاصل کرنے کے لئے ایک ایلچی بھارت بھیجا ہے جس نے وزیراعظم اٹل بہاری واجپائی سے تعاون کی درخواست کی ہے۔ البتہ عراق کے صدر صدام حسین نے عربوں کو غیرت دلاتے ہوئے کہا کہ کم از کم ۱۹۷۳ء کی طرح تیل کا ہتھیار ہی استعمال کریں۔

۲۹ راپریل: اسرائیلی کابینہ نے رملہ میں فلسطینی اتھارٹی کے ہیڈ کوارٹر کا محاصرہ ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ بیت المقدس میں یہودی نے فائرنگ کر کے دو افراد زخمی کر دیئے۔ سعودی عرب نے مطالبہ کیا ہے کہ فلسطینی علاقوں میں مبصرین کی بجائے عالمی امن فوج بھیجی جائے۔ لندن میں ایک کنیسہ (یہودیوں کی عبادت گاہ) پر پتھراؤ ہوا۔ کھڑکیاں توڑ دی گئیں۔ مذہبی کتابیں الماریوں سے نکال کر صحن میں بے حرمتی سے پھینک دی گئیں۔ فرنیچر توڑ دیا گیا اور کنیسہ کے بڑے دروازے پر سواستیکا کی علامت لگا دی گئی جو ہٹلر کی نازی پارٹی کا نشان تھی۔

اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کوفی عنان نے جنین کے مہاجر کیمپ میں اسرائیلی مظالم کی تحقیقات کے لئے ایک کمیشن بھیجنے کا جو اعلان کیا تھا، اسے اسرائیل نے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ امریکا کے صدر بش نے یاسر عرفات کا محاصرہ اٹھانے کے لئے ایک منصوبہ پیش کیا ہے، جس کے تحت یاسر عرفات کو سفر کرنے کی اجازت ہوگی اور ان کے چھ سیکیورٹی گارڈ جو اسرائیل کو مطلوب ہیں، وہ امریکی و برطانوی فوج کی تحویل میں دے دیئے جائیں گے۔

۳۰ اپریل: اسرائیلی فوج نے بیت اللحم کے مشرق میں ایک اور فلسطینی گاؤں پر قبضہ کر کے درجنوں فلسطینیوں کو گرفتار کیا ہے۔ بیت اللحم میں چھٹی صدی عیسوی کے چرچ آف نیٹویٹی کا اسرائیلی فوج کا محاصرہ مزید تنگ کر دیا گیا ہے، کیونکہ وہاں ۲۶ فلسطینی مجاہدین نے پناہ لے رکھی ہے۔ اسرائیلی فوج کے کمانڈر نے اعلان کیا ہے کہ اگر موقع دیا جائے تو وہ آدھ گھنٹے کے اندر چرچ کو صفحۂ ہستی سے نابود کر سکتے ہیں۔

اسرائیلی فوج نے ٹینکوں، بکتر بند گاڑیوں اور جنگی ہیلی کاپٹروں کی مدد سے فلسطینی شہر الخلیل پر قبضہ کر لیا اور فوجی کارروائی کے دوران الفتح گروپ کے ایک لیڈر سمیت ۸ فلسطینی شہید اور ۲۰ شدید زخمی ہوگئے، جبکہ ۱۳۰ افراد کو گرفتار کر لیا گیا، جبکہ مزید گرفتاریوں کے لئے گھر گھر چھاپے مارے جا رہے ہیں۔

حکومت اسرائیل نے رملہ میں یاسر عرفات کے ہیڈ کوارٹر کا محاصرہ ختم کرنے کے بارے میں امریکی تجویز منظور کر لی ہے۔ صدر بش نے تجویز کیا کہ اسرائیلی فوج محصور شہر رملہ سے واپس چلی جائے۔ اسرائیلی وزیر زیوی کے قتل میں ملوث فلسطینیوں کی نگرانی، جیل میں امریکی اور برطانوی سکیورٹی گارڈز کریں گے۔ یاسر عرفات نے کہا ہے کہ وہ اس وقت تک رملہ سے باہر نہیں آئیں گے جب تک اسرائیلی فوج نیٹویٹی چرچ کا محاصرہ ختم نہیں کرتی۔

جنوبی افریقہ نے آرچ بشپ ڈسمونڈ ٹوٹو نے کہا ہے کہ فلسطین کے دورے کے دوران اسرائیل کے مظالم دیکھ کر انہیں سخت دکھ ہوا ہے۔ انہوں نے کہا کہ چوکوں اور سڑکوں پر کھڑی کی گئی رکاوٹوں پر فلسطینیوں کی تذلیل کی جاتی ہے۔

یکم مئی: اقوام متحدہ نے پچھلے ہفتے ایک منظور شدہ قرارداد کے تحت جنین میں اسرائیلی فوج کے ''قتل عام'' کے حقائق معلوم کرنے کے لئے ایک مشن بھیجنے کا فیصلہ کیا تھا، جسے اسرائیل نے چار مرتبہ التوا میں ڈالنے کے بعد آخرکار بالکل ہی مسترد کر دیا ہے۔ اقوام متحدہ کے تحقیقاتی مشن کو جنین میں داخل نہ ہونے دینے کی اس کے سوا اور کوئی وجہ نہیں کہ اسرائیل اپنی غارت گری پر پردہ ڈالنے کی کوشش کر رہا ہے اور شہید فلسطینیوں کو اجتماعی قبروں میں دفن کر رہا ہے، تاکہ اقوام متحدہ کا مشن آئے تو اسے وہاں کچھ نہ ملے۔ دوسری طرف اسے یہ بھی خطرہ ہے کہ یہ مشن اگر یہاں آ گیا تو وہ اسرائیلی فوجیوں سے بھی پوچھ گچھ کرے گا جنہوں نے انسان کشی میں حصہ لیا ہے۔ اسی لئے اسرائیل اپنے بھیانک کرتوتوں کی تحقیقات کرانے اور مشن کا سامنا کرنے کے لئے آمادہ نہیں۔

جنین کے مہاجر کیمپ میں اسرائیلی فوج نے جو قتل عام کی بربریت کی تھی، اس کے نتیجے میں تین ہزار فلسطینی بے خانماں ہوگئے۔ (ایمنسٹی انٹرنیشنل کی رپورٹ)

۲ مئی: اسرائیلی فوج نے غزہ کے جنوبی علاقے میں رفاہ کے مہاجر کیمپ میں داخل ہو کر دو سالہ بچی سمیت پانچ فلسطینی شہید اور ۱۴ زخمی کر دیئے۔ اسرائیلی فوج اور فلسطینیوں کے درمیان جھڑپیں شروع۔

پچاس اسرائیلی ٹینک غرب اردن کے شمالی شہر قلقیلیہ میں داخل ہوگئے، اور گولہ باری شروع کر دی۔

حکومت اسرائیل کی ہٹ دھرمی اور عدم تعاون کی وجہ سے اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کوفی عنان نے جنین انکوائری مشن توڑنے کا عندیہ دے دیا ہے۔ حکومت اسرائیل جنین مشن کی اجازت دینے کے لئے چھ مطالبات پیش کر چکی ہے۔ اسرائیل نے دعویٰ کیا ہے کہ اس نے اپنے مقاصد حاصل کرنے کے بعد فلسطینی شہر حبرون سے اپنی فوجیں واپس بلا لی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ۱۵۰ مبینہ فلسطینی دہشت گردوں کو گرفتار کیا گیا ہے۔

بیت اللحم کے نیٹویٹی چرچ میں محصور فلسطینیوں کو شدید ترین مشکلات کا سامنا ہے۔ مزید ۲۶ فلسطینیوں کو چرچ سے نکلنے کی اجازت دے دی گئی ہے، لیکن اب بھی محصورین میں بچوں اور بوڑھوں کی بڑی تعداد موجود ہے۔ فلسطینی انتظامیہ کے ترجمان نے کہا ہے کہ چرچ میں محصورین کی زندگی خطرے میں ہے۔ اسرائیلی وزیر سیاحت کے قتل کے الزام میں قید فلسطینیوں کو عالمی نگرانی میں دینے کے معاہدے کے بعد اسرائیلی فوج نے رملہ میں یاسر عرفات کا صدارتی دفتر خالی کر دیا۔ یاسر عرفات عملی طور پر آزاد ہوگئے۔ نامزد فلسطینی مجاہدین کو لینے کے لئے ۱۲ بلٹ پروف گاڑیاں صدارتی دفتر کے صحن میں پہنچ گئی ہیں۔ انہیں امریکی اور برطانوی حکام کے حوالے کیا جائے گا۔

۳ مئی: اسرائیل کی طرف سے محاصرہ ختم کئے جانے کے بعد

یاسر عرفات پہلی بار عوام کے سامنے آئے۔ وہ خاصے مشتعل نظر آ رہے تھے۔ انہوں نے صحافیوں کو دیکھ کر ہاتھ ہلایا اور اسرائیل کو دہشت گرد قرار دیا۔ وہ فلسطینی شہداء کے قبرستان گئے اور فاتحہ خوانی کی۔ انہوں نے صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ اسرائیلی فوج فلسطینیوں کا قتل عام کر رہی ہے اور عالمی برادری اس پر خاموش تماشائی بنی ہوئی ہے جو انتہائی قابل افسوس اور شرم کی بات ہے۔

اسرائیل کے وزیر اعظم شیرون نے کہا ہے کہ اگر یاسر عرفات ملک سے باہر گئے تو ان کی واپسی کی ضمانت نہیں دیں گے۔ صدر بش نے بھی کہا کہ وہ یاسر عرفات سے ملاقات نہیں کریں گے۔

۴ مئی: اسرائیلی فوج نے ۵۰ ٹینکوں کی مدد سے اردن کے شہر نابلس پر ایک مرتبہ پھر دھاوا بول کر ایک پولیس اہلکار سمیت مزید دو فلسطینی شہید اور متعدد زخمی کر دیئے۔

امریکی وزیر خارجہ کولن پاؤل نے فلسطینی رہنما یاسر عرفات کو اسرائیلی فوج کے محاصرے سے نجات ملنے کے بعد خبردار کیا ہے کہ اب ان کے پاس یہ آخری موقع ہے کہ وہ اپنی قیادت کو اسرائیل مخالف تشدد بند کرانے کے لئے استعمال کریں۔ یہ ان کے لئے آخری موقع ہے۔ انہیں اپنی نئی آزادی کو نئی سمت میں بڑھنے کے لئے استعمال کرنا ہوگی۔

اقوام متحدہ، یورپی یونین، امریکہ اور روس نے مشرق وسطیٰ کے بارے میں "عالمی امن کانفرنس" بلانے پر اتفاق کر لیا ہے۔ امریکہ کے وزیر خارجہ کولن پاؤل نے وزارتی سطح پر یہ عالمی امن کانفرنس یورپ میں کسی مقام پر ہونے کا امکان ہے۔ اس کانفرنس میں سلامتی اور معاشی بحالی سے متعلقہ امور کے علاوہ انسانی حقوق اور سیاسی مسائل پر بھی تبادلۂ خیال ہوگا۔

۵ مئی: انسانی حقوق کے بارے میں اقوام متحدہ کی خاتون ہائی کمشنر میری رابنسن نے اسرائیلی حکام پر زور دیا ہے کہ وہ انسانی حقوق کی تنظیم "ہیومن رائٹس واچ" کی اس مصدقہ رپورٹ کا سنجیدگی سے جائزہ لیں، جس میں کہا گیا ہے کہ اسرائیلی فوجی جنین کے فلسطینی پناہ گزین کیمپ میں جنگی جرائم کے مرتکب ہوئے ہیں اور عام شہریوں کے خلاف طاقت کا اندھا دھند استعمال کیا گیا ہے۔

اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے "تحقیقاتی مشن" کو اسرائیل کی جانب سے جنین کے فلسطینی مہاجر کیمپ میں جانے کی اجازت نہ دیئے جانے پر عام بحث شروع کر دی ہے۔ اسرائیل بحث کے دوران خود کو بری طرح الگ تھلگ محسوس کر رہا تھا، البتہ امریکی نمائندے نے یہ کہہ کر اسرائیل کو قدرے سہارا دیا کہ فلسطینیوں کے دعوے کے برعکس ابھی تک کیمپ میں قتل عام کا کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ملا، البتہ امریکہ کے نائب سفیر نے حقائق معلوم کرنے کے لئے بھیجے جانے والے مشن سے تعاون نہ کرنے کے اسرائیلی فیصلے کو قابل افسوس قرار دیا ہے۔

امریکی کانگریس نے بش انتظامیہ کے انتباہ کے باوجود فلسطینیوں کے خلاف اسرائیلی جارحیت کی حمایت میں قرارداد منظور کر لی ہے۔ بش انتظامیہ نے کانگریس کو متنبہ کیا تھا کہ اس قسم کی کوئی قرارداد مشرق وسطیٰ میں قیام امن کی کوششوں کو متاثر کر سکتی ہے، لیکن کانگریس نے اس کے باوجود یہ قراردادیں منظور کیں، جن میں فلسطینیوں کے خلاف اسرائیلی پالیسی کو انسداد دہشت گردی کی جدوجہد قرار دیا گیا ہے۔

۶ مئی: اقوام متحدہ، امریکہ اور روس کی طرف سے مشرق وسطیٰ کے بارے میں بین الاقوامی امن کانفرنس بلانے کے منصوبے پر غور و خوص کے لئے آئندہ چند دنوں میں عرب وزرائے خارجہ کا اجلاس ہونے والا ہے۔ عرب لیگ کے سیکرٹری جنرل عمرو موسیٰ نے قاہرہ میں کہا ہے کہ عرب ممالک اس صورت میں اس منصوبے کی حمایت کریں کہ سب سے پہلے اسرائیل مغربی کنارے کے ان فلسطینی علاقوں سے اپنی فوج واپس بلائے جن پر اس نے حال ہی میں دوبارہ قبضہ کیا ہے۔

بیت اللحم میں حضرت عیسیٰؑ کی جائے ولادت پر تعمیر شدہ چرچ کا محاصرہ ختم کرنے کے سلسلے میں امریکہ کے توسط سے ہونے والے اسرائیل اور فلسطین کے مذاکرات کامیاب ہو گئے ہیں۔ اس وقت اسرائیل کے اس مطالبے کی وجہ سے رکاوٹ پائی جاتی ہے کہ چرچ میں محصور سینکڑوں فلسطینیوں میں سے ۱۲۳ فلسطینی گرفتار کر کے بین الاقوامی تحویل میں دیئے جائیں۔ اسرائیل نے ان پر دہشت گرد ہونے کا الزام لگایا ہے۔

۷ مئی: فرانس کی صحافیوں کی انجمن کے صدر نے اسرائیل کے وزیر اعظم ایریل شیرون سے اپیل کی ہے کہ وہ فلسطینی اخبارات اور اخبار نویسوں کے خلاف ظلم و تشدد کی کارروائیاں ختم کرے اور ان سات فلسطینی صحافیوں کو فوراً رہا کرے جن کو حال ہی میں گرفتار کیا گیا ہے۔

۸ مئی: اسرائیلی فوج نے بیت اللحم کے چرچ کا پانچ ہفتے سے جاری محاصرہ محصور فلسطینیوں کا انخلاء مکمل ہونے پر ختم کر دیا۔ ۱۳ فلسطینی ملک بدر، ۲۶ پر غزہ میں مقدمہ چلایا جائے گا۔ حماس نے سمجھوتہ مسترد کر دیا ہے۔

دنیا میں مقبول ترین مشروب "کوکا کولا" نے فلسطینیوں کی نسل کشی کے لئے اپنی چار دن کی آمدنی اسرائیل کو دینے کا اعلان کر دیا ہے۔ (ہفت روزہ "ضرب مومن" کراچی کی رپورٹ)

وائٹ ہاؤس میں صدر بش اور اسرائیلی وزیر اعظم شیرون کی ملاقات۔ امریکی صدر نے فلسطینی اتھارٹی میں اصلاحات کی ضرورت سے اتفاق کیا، لیکن شیرون کے اس موقف کی مخالفت کی کہ فلسطین اتھارٹی کے چیئرمین یاسر عرفات کو ہٹانے سے اتفاق نہیں کیا۔ بش نے اسرائیل کی حمایت کا یقین دلایا لیکن یہ بھی کہا کہ اسرائیل فلسطینی عوام کی مشکلات میں آسانی پیدا کرے۔ صدر بش نے آزاد فلسطینی ریاست کے قیام کا اعادہ بھی کیا۔

ملائیشیا کے وزیر اعظم مہاتیر محمد نے اسلامی کانفرنس تنظیم (او آئی سی) کے زیر اہتمام ۵۷ رکن ممالک کے وزرائے مذہبی امور کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے خبردار کیا کہ اگر اسرائیل کو فلسطینیوں کے خلاف ریاستی دہشت گردی سے نہ روکا گیا تو اس کے انتہائی خطرناک نتائج برآمد ہوں گے اور دنیا میں دہشت گردی بڑھے گی، کیونکہ آج دہشت گردی کے شکار معصوم فلسطینی ردعمل کے طور پر کل کو دہشت گرد بن سکتے ہیں۔ انہوں نے جنین مہاجر کیمپ میں اسرائیلی فوج کی طرف سے فلسطینیوں کے قتل عام کے دوران اسلامی ممالک کے کردار پر شدید نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا کہ یہ بات انتہائی شرمناک اور غیر اسلامی ہے کہ جب اسرائیلی فوج فلسطینیوں کا قتل عام کر رہی تھی تو تمام اسلامی ممالک دوسروں سے اپیلیں کرتے رہے کہ وہ ترس کھا کر فلسطینیوں کی مدد کریں۔

۹ مئی: اسرائیل کے دارالحکومت تل ابیب میں فلسطینی فدائی کی خودکش بمباری سے سترہ یہودی ہلاک اور ۶۰ زخمی ہو گئے۔ وزیر اعظم شیرون امریکہ کا دورہ مختصر کر کے تل ابیب پہنچے اور انہوں نے اعلان کیا کہ فلسطینی دہشت گردوں کے خلاف اسرائیلی فوج کی کارروائی جاری رہے گی۔ حماس نے اس حملے کی ذمہ داری قبول کر لی ہے۔

جنین کے فلسطینی مہاجر کیمپ پر اسرائیلی تشدد کی تحقیقات کے لئے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ایک مشن بھیجنے کا فیصلہ کیا تھا، لیکن اسرائیل نے چند اعتراضات عائد کر دیئے تھے۔ سیکرٹری جنرل کوفی عنان نے مسلسل تیرہ روز تک اسرائیل اور سلامتی کونسل کو مشن بھیجنے کی ضرورت و اہمیت کا قائل کرنے کی کوشش کی، لیکن ان کی ناکامی پر عرب ممالک اور غیر جانبدار ممالک کی جانب سے جنرل اسمبلی کا خصوصی اجلاس طلب کیا گیا۔ ۱۸۹ ارکان کی جنرل اسمبلی نے اسرائیل کے خلاف قرارداد مذمت پاس کی۔ ۷۴ ممالک نے قرارداد کے حق میں ووٹ دیا۔ ۵۴ ممالک غیر حاضر رہے۔ امریکہ نے مخالفت میں ووٹ دیا۔

۱۰ مئی: یاسر عرفات نے اعلان کیا کہ وہ تاریخی مشکلات کے باوجود فلسطینی اتھارٹی کے ڈھانچے کی تشکیل نو کریں گے۔ قانون ساز کونسل کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ نظم و نسق بہتر بنانے کے

لئے دوررس اصلاحات ہوں گی۔ انہوں نے فلسطینی عوام کو اسرائیلی فوج کی کارروائیوں اور محاصرے کا پامردی سے مقابلہ کرنے پر زبردست خراجِ تحسین پیش کیا اور کہا کہ آزاد فلسطینی ریاست آخر کار قائم ہو کر رہے گی۔

اسرائیلی سربراہی کانفرنس (او آئی سی) کے وزرائے خارجہ کا اجلاس ۲۵ تا ۲۷ جون کو سوڈان کے دارالحکومت خرطوم میں منعقد ہوگا۔

۱۱ مئی: عرب لیگ کے سیکرٹری جنرل عمر موسیٰ نے کہا ہے کہ خودمختار فلسطینی علاقوں سے اسرائیلی فوج کی مکمل پالیسی کے بدلے میں عرب ممالک اسرائیل کو مکمل جنگ بندی کی پیشکش کرنے کے لئے تیار ہیں۔ یہ بات انہوں نے عرب ممالک کے وزرائے خارجہ کے اجلاس کے بعد کہی۔

۱۲ مئی: اسرائیل کے دارالحکومت تل ابیب میں ''دی پیس ناؤ گروپ'' کے زیراہتمام پچاس ہزار یہودیوں نے ایک امن ریلی نکالی اور حکومت اسرائیل سے فلسطینی علاقے خالی کرنے کا مطالبہ کیا۔ جب سے فلسطین کی تحریک مزاحمت شروع ہوئی ہے' اس وقت سے لے کر اب تک یہ سب سے بڑی امن ریلی ہے اور انتفادہ کے بعد پہلی مرتبہ حکومت کے خلاف ریلی نکالی گئی ہے۔

۱۳ مئی: مصر کے صدر حسنی مبارک' سعودی عرب کے ولی عہد شہزادہ عبداللہ اور شام کے صدر بشارالاسد کے درمیان مسئلہ فلسطین پر مذاکرات ہوئے۔ مشترکہ اعلامیہ میں کہا گیا ہے کہ ہم پورے خلوص کے ساتھ مشرقِ وسطیٰ میں امن چاہتے ہیں۔ اسرائیل عرب علاقے خالی کر دے تو تمام عرب ممالک اسرائیل کے ساتھ تعلقات قائم کر لیں گے۔

اسرائیل میں دائیں بازو کی ''لیکوڈ پارٹی'' نے اپنے رہنما وزیراعظم ایرل شیرون کے خلاف فیصلہ دیتے ہوئے فلسطینی ریاست کی مخالفت کر کے ان کی سیاسی مشکلات میں اضافہ کر دیا ہے۔ حکمران لیکوڈ پارٹی کی کونسل کے اجلاس میں نیتن یاہو کے حامی ۵۹ فیصد ارکان نے فلسطینی ریاست کے قیام کی مخالفت کی۔ وزیراعظم شیرون نے کہا کہ اس قرارداد سے امریکہ سے اسرائیل کے تعلقات کو نقصان پہنچے گا۔ ادھر غزہ کے علاقے میں اسرائیلی ریزرو فوجیوں کی طرف سے ہڑتال کی دھمکی دی گئی۔

۱۴ مئی: اسرائیل کے وزیر خارجہ شمعون پیریز نے کہا کہ آزاد فلسطین کے قیام کے خلاف حکمران لیکوڈ پارٹی کی قرارداد کے باوجود ان کی نیشنل لیبر پارٹی وزیراعظم شیرون کی مخلوط حکومت میں شامل رہے گی۔ انہوں نے کہا کہ لیکوڈ پارٹی کی مرکزی کونسل کی قرارداد اسرائیلی عوام کی خواہشات کے منافی ہے جو ایک آزاد فلسطینی ریاست کے قیام کے حامی ہیں۔

۱۵ مئی: یورپی یونین کے موجودہ صدر سپین کے وزیر خارجہ

الفتح کے جوانو

— حبیب جالب —

الفتح کے جوانو' کعبے کے پاسبانو
آگے قدم بڑھاؤ' ظالم کا سر جھکاؤ
جانبازو' کامرانو
الفتح کے جوانو

غیروں کے اس زمیں پر کب تک قدم رہیں گے
یا اب عدو رہے گا یا زندہ ہم رہیں گے
اپنے وطن میں اونچے اپنے علم رہیں گے
غاصب کو مات ہو گی' اب ختم رات ہو گی
اے صبح کے نشانو!
الفتح کے جوانو

ان سامراجیوں کی ہاں میں جو ہاں ملائے
وہ بھی ہے اپنا دشمن' بچ کر نہ جائے
شاہ و شیوخ کے بھی تاریک تر ہیں سائے
یہ ریشمی لبادے' نازک یہ شاہزادے
ان کو نہ اپنا مانو
الفتح کے جوانو

محکوم ہے فلسطیں' وہ نام جل رہا ہے
کشمیر بھی ہمارا' کانٹوں پہ چل رہا ہے
اِک عزم ہے جو سب کی قسمت بدل رہا ہے
لے کر رہو فلسطیں' چھیڑو مثال شاہیں
اے عزم کی چٹانو!
الفتح کے جوانو

یروشلم کی فتح کے موقع پر
خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروقؓ اور عیسائیوں کے مابین معاہدے کا مکمل متن

حضرت ابوعبیدہؓ نے آس پاس کے فلسطینی شہروں کو فتح کر کے خاص بیت المقدس کا محاصرہ کرلیا۔ عیسائی قلعہ بند ہو کر لڑتے رہے۔ اُس وقت حضرت ابوعبیدہؓ شام کے انتہائی اضلاع وغیرہ فتح کر چکے تھے۔ چنانچہ اُدھر سے فرصت پا کر بیت المقدس کا رُخ کیا۔ عیسائیوں نے ہمت ہار کر صلح کی درخواست کی لیکن ساتھ ہی یہ شرط بھی رکھی کہ حضرت عمرؓ خود یہاں آئیں اور معاہدۂ صلح ان کے ہاتھوں سے لکھا جائے۔ ابوعبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو خط لکھا کہ بیت المقدس کی فتح آپ کی تشریف آوری پر موقوف ہے۔ حضرت عمرؓ نے تمام معزز صحابہ کو جمع کیا اور مشورت کی۔ حضرت علیؓ کو نائب مقرر کر کے خلافت کے کاروبار اُن کے سپرد کئے اور مدینہ سے ۱۶ ہجری میں روانہ ہوئے۔

سرداروں کو اطلاع دی جا چکی تھی کہ جابیہ میں آ کر اُن سے ملیں۔ اطلاع کے مطابق خالد بن ولیدؓ اور یزید بن ابی سفیان نے یہیں استقبال کیا۔ عیسائیوں کا وفد حاضر ہوا۔ پھر یہ معاہدہ خود حضرت عمرؓ کی موجودگی میں اور اُن کے الفاظ میں لکھا گیا:

''یہ وہ امان ہے جو اللہ کے بندے امیر المومنین عمرؓ نے ایلیا کے لوگوں کو دی۔ یہ امان اُن کی جان، مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار اور اُن کے تمام مذہب والوں کے لئے ہے، اس طرح پر کہ اُن کے گرجاؤں میں نہ سکونت کی جائے گی، نہ وہ ڈھائے جائیں گے، نہ اُن کو اور نہ ان کے احاطے کو کچھ نقصان پہنچایا جائے گا، نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی۔ مذہب کے بارے میں ان پر جبر نہ کیا جائے گا، نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا۔ ایلیا میں ان کے ساتھ یہودی نہ رہنے پائیں گے۔ ایلیا والوں پر یہ فرض ہے کہ وہ اور شہروں کی طرح جزیہ دیں اور یونانیوں کو نکال دیں۔ ان یونانیوں میں سے جو شہر سے نکلے گا، اس کی جان اور مال کو امان ہے تاکہ وہ جائے پناہ میں پہنچ جائے۔ اور جو ایلیا ہی میں رہنا اختیار کرے تو اس کو بھی امن ہے اور اس کو جزیہ دینا ہوگا۔ اور ایلیا والوں میں سے جو شخص اپنی جان اور مال لے کر یونانیوں کے ساتھ چلا جانا چاہے تو ان کو اور ان کے گرجاؤں کو اور صلیبوں کو امن ہے، یہاں تک کہ وہ اپنی جائے پناہ تک پہنچ جائیں۔ اور جو کچھ اس تحریر میں ہے، اس پر خدا کے رسولؐ کا، خدا کے خلفاء کا اور مسلمانوں کا ذمہ ہے، بشرطیکہ یہ لوگ مقررہ جزیہ ادا کرتے رہیں۔ اس تحریر پر گواہ ہیں: خالد بن ولید، عمرو بن العاص، عبدالرحمٰن بن عوف اور معاویہ بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہم)''۔

اس زمانے میں یروشلم کو ایلیا کہتے تھے۔ عیسائی اس زمانے میں یہودیوں سے شدید نفرت کرتے تھے۔ ان کے خیال میں چونکہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو یہودیوں نے صلیب دے کر قتل کیا تھا اور یہ واقعہ خاص بیت المقدس میں پیش آیا تھا، اس لئے ان کے مطالبہ پر خلیفہ راشدؓ نے یہ شرط منظور کی کہ یہودیوں کو بیت المقدس میں آباد ہونے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

جوزف پیک نے صحافیوں سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ آزاد فلسطینی مملکت کا قیام مشرق وسطٰی کے بحران کا واحد حل ہے۔ ایسی مملکت علاقائی سطح پر اقتصادی و سیاسی لحاظ سے انتہائی اہم ہے۔

۱۸ مئی: اسلام نواز گروپ حماس نے اعلان کیا ہے کہ جب تک آزاد فلسطینی مملکت قائم نہیں ہو جاتی، اسرائیل کے خلاف فدائین کی خودکش بمباری جاری رہے گی۔

۱۹ مئی: اسرائیلی فوج نے مغربی کنارے کے شہروں نابلس اور جنین میں تازہ حملوں میں چار فلسطینیوں کو شہید اور گیارہ کو زخمی کر دیا ہے۔ عرب لیگ کے سیکرٹری جنرل عمر موسیٰ نے اسرائیل کے تازہ حملوں کی شدید مذمت کی ہے اور کہا ہے کہ اسرائیل علاقے میں قیامِ امن میں سنجیدہ نہیں ہے۔ فلسطین کے صدر یاسر عرفات نے کہا ہے کہ جب تک اسرائیل فلسطینی علاقے خالی نہیں کرے گا، اس وقت تک عام انتخابات نہیں ہوں گے۔

۲۰ مئی: اسرائیل کے ایک ساحلی قصبے میں فدائی بم دھماکا ہوا۔ تین یہودی ہلاک، ۵۶ زخمی ہو گئے جن میں سے ۱۱ کی حالت تشویشناک ہے۔ فدائی فلسطینی بھی شہید ہو گیا۔ فدائی نے اسرائیلی فوجی کا بھیس بدل رکھا تھا اور جسم کے ساتھ بم باندھ رکھا تھا۔ حماس نے ذمہ داری قبول کر لی ہے۔

۲۱ مئی: فلسطین کی آزادی کی تحریک ''حماس'' کے سربراہ شیخ یاسین نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ اسرائیل اب تک اپنی ہٹ دھرمی پر قائم ہے جبکہ اسرائیلی وزیراعظم فلسطینیوں کو کچلنے کے لئے اپنے منصوبے پر عمل پیرا ہے۔ انہوں نے کہا کہ فلسطینیوں اور مسلمانوں پر قیامِ امن کے لئے زور دیا جا رہا ہے جبکہ دوسری طرف یہود و نصاریٰ اور ہنود کو مسلمانوں کا قتل عام کرنے کی کھلی چھٹی ہے۔ مسلمانوں کو کچلنے کے لئے شیرون کو امریکہ کی حمایت حاصل ہے۔ انہوں نے کہا کہ فلسطین سمیت کسی بھی مسلم تحریک آزادی کو کامیاب نہیں ہونے دیا جا رہا۔ مشرقی تیمور کو امریکہ اور یورپ نے کامیاب کرایا۔ کشمیر، کسووا اور دیگر تحریکوں کو دبایا جا رہا ہے۔ انہوں نے اعلان کیا کہ قبلۂ اول کی آزادی تک قربانیوں سے دریغ نہیں کریں گے۔ فدائی حملے جاری رکھیں گے۔ مسلمان مکہ مکرمہ کو ہیڈکوارٹر بنا کر اقوامِ مسلم قائم کریں۔ انہوں نے واشگاف الفاظ میں مسلمانوں سے کہا کہ عیاشی کی دلدل سے نکلو، دشمن کو مار دو یا مر جاؤ۔

۲۲ مئی: سعودی عرب نے عالمی برادری پر زور دیا ہے کہ وہ اسرائیل کو مجبور کرے کہ وہ فلسطینی علاقہ خالی کر دے۔

''حماس'' نے امریکی میڈیا کی اس رپورٹ کی تردید کی ہے کہ حماس کے لیڈروں کی القاعدہ نیٹ ورک کے ساتھ کوئی بھی اجلاس ہوا، جس میں امریکہ کے خلاف دہشت گردی میں تعاون کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ مذکورہ رپورٹ

غلط اور من گھڑت ہے اور اس کا مقصد اسلامی تحریک کو بدنام کرنا اور انسداد دہشت گردی کی قوتوں کو نشانہ بنانا ہے۔

واضح رہے کہ امریکی رپورٹ میں یہ بتایا گیا تھا کہ مارچ میں لبنان میں فلسطینی گروپ حماس اور لبنان کی شیعہ تنظیم حزب اللہ کی ''القاعدہ'' کے رہنماؤں کے ساتھ ایک خفیہ ملاقات ہوئی تھی۔ حماس کے نمائندے نے کہا کہ ہماری لڑائی صرف اسرائیل کے ساتھ ہے، ہم فلسطین سے باہر نہیں لڑیں گے۔

اسرائیلی وزیر اعظم شیرون نے اپنی مخلوط حکومت میں شامل شاز پارٹی کے چار وزراء کو برطرف کر دیا ہے، جبکہ ایک اور پارٹی ''یونائیٹڈ جیوڈازم پارٹی'' کے کابینہ میں شامل نائب وزراء کو برطرفی کے نوٹس ان کے گھروں پر بھجوا دیئے گئے ہیں۔ ان دونوں جماعتوں کے وزراء کی برطرفی کے بعد اب یہ دونوں جماعتیں شیرون کی مخلوط حکومت کی حمایت ترک کر دیں گی، جس کے باعث شیرون کی حکومت خطرے میں پڑ جائے گی۔

۲۵ مئی: اسرائیلی فوج پھر مغربی کنارے کے قصبے تلکرم میں داخل ہوگئی۔ جھڑپوں میں چھ فلسطینی اور تین اسرائیلی فوجی زخمی ہو گئے۔ جھڑپ اس وقت شروع ہوئی جب اسرائیلی فوج نے ٹینکوں اور ہیلی کاپٹروں کی مدد سے مطلوبہ مجاہدین کو گرفتار کرنے کی کوشش کی۔ اسرائیلی فوج نے قصبے میں کرفیو نافذ کر دیا ہے۔

تل ابیب میں ایک کار سوار فلسطینی فدائی نے ایک مقامی نائٹ کلب کے باہر خود کو کار سمیت دھماکے سے اڑا دیا۔

۲۶ مئی: ''ایمنسٹی انٹرنیشنل'' نے اسرائیل کی طرف سے ہزاروں فلسطینیوں کی گرفتاریوں اور قتل عام کے بارے میں تفصیلات طلب کر لی ہیں۔ ایک رپورٹ کے مطابق ایمنسٹی انٹرنیشنل نے حکومت اسرائیل سے ساڑھے آٹھ ہزار فلسطینیوں کے بارے میں تفصیلات مانگی ہیں جو گزشتہ دو ماہ میں صیہونی جارحانہ کارروائیوں کے دوران گرفتار کیے گئے تھے۔

۲۸ مئی: اسرائیلی دارالحکومت تل ابیب میں فدائی دھماکہ۔ تین یہودی ہلاک۔ بیت اللحم میں اسرائیلی فوج نے دوبارہ قبضہ کر کے وہاں کرفیو نافذ کر دیا ہے۔ گھر گھر مجاہدین کی تلاشی۔ ''الاقصیٰ مرٹرز بریگیڈ'' کے لیڈر ۲۸ سالہ احمد مغرابی کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔

۲۹ مئی: اسرائیلی پولیس اور خفیہ ایجنسی نے مشرقی بیت المقدس کے فلسطینی گورنر جمیل ناصر کو گرفتار کر لیا۔ ناصر کو اس وقت گرفتار کیا گیا جب وہ پی ایل او کے پولیٹیکل کمشنر کے دفاتر کا دورہ کر رہے تھے۔

۳۱ مئی: یاسر عرفات نے فلسطینی انتظامیہ کی اُس آئینی دستاویز پر دستخط کر دیئے جو ان کے اپنے اختیارات کا تعین کرتی ہے۔ یہ دستاویز پانچ سال پہلے آئین ساز اسمبلی نے منظور کی تھی...... عرب لیگ کے سربراہوں نے ایک مشترکہ بیان میں کہا کہ جب تک اسرائیلی فوج انتفاضہ سے پہلے والی پوزیشن پر نہیں جائے گی، مشرق وسطیٰ امن کانفرنس کی مخالفت کریں گے۔

یکم جون: اسرائیلی فوج کا نابلس پر دوبارہ قبضہ۔ الفتح کے مقامی سربراہ کو گرفتار کر لیا گیا۔

۲ جون: اسرائیلی فوج دوبارہ بیت اللحم اور تلکرم میں داخل ہوگئی۔

۳ جون: اسرائیلی فوج نے نابلس سے مزید ۱۰ فلسطینی گرفتار کر لئے۔ یونیورسٹی کی چار طالبات بھی گرفتار۔

۴ جون: حماس اور اسلامی جہاد کا فلسطینی حکومت میں شمولیت سے انکار۔

۵ جون: اسرائیلی فوج پھر حبرون اور جنین میں داخل ہوگئی۔

۶ جون: فلسطینی اتھارٹی نے فدائین کے خودکش حملوں کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ اتھارٹی کا ان حملوں سے کوئی تعلق نہیں۔

۷ جون: اسرائیلی فوج نے ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں کی مدد سے مغربی کنارے کے شہر رملہ پر ایک مرتبہ پھر حملہ کر دیا۔

یاسر عرفات کے ایک محافظ سمیت دو افراد شہید ہوگئے۔

۸ جون: اسرائیلی فوج بیت اللحم، جنین اور الخلیل (حبرون) میں ایک مرتبہ پھر داخل ہوگئی۔

۹ جون: مغربی کنارے اور غزہ پٹی پر تشدد کی نئی لہر۔ امن کی کوششیں واشنگٹن میں تیز ہوگئی ہیں۔ اسرائیلی وزیر اعظم ایریل شیرون صدر بش سے مذاکرات کے لئے واشنگٹن جا رہے ہیں جبکہ مصری صدر حسنی مبارک بھی امریکا میں ہیں۔

۱۱ جون: رملہ پر اسرائیل کا دوبارہ قبضہ۔ کرفیو لگا کر آپریشن شروع کر دیا۔ مشین گنوں سے فائرنگ۔ ۹ مطلوب فلسطینی گرفتار۔

۱۲ جون: امریکا کے صدر جارج بش نے فلسطین میں اسرائیل کی جارحیت کی حمایت کرتے ہوئے کہا کہ اسرائیل کو اپنی حفاظت کا پورا حق حاصل ہے۔

۱۴ جون: ۴۰ ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں کی مدد سے فلسطینی علاقے توباس پر اسرائیل کا نیا حملہ۔ رملہ میں یاسر عرفات کے ہیڈ کوارٹر کا محاصرہ ختم کر کے ٹینک اور گاڑیاں واپس چلی گئیں۔ حکومت اسرائیل نے اعلان کیا ہے کہ ضرورت پڑنے پر اسرائیلی فوج دوبارہ رملہ شہر میں داخل ہو سکتی ہے۔

۱۷ جون: فدائی حملے روکنے کے لئے اسرائیل نے مغربی کنارے پر باڑ لگانا شروع کر دی۔ ۳۵۰ کلومیٹر طویل باڑ سے اسرائیلی علاقہ مغربی کنارے سے الگ ہو جائے گا۔ داخلہ صرف چیک پوسٹ سے ہوگا۔ بیت المقدس کے چاروں طرف بھی باڑ لگائی جائے گی۔

۱۸ جون: یاسر عرفات نے مغربی کنارے پر باڑ لگانے کے اسرائیلی اقدام کو یہودی نسل پرستی قرار دے دیا۔

۱۹ جون: سعودی عرب کے وزیر خارجہ شہزادہ سعود الفیصل نے اعلان کیا کہ اگر اسرائیل تمام عرب علاقے خالی کر دے تو وہ امن معاہدے کے لئے تیار ہیں۔

۲۰ جون: امریکہ کے صدر بش نے ستمبر تک فلسطینی ریاست کے قیام کا منصوبہ بنالیا، بشرطیکہ یاسر عرفات کو فلسطینی قیادت سے محروم کر دیا جائے۔

۲۱ جون: رملہ اور بیت اللحم پر بھی اسرائیل کا قبضہ۔ یاسر عرفات نے فدائی حملے بند کرنے کی اپیل کر دی۔ حماس کا اعلان کہ حملے جاری رہیں گے۔

۲۶ جون: امریکی صدر بش نے فلسطینی ریاست کے قیام کا منصوبہ پیش کرتے ہوئے ایران، لبنان اور شام کو سفارتی پیغامات بھیجے ہیں کہ وہ اسرائیل کے خلاف حزب اللہ کے حملے بند کرائیں۔

۲۷ جون: حماس کے سربراہ شیخ احمد یاسین نے کہا کہ جب تک ارض مقدس کو اسرائیل آزاد نہیں کرتا، ہمارے فدائی حملے جاری رہیں گے۔

۲۹ جون: یورپی ممالک نے صدر بش کا یہ مطالبہ مسترد کر دیا کہ یاسر عرفات کو فلسطینیوں کی قیادت سے الگ ہو جانا چاہئے۔

۴ جولائی: صدر بش کے خلاف اور یاسر عرفات کے حق میں ہزاروں فلسطینیوں کا مظاہرہ۔ الفتح نے یاسر عرفات کو ہٹانے کی کوشش پر یہودیوں کے خلاف مسلح جدوجہد شروع کرنے کا اعلان کیا۔

۱۰ جولائی: روس، چین اور فرانس کا اعلان کہ یاسر عرفات کی حمایت جاری رکھیں گے۔ اسرائیل کا دعویٰ کہ یاسر عرفات کو چھ ماہ میں ہٹا دیا جائے گا۔

۱۱ جولائی: انتہائی خفیہ اور باوثوق ذرائع کے مطابق اسرائیلی وزیر اعظم ایریل شیرون نے یاسر عرفات کے قتل کے منصوبے کی منظوری دے دی ہے اور اس کے لئے ایک ٹاسک فورس تیار کی جا رہی ہے۔

۱۶ جولائی: اسرائیل کے وزیر دفاع نے دعویٰ کیا کہ مصر کے صدر حسنی مبارک یاسر عرفات کو ہٹانے پر رضامند ہو گئے ہیں۔

۱۸ جولائی: اقوام متحدہ اور یورپی یونین نے بھی یاسر عرفات کو ہٹانے کی تجویز مسترد کر دی۔

۲۵ جولائی: فلسطین کی جہادی تنظیم ''حماس'' نے وارننگ دی ہے کہ غزہ میں اسرائیل کی وحشیانہ بمباری کے بعد اسرائیل ان کے حملوں کا نشانہ ہوگا۔

۲۹ جولائی: مشرق وسطیٰ میں امن مذاکرات کی ناکامی اور فلسطین میں قتل و غارت کے مسئلے پر اسرائیلی حکومت میں پھوٹ پڑ گئی ہے۔ وزیر خارجہ شمعون پیریز نے وزیر اعظم شیرون کی پالیسیوں سے اختلاف کرتے ہوئے حکومت سے مستعفی ہونے کی دھمکی دے دی ہے۔

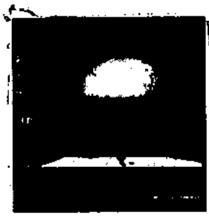

عظیم تر اسرائیل کا خفیہ منصوبہ

گزشتہ صفحات میں ''تحریک صیہونیت'' کا ذکر کرتے ہوئے بتایا گیا تھا کہ یہودیوں کے چند دانشور بزرگوں (Elders) نے ۱۸۹۷ء سے ۱۹۰۵ء تک خفیہ اجلاس کئے اور ساری دنیا پر اپنی حکومت قائم کرنے کے لئے ایک منصوبہ تیار کیا۔ اس منصوبے کو ایسی خوبی سے خفیہ رکھا گیا کہ اعلیٰ حیثیت کے یہودیوں کے سوا اسے کوئی اور یہودی دیکھ بھی نہیں سکتا تھا۔ یہ عبرانی زبان میں لکھا گیا تھا۔ اس منصوبے کی بنیاد فری میسن تنظیم کی کامیابی پر رکھی گئی تھی۔ بڑے بڑے ملکوں کی پولیس' عدلیہ اور انتظامیہ کی کلیدی اسامیاں فری میسن کے ذریعے یہودیوں کے قبضے میں آ چکی تھیں۔ امریکا' برطانیہ اور فرانس جیسے ترقی یافتہ ملکوں کی اقتصادی زندگی میں یہودیوں نے اپنا سرمایہ شامل کر لیا تھا جو اب تک اُن کے لہو میں دوڑ رہا ہے۔

اس خفیہ منصوبے کی ایک نقل روس کے ایک پادری پروفیسر نیلسن کے ہاتھ لگ گئی۔ اس نے ۱۹۰۵ء میں یہ منصوبہ روسی زبان میں ترجمہ کر کے طبع کرایا۔ پھر ایک انگریز نامہ نگار ڈاکٹر مارسڈن نے اسے انگریزی میں ترجمہ کرا کر انگلستان میں کتابی صورت میں چھپوایا۔ اردو میں اب محمد یحییٰ خان صاحب نے اس کا مکمل ترجمہ کر دیا ہے جو لاہور کے اشاعتی ادارے ''نگارشات'' کے زیر اہتمام شائع ہو گیا ہے' اور یہاں اسی نسخے سے استفادہ کیا جا رہا ہے۔

اس منصوبے کا نام ہے:

The Protocols of the learned Elders of Zion

''پروٹوکول'' کو آپ دستاویز یا باب سمجھئے۔ تعداد میں کل ۲۴ پروٹوکول ہیں۔ ان کی حقیقت جاننے کے لئے تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ ان کے عنوانات ہی سے ان کے مقاصد کا اظہار ہو جاتا ہے۔ (۱) بنیادی نظریہ یعنی اقتدار' حق اور طاقت۔ (۲) پریس کی طاقت۔ (۳) فتح کے طریقے یعنی سانپ اور اس کی اہمیت۔ (۴) مذہب پر مادے کی فوقیت۔ (۵) آمریت اور خفیہ راز۔ (۶) حصول اقتدار کی تکنیک: صنعت و حرفت اور سٹے بازی۔ (۷) عالمی جنگیں۔ (۸) عبوری حکومتیں اور یہودی معیشت۔ (۹) دوبارہ تعلیم کی ضرورت۔ قتل عام۔ (۱۰) اقتدار کے لئے تیاری۔ کٹھ پتلی صدر۔ (۱۱) آمرانہ ریاست۔ فری میسن کی کارروائیاں۔ (۱۲) پریس پر کنٹرول۔ صحافیوں کی دکھتی رگیں۔ (۱۳) اہم راہیں۔ (۱۴) مذاہب کے خلاف جنگ۔ فحش ادب کا فروغ۔ (۱۵) عالمی بادشاہت کا خواب۔ (۱۶) برین واشنگ۔ تعلیمی پروگرام۔ (۱۷) غیر یہود مذہبی محاذ۔ (۱۸) مخالفین پر جابرانہ دباؤ۔ (۱۹) سیاست میں جرائم کا فروغ۔ (۲۰) مالیاتی پروگرام۔ غیر یہود کے لئے اقتصادی بحران۔ اندرونی و بیرونی قرضے۔ (۲۱) قرضے اور سرمایہ کاری۔ (۲۲) سرمائے کی طاقت۔ (۲۳) اطاعت پر آمادگی۔ (۲۴) حکمران کی اہلیت۔

اس منصوبے کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے: ''بدی ایک ایسی قوت ہے جس سے ہم کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔ دنیا میں اچھے لوگوں کی بہ نسبت برے لوگوں کی تعداد زیادہ ہے' اس لئے ان پر کامیاب حکمرانی جبر و تشدد اور دہشت گردی کے ذریعے ہی ہو سکتی ہے' علمی بحث مباحثوں سے نہیں۔ دنیا میں رشوت ستانی' فریب کاری اور عیاری کا جو دور دورہ ہے وہ ہماری کامیابی کا ضامن ہے۔ ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ یہ خرابیاں ختم نہ ہوں...... ہمارے سامنے ایک ایسا پلان ہے جس پر ہم نے عمل نہ کیا تو ہماری صدیوں کی جدوجہد تباہ ہو جائے گی۔ حق اُس کا ہے جس کے پاس طاقت ہے۔ ہماری طاقت سونا ہے جو ہمارے قبضے میں ہے۔ ہم دنیا بھر کو دیوالیہ کر سکتے ہیں''۔

اس منصوبے کے خالقوں نے سانپ کو اپنے عزائم کی علامت قرار دیا ہے۔ ان کے مطابق یہ سانپ مشرق وسطیٰ کے تمام اور سعودی عرب اور ترکی کے بھی کچھ حصے کے گرد کنڈلی مار کے بیٹھے گا اور اس کا منہ یروشلم میں ہو گا' جہاں سے یہودی جنگ لڑے بغیر پورے علاقے کو اپنے چنگل میں لے لیں گے۔ پروٹوکول ۳ میں تحریر ہے: ''غیر یہودی اقوام اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ چونکہ انہوں نے اپنے وساتیر کو ٹھوس بنیادوں پر استوار کر لیا ہے اس لئے وہ اب بالکل محفوظ ہو گئی ہیں' لیکن اُن کے یہ پیمانے عنقریب ٹوٹ پھوٹ جائیں گے' کیونکہ ہم نے ان کی تدوین اس انداز میں کی ہے کہ ان میں توازن کی وہ شدید خامیاں موجود ہیں جو مملکتوں کی جڑوں کو کھوکھلا کرتی رہتی ہیں...... اقتدار کے بھوکوں میں قوت کے غلط استعمال کے رجحان کو فروغ دینے کے لئے ہم نے تمام گروہوں کو ایک دوسرے کے مقابل لا کھڑا کیا ہے۔ تمام جماعتوں اور گروہوں کو مسلح کر کے اقتدار ہی کو ان کا مطلوب و مقصود بنا دیا ہے۔ ریاست کو سینکڑوں متنازعہ مسائل کا اکھاڑہ بنانے کے نتائج بہت جلد سامنے آئیں گے۔ ہر ملک میں انتشار' بدامنی اور دیوالیہ پن کا دور دورہ ہو جائے گا۔ اسمبلیاں' پارلیمانوں کے اجلاس اور اقتدار کے ایوان اب کبھی ختم نہ ہونے والی فضول گوئی کے مقابلوں اور مناظروں کی آماج گاہ بن چکے ہیں۔ عوام مطبوعہ چیزوں پر آنکھ بند کر کے اعتبار کر لیتے ہیں۔ بے ایمان قسم کے پمفلٹ باز اور بے باک صحافی ہر روز بیوروکریسی کی دھجیاں اڑاتے ہیں اور عوام کو ریاست کے خلاف اکساتے ہیں۔ اس کا نتیجہ ریاستی اداروں کے تہ و بالا ہونے کی صورت میں نکلے گا اور ہر چیز ٹکڑے ٹکڑے ہو کر فضا میں بکھر جائے گی...... ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ فطرت کا قانون یہی ہے کہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس۔ ہمیں یہ نہیں سوچنا کہ اچھائی اور نیکی کسے کہتے ہیں' ہمیں صرف یہ دیکھنا ہے کہ ہماری عالمی حاکمیت کے لئے کیا مفید اور ضروری ہے''۔

آگے چل کر لکھا ہے: ''یورپی ممالک میں معاشی اور اخلاقی بحران پیدا کیا جائے گا۔ ان کے معاشی اور مالیاتی نظام پر اپنے سرمایے سے قبضہ کیا جائے گا اور اخلاقی نحوست پھیلانے کے لئے یہودی عورتوں کو استعمال کیا جائے گا جو اپنے آپ کو فرانسیسی' اطالوی' برطانوی شہری ظاہر کر کے ان ممالک کے لیڈروں' دانشوروں اور نوجوانوں کے ساتھ دوستیاں گانٹھ کر ان کی اخلاقی اور روحانی قدروں کو بیکار کر دیں گی''۔

اس خفیہ منصوبے میں تمام دنیا کے غیر یہود کو 'مویشی'

اور حیوان" کہا گیا ہے۔ "سب غیر یہودی شراب کے نشے میں مخمور بدمست حیوان ہیں...... ہمارے ایجنٹ غیر یہودی نسلوں کے نوجوانوں کو احمق اور بدکردار بنا چکے ہیں اور یہ عمل جاری ہے اور ہمیشہ جاری رہے گا۔"

غیر یہود نوجوانوں کو احمق اور بدکردار بنانے کا مقصد یہودیوں نے فحش ادب، رسائل اور فلموں کے ذریعے حاصل کیا ہے۔ یہودی ایجنٹوں کی تشریح یہ کی گئی ہے کہ جو یہودیوں کے اس منصوبے میں دانستہ یا غیر دانستہ موجود و شامل ہے: "سکولوں، کالجوں اور پرائیویٹ تعلیمی اداروں کے اساتذہ، امیر گھرانوں میں خوبصورت آیائیں اور نرسیں، دفتروں کے کلرک، عصمت فروش عورتیں، سوسائٹی گرلز، ایڈیٹر، ادیب اور معاشرے میں خرابیاں پیدا کرنے والے جرائم پیشہ لوگ جن میں سیاسی غنڈہ گردی کرنے والے خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔"

ضروری نہیں کہ یہ ایجنٹ یہودی ہی ہوں۔ ہر ملک میں وہاں کے رہنے والے غیر یہودیوں کو بھی ایجنٹ کہا جاتا ہے۔ اس منصوبے میں عوام کی آواز کو تشدد سے دبانے کی تلقین کی گئی ہے اور یہ فلسفہ پیش کیا گیا ہے کہ عوام کو جھوٹے وعدوں اور جھوٹ موٹ کی خوشحالی اور ترقی سے فریب دیتے رہو۔ کامیاب حکومت یعنی آمریت کے استحکام کا راز اسی میں مضمر ہے...... "ہم نے جن غیر یہودیوں کو ہاتھ میں لینا چاہا ہے، پہلے انہیں دولت اور عشق بازی سے مفلوج کیا ہے۔ زن اور زر انسان کی فطری کمزوریاں ہیں جن سے ہر شخص کو مفلوج کیا جا سکتا ہے۔"

پروٹوکول ۱۲ کا تعلق اخبارات و رسائل پر کنٹرول سے ہے۔ لکھا ہے: "آج کا پریس ان جذبات کو ابھارتا ہے جو ہمارے مقاصد کی تکمیل کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔ یا پھر یہ سیاسی جماعتوں کے خودغرضانہ مقاصد کو پورا کرنے میں مشغول رہتا ہے۔ یہ اکثر و بیشتر بے مغز، بے انصاف اور جھوٹا ہوتا ہے۔ عوام کی بھاری اکثریت کو اس امر کا علم نہیں ہوتا کہ پریس کن مقاصد کی تکمیل کر رہا ہے، لیکن ہم اس کے منہ میں لگام دیں گے اور مکمل طور پر اپنے قابو میں رکھیں گے۔ بلکہ ہر قسم کے مطبوعہ مواد کے بارے میں ہمارا طرزِ عمل یہی ہوگا، کیونکہ اگر ہم کتابوں اور پمفلٹوں کے حملوں کا نشانہ بنے رہے تو ہمیشہ خطرے میں رہیں گے۔ ہم اشاعتی اداروں، پرنٹنگ پریس کے قیام اور اخبارات کے ڈیکلریشن جاری کریں گے اور اس کو ایک منفعت بخش آمدنی میں تبدیل کر دیں گے۔ ہم زرِ ضمانت داخل کرانا لازمی قرار دیں گے۔ پریس کو اس امر کی بھی ضمانت دینا ہوگی کہ وہ حکومت پر تنقید نہیں کرے گا۔ اس طرح سٹامپ ٹیکس، زرِ ضمانت، ڈیکلریشن کی فیس، جرمانوں اور دیگر اقدامات سے حکومت کو بڑی آمدنی ہوگی"۔

"تمام خبریں چند ایجنسیوں کے ذریعے وصول اور نشر ہوتی ہیں۔ ہم ان تمام ایجنسیوں پر قبضہ کر لیں گے اور صرف ایسی خبریں شائع کرائیں گے جو ہماری مرضی کے مطابق ہوں...... سوچنے کی بات ہے کہ اگر آج ہم نے غیر یہود کے ذہنوں پر اتنا قبضہ جما لیا ہے کہ وہ واقعاتِ عالم کو انہی رنگین عینکوں سے دیکھتے ہیں جو ہم انہیں پہناتے ہیں، اگر آج دنیا میں ایسا کوئی ملک نہیں جس کی وہ تمام باتیں ہمیں معلوم نہ ہوں جن کو یہ احمق "سرکاری راز" کہتے ہیں تو ہماری اس وقت کیا پوزیشن ہوگی جب اقوامِ عالم کے حکمران ہم ہوں گے"۔

"اب ماہوار اور ہفت روزہ رسائل و جرائد کی طرف آئیے۔ ہم ان پر بھی ایک خاص شرح سے سٹامپ ٹیکس

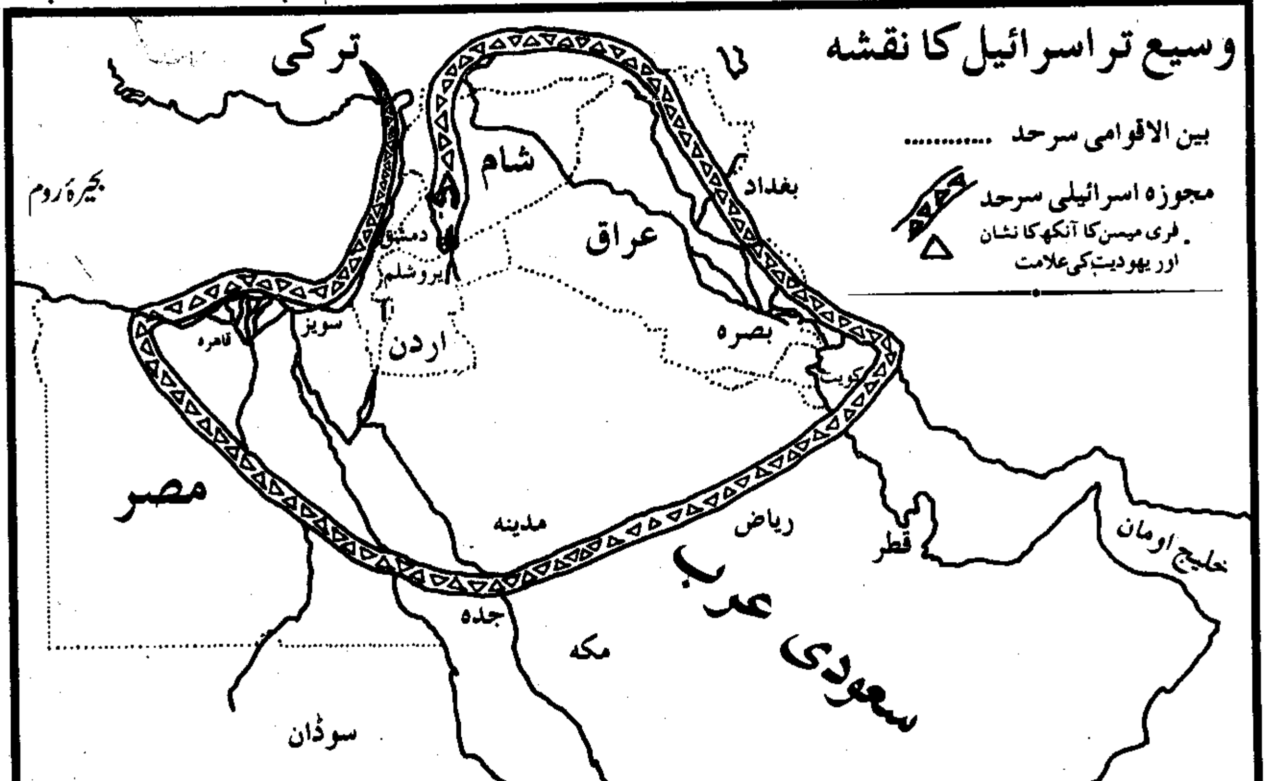

وسیع تر اسرائیل کے اس نقشے میں، اصل منصوبے کے مطابق، نہر سویز سمیت مصر کا بہت بڑا علاقہ، پورا صحرائے سینا، پورا شام، پورا لبنان، پورا اردن، پورا عراق، پورا کویت، ترکی کا جنوبی حصہ اور سعودی عرب کا ایسا پورا علاقہ جس میں نجد و حجاز کے علاوہ مسلمانانِ عالم کا دوسرا بڑا مقدس شہر مدینہ منورہ بھی شامل ہے

عائد کر دیں گے۔ انہیں بھی زرِ ضمانت جمع کرانا ہوگا۔ کاغذ کی 30 شیٹوں سے کم حجم کی کتابوں پر دوگنا ٹیکس لگایا جائے گا۔ ایسی کتابوں کو پمفلٹ کا درجہ دیا جائے گا' تاکہ ایک طرف ان رسائل کی تعداد کم ہو جائے جو مطبوعہ زہر کی بدترین قسم ہے' اور دوسری طرف اس اقدام سے مصنف حضرات اتنی ضخیم تصانیف لکھنے پر مجبور ہو جائیں کہ عوام کی بہت کم تعداد ان کے مطالعے میں دلچسپی لے۔"

"بھاری ٹیکسوں کے باعث خشک اور بے لطف ادبی تحریریں حدود کے اندر ہی رہیں گی اور جرمانوں کی صورت میں سزا کا خوف ادیبوں اور مصنفوں کو ہمارا محتاج اور دست نگر بنا دے گا۔"

"ہمارے تمام اخبارات طبقۂ شرفاء و امراء' پرستارانِ جمہوریت' انقلابی عناصر اور انتشار پسندوں غرض سب طبقوں کے نقطۂ نظر کی اس وقت تک ترجمانی کرتے رہیں گے جب تک کہ آئین کا وجود برقرار رہے گا۔ ہندو دیوتا وشنو کی مانند ان کے بھی سو ہاتھ ہوں گے اور ان میں سے ہر اخبار ہر ایک رائے عامہ کی ایک ایک دکھتی رگ پر انگلی رکھے گا۔ جب بھی لوگوں میں کسی قسم کا ہیجان پیدا ہوا تو یہ ہاتھ رائے عامہ کی رہنمائی ہمارے مقاصد کی سمت میں کر دیں گے۔"

پروٹوکول ۱۹ کا عنوان ہے: "حاکم اور محکوم"۔ اس میں سیاسی جرائم پر یوں روشنی ڈالی گئی ہے: "ہم سیاسی جرائم کو بھی قتل' چوری اور دیگر گھناؤنے جرائم کی فہرست میں شامل کر کے اخلاقی جرائم کی مانند عدالتی کارروائی کا آغاز کریں گے تاکہ سیاسی مجرموں کو بہادر' جانباز اور اولوالعزم تصور نہ کیا جائے' بلکہ ان کا وقار مٹی میں مل کر رہ جائے۔ اس طرح سیاسی جرائم اور دیگر جرائم آپس میں خلط ملط ہو جائیں گے اور سیاسی جرائم کو بھی باعثِ ننگ و شرم سمجھا جانے لگے گا۔ عوام اپنے سیاسی رہنماؤں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگیں گے۔"

پروٹوکول ۲۲ میں سرمائے کی طاقت پر یوں گوہر افشانی کی گئی ہے: "آج ہمارے ہاتھ میں وقت کی اہم ترین قوت "سونا" ہے۔ دو دن کے اندر ہم جتنا سونا چاہیں' اپنے ذخائر سے باہر لا سکتے ہیں۔ خدا نے حکومت ہمارے لئے مقدر کر دی ہے۔ اتنی عظیم دولت و ثروت کے ساتھ ہم یہ بات ثابت کر سکتے ہیں کہ ہم ہی انسانیت کے سچے خیر خواہ ہیں' جنہوں نے انتشار و افتراق سے پارہ پارہ کرۂ ارض کو حقیقی فلاح و بہبود سے آشنا کیا ہے۔"

"ہم خفیہ طریقوں سے سونے کی مدد سے' جو صرف ہمارے ہاتھ میں ہے' عالمی معاشی بحران پیدا کر دیں گے اور ہم تمام یورپی ممالک کے عوام کو حکمرانوں کے خلاف ابھاریں گے۔ عوام سمجھیں گے کہ ان کی غربت و افلاس کے ذمہ دار اُن کے حکمران ہیں۔ لہٰذا عوام امراء اور وزراء کو لوٹیں گے اور انہیں قتل کریں گے...... اور ہم ان طریقوں سے غیر یہودیوں کو مجبور کر دیں گے کہ وہ ہمارے آگے گھٹنے ٹیک دیں۔ پھر ہم دنیا کی تمام حکومتوں کو اپنی عظیم حکومت میں مدغم کر لیں گے۔ غیر یہودی تو بھیڑ بکریوں کا ریوڑ ہیں اور ہم (یہودی) بھیڑیے ہیں۔ تم جانتے ہو کہ جب بھیڑوں کا ریوڑ بھیڑیوں کے ہاتھ آ جاتا ہے تو کیا ہوتا ہے"۔

خفیہ منصوبہ اور پاکستان

عظیم تر اسرائیل کا جغرافیہ کیا ہوگا؟ اس کا نقشہ محترم ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنے ۱۹ اپریل ۲۰۰۲ء کے خطبۂ جمعہ میں یوں کھینچا ہے: "یہودیوں میں بھی دو طبقے ہیں۔ ایک طبقہ مذہبی یہودیوں کا ہے' دوسرا اسیکولر یہودیوں کا۔ مذہبی یہودی ہر حال میں گریٹر اسرائیل بنانا چاہتا ہے جس میں مصر کا بہت بڑا علاقہ' پورا صحرائے سینا' پورا البنان' پورا اردن' پورا عراق' سعودی عرب کا شمالی حصہ اور ترکی کے کچھ جنوبی حصے شامل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ طبقہ ہمیشہ سے امن مذاکرات کا مخالف رہا ہے۔ جب ان مذاکرات کا سلسلہ چلا اور اسحاق رابن دستخط کر کے آیا تو اسے ایک یہودی نے قتل کر دیا کہ تم کون ہوتے ہو ہمارے علاقے واپس کرنے والے' ہمیں عربوں سے ابھی اور علاقے لینے ہیں اور گریٹر اسرائیل بنانا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یروشلم کے معاملے میں ہم کسی کی کوئی شراکت قبول نہیں کر سکتے۔ یہ گریٹر اسرائیل کا دارالحکومت ہوگا۔ نیز ہمیں ہر قیمت پر ہیکل سلیمانی بنانا ہے اور یہ کہ ہم اسرائیل میں کسی عرب کو نہیں رہنے دیں گے' خواہ ان کا بچہ بچہ ختم کرنا پڑے یا پھر انہیں شرق اردن میں دھکیل دو"۔

گریٹر اسرائیل کے نقشے میں سانپ کی کنڈلی میں جن ممالک کو دکھایا گیا ہے اور جن کی وضاحت محترم ڈاکٹر صاحب نے کی ہے' جب سے عراق' ایران اور خصوصاً پاکستان نے ایٹمی اسلحے کی طرف توجہ کی ہے' حکومت اسرائیل نے اپنے مربی ممالک کی حمایت و امداد سے ان تین ملکوں کو بھی "گریٹر اسرائیل" کے منصوبے میں شامل کر لیا ہے۔ اسرائیل نے خصوصاً پاکستان کو اپنا ہدف نمبر ایک مقرر کر رکھا ہے' جس کی ایک بڑی اور بنیادی وجہ یہ بھی ہے کہ دنیا کے تختے پر ایسی مملکتیں جو مذہب کے نام پر وجود میں آئیں' صرف دو ہیں: اسرائیل اور پاکستان۔

پاکستان کے خلاف اسرائیل کے جو عزائم ہیں' وہ اسرائیل کے بابائے قوم بن گوریان کے الفاظ میں یہاں پیش کئے جاتے ہیں۔ وہ اسرائیل کے پہلے اور بانی وزیراعظم تھے۔ بن گوریان نے جون ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ میں عربوں کے بہت سے علاقوں پر قبضہ کر کے اور مصری افواج کو شکست دے کر فرانس میں یہودیوں کے ایک بڑے اجتماع سے خطاب کیا تھا۔ اس کا یہ لیکچر لندن سے شائع ہونے والے ایک یہودی جریدے "جیوش کرانیکل" کی ۹ اگست ۱۹۶۷ء کی اشاعت میں شائع ہوا تھا۔ اس کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیے:

"صیہونیت کی عالمی تحریک کو پاکستان سے جو خطرہ لاحق ہے' اسے کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ پاکستان درحقیقت ہمارا اصلی اور حقیقی نظریاتی جواب ہے اور ہمارے اسرائیل کے وجود کے لئے ایک چیلنج۔ پاکستان کا فکری و ذہنی سرمایہ اور جنگی و عسکری قوت آگے چل کر کسی بھی وقت ہمارے لئے مصیبت کا باعث بن سکتی ہے۔ ہمیں اچھی طرح سوچ لینا چاہئے۔ پاکستانی قوم یہودیوں سے نفرت اور عربوں سے محبت کرتی ہے۔ عالمی صیہونی تحریک کا یہ فرض ہے کہ وہ پاکستان کے خلاف فوری اقدامات کرے۔ بھارت سے دوستی ہمارے لئے نہ صرف ضروری ہے بلکہ مفید بھی۔ ہمیں اس تاریخی دشمنی سے لازماً فائدہ اٹھانا چاہئے جو ہندو پاکستان اور اس میں رہنے والے مسلمانوں کے خلاف رکھتا ہے۔ یہ تاریخی دشمنی ہمارے لئے زبردست سرمایہ ہے۔ پاکستان کے خلاف کارروائی کرنے کے لئے ہندوستان کارآمد اڈہ بن سکتا ہے۔ ہمیں چاہئے کہ اس اڈے سے فائدہ اٹھائیں اور صیہونیت کے دشمن پاکستانیوں کو کاری ضرب لگا کر کچل دیں۔ یہ کام نہایت راز داری اور خفیہ پلاننگ سے سرانجام دینا چاہئے۔"

بن گوریان نے ۱۹۶۷ء میں پاکستان کے خلاف کارروائی کرنے کے لئے بھارت کو اڈہ بنانے کی جو بات کی تھی' اسے یہودی عملی شکل دے چکے ہیں۔ یہ ۱۹۷۱ء کا واقعہ ہے۔ بھارت نے اپنی کمانڈو فورس' جس کی تعداد پچاس ہزار سے زیادہ تھی' بنگالی مسلمانوں کے روپ میں مشرقی پاکستان میں داخل کر دی تھی۔ اس فورس کو مشرقی پاکستان کے جنگلوں' دلدلی علاقوں' آبی رکاوٹوں اور نشیب و فراز سے بھرپور خطے میں گوریلا جنگ لڑنے کی تربیت اسرائیلیوں نے دی تھی اور اس کا کمانڈر ایک یہودی جرنیل' جنرل جیکب تھا جو اسرائیل نے بھارت بھیجا تھا۔ مشرقی پاکستان میں گوریلا اور کمانڈو آپریشن جنرل جیکب نے لڑایا تھا۔ پلاننگ بھی اسی کی تھی۔ دسمبر ۱۹۷۱ء میں جنرل نیازی کے پاس ہتھیار ڈلوانے کی دستاویز یہودی جنرل جیکب ہی لے کر ڈھاکا گیا تھا۔

مئی ۱۹۹۸ء میں پاکستان نے جو ایٹمی دھماکا کیا تھا' اس ضمن میں اسرائیلیوں کے بھارت سے براہ راست رابطوں کے کئی شواہد اب تک سامنے آ چکے ہیں۔ ایک کا حوالہ جناب محمد یحییٰ خان (مترجم: پروٹوکولز) نے دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: "...۱۹۹۸ء میں بھارت نے پوکھران (راجستھان) میں ایٹمی دھماکا کیا تو اس کے چند روز بعد

پاکستان نے چاغی (بلوچستان) کے بلند و بالا پہاڑوں میں بھارت سے کئی گنا زیادہ طاقتور ایٹمی دھماکے کر کے اپنا جواب دے دیا۔ اس پر بھارت کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں' کیونکہ اسے پاکستان کی ایٹمی صلاحیت کے اس درجے پر پہنچ جانے کی توقع نہ تھی۔

بھارت کے ایٹمی دھماکے پر خاموشی اختیار کرنے والے مغربی ممالک نے پاکستانی جواب پر بے حد شور و غوغا بلند کیا' مگر اس شور میں ایک "مہین" سی آواز اسرائیل کی بھی تھی۔ مہین اس لئے تھی کہ اسرائیل اس کے علاوہ کچھ "عمل" بھی کر رہا تھا جو چاغی کے بلند پہاڑوں میں ایٹمی دھماکا ہونے سے ایک روز قبل ہوتے ہوتے رہ گیا۔ ہوا یوں کہ ایک دن قبل ۲۷ مئی کو سعودی عرب کے اواکس طیاروں نے اسرائیلی جہازوں کے ۶ سکواڈرن بھارت کی طرف پرواز کرتے ہوئے دیکھ لیے۔ اس وقت کی کشیدہ صورت حال میں سعودی فضائیہ کو اسرائیل کی یہ حرکت بڑی معنی خیز معلوم ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے حکومت پاکستان کو فوری طور پر اس سے مطلع کر دیا۔ پاکستان کی مسلح افواج نے چند لمحوں میں معاملے کو بھانپ لیا اور مواصلاتی سیلائٹ کے ذریعے اسرائیلی طیاروں کی نقل و حرکت کی مانیٹرنگ شروع کر دی۔

رات بارہ بجے کے قریب بھارتی سفیر سے فون پر رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی گئی تو پتہ چلا کہ وہ کہیں "گئے ہوئے ہیں"۔ دوسری مرتبہ فون کیا گیا تو بتایا گیا کہ وہ "سو رہے ہیں"۔ اصرار کر کے جب جگایا گیا اور بھارت میں اسرائیلی طیاروں کی حرکات کا سبب پوچھا گیا تو انہوں نے بتایا کہ وہ کل صبح اپنی حکومت سے صورت حال معلوم کر کے جواب دیں گے۔

پاکستانی حکام نے اس گول مول جواب کو غیر تسلی بخش پا کر سفیر کو فوراً دفتر خارجہ میں طلب کیا اور اسے پاکستان کے بے حد قریب ایک ہوائی اڈے پر ان کی موجودگی کی فلم دکھائی۔ بھارتی سفیر نے کہا کہ یہ بھارتی طیارے ہیں۔ وزارت خارجہ نے اس کے تجاہل عارفانہ کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا کہ یہ طیارے بھارت کے خرید کردہ نہیں' بلکہ اسرائیل ہی کے ہیں جو کل یہاں پہنچے ہیں۔ اپنی حکومت کو ہماری یہ وارننگ پہنچا دو کہ اس نے اس موقع پر کوئی مہم جوئی کی تو ان طیاروں کے پاکستان کی طرف بڑھنے سے قبل بھارت کو عبرت ناک سبق سکھا دیا جائے گا۔ چنانچہ بھارتی سفیر نے اسی وقت اپنی حکومت کو پاکستان کی تشویش سے مطلع کر دیا اور اسرائیل کا یہ منصوبہ ناکام ہو گیا۔

پاکستانی سائنس دانوں اور ایٹمی ماہرین کو اچھی طرح معلوم تھا کہ اسرائیل نے عراق کی تنصیبات کیونکر تباہ کی تھیں۔ اسرائیل نے عراق کا ایٹمی ری ایکٹر ۷ جون ۱۹۸۱ء کو اس وقت تباہ کیا تھا جب وہاں محافظوں کی ایک شفٹ اپنی ڈیوٹی ختم کر کے واپس جا رہی تھی اور دوسری شفٹ والے ابھی اپنی ڈیوٹیاں سنبھالنے نہ پائے تھے۔ درمیانی وقفے کے اوقات کا صحیح صحیح سراغ لگا کر اسرائیلی طیاروں نے ایسا اچانک حملہ کیا کہ سب کچھ ملیامیٹ ہو گیا اور ساتھ ہی وہ نامور سائنس دان بھی اللہ کو پیارا ہو گیا جو عراقی ایٹمی ری ایکٹر کا معمار تھا۔ اس ذرا سی غفلت سے عراق اس شعبہ میں کئی سال پیچھے چلا گیا۔

اللہ کا شکر ہے کہ اسرائیل عراق کے بعد اس قسم کی دوسری کارروائی کا تمغہ اپنے سینے پر آویزاں نہ کر سکا۔ پاکستان نے اگلے روز نہایت کامیابی سے یکے بعد دیگرے سات ایٹمی دھماکے کر کے یہود و ہنود کے چھکے چھڑا دیے اور ان کی پشت پناہی کرنے والوں پر بھی بہت کچھ واضح کر دیا۔

اسرائیل عربوں کی مجموعی طاقت سے بھی زیادہ ایک اکیلے پاکستان کو اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھنے لگا ہے۔ اس کی پہلی وجہ مذہبی عناد ہے جس کی ایک طویل تاریخ ہے۔ قرآن مجید میں صاف حکم آیا ہے کہ یہود کو اپنا دوست خیال نہ کرو۔ یہ مسلمانوں سے راضی نہ ہوں گے جب تک مسلمان ان کا طریق اختیار نہ کر لیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ پاکستان نے آج تک کسی بھی فورم پر اسرائیل کو تسلیم نہیں کیا۔ اہل فلسطین کے خلاف اسرائیل نے جتنی بھی عسکری' سیاسی اور اقتصادی کارروائیاں کی ہیں' پاکستان نے ایک عرب ملک نہ ہونے کے باوجود ان کو اپنے خلاف معاندانہ سرگرمیاں ہی سمجھا۔ مصر اور ترکی نے اسرائیل کے ناجائز وجود کو سیاسی طور پر تسلیم بھی کر لیا لیکن پاکستان نے ایسا نہیں کیا اور امریکا' برطانیہ اور دوسرے مغربی ممالک کے سخت دباؤ اور ترغیبات کے باوجود اپنے موقف پر قائم رہا۔ پاکستان میں حکومتیں آتی جاتی رہیں' لیکن کسی بھی حکومت کو پاکستانی قوم کے موقف سے سر مو انحراف کرنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ اس کی وجہ وہی مذہبی نوعیت کی ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ یہودیوں کی عداوت پندرہ صدی پرانی ہے۔ چنانچہ جب وہ اپنی نظریاتی بنیاد پر غور کرتے ہیں تو انہیں یہی تاریخی تصادم یاد آ جاتا ہے جس کا آغاز ریاست مدینہ میں "میثاق مدینہ" کی خلاف ورزیوں سے ہوا تھا۔

اسرائیل کو پاکستان سے ایک اور قسم کی تکلیف بھی پہنچ رہی ہے۔ وہ یہ کہ یہودیوں کے ذہن میں گریٹر اسرائیل کا ایک نقشہ ہے' ان کی مذہبی پیش گوئیوں کے مطابق "یہوا" کے وعدے کا زمانہ قریب آ رہا ہے جس میں دیگر تمام مذاہب ختم ہو جائیں گے اور صرف ایک دین (صیہونیت) باقی رہ جائے گا' سب کو اسی میں مدغم ہو جانا پڑے گا۔ ہر یہودی ایسی عالمگیر بادشاہت کے تصور اور امنگ میں زندگی گزار رہا ہے۔ اس نقشے اور قدیم وعدے اور خواب کی تکمیل میں سب سے بڑی اور حقیقی رکاوٹ واحد اسلامی ایٹمی ریاست "پاکستان" ہے۔ پاکستان اور اس کی ایٹمی صلاحیت کو ملیامیٹ کر دینا اب "گریٹر اسرائیل" کا چھیواں پروٹوکول ہے۔

ان حقائق کے پیش نظر ذہن میں چند سوالات پیدا ہوتے ہیں:

کیا اقوام متحدہ یہودی ذہن کی پیداوار تو نہیں؟

اگر ایسا نہیں ہے تو یہ ہمیشہ یہود ہی کو کیوں فائدہ پہنچاتی رہی ہے؟

امریکی ویٹو ہمیشہ انہی کے حق میں کیوں استعمال ہوتا ہے؟

فلسطین میں نہتے عربوں پر یہودیوں کے مظالم کیوں بند نہیں کرائے جا سکے؟

انسانی حقوق کے کمیشن کو انسانی حقوق کی خلاف ورزی صرف مسلم ممالک ہی میں کیوں نظر آتی ہے؟

بقیہ: یہود اور عیسائی: ایک دوسرے کے دشمن

عیسائیوں کا بدترین دشمن ہوں"۔

ترکی میں یہود کی آمد

یہودیوں پر جب دنیائے عیسائیت اپنی وسعتوں کے باوجود تنگ ہو گئی تو اُن پر یہ بات کھلی کہ انہیں عالم اسلام میں جگہ مل سکتی ہے' جہاں غریب سے غریب یہودی بھی اپنے دین و مذہب پر آسانی سے عمل کر سکتا ہے اور امن چین سے زندگی بسر کر سکتا ہے۔ انہیں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ قسطنطنیہ (استنبول) میں اشیائے ضرورت کی ریل پیل ہے۔ تجارت خوب فروغ پا رہی ہے۔ اس کا شمار دنیا کے عظیم ترین شہروں میں ہوتا ہے۔ یہودی وہاں اپنی مرضی کا لباس پہننے اور رہن سہن میں بھی آزاد ہوں گے۔ ان کے بچوں کو گلیوں میں کھیل کود کی بھی اجازت ہو گی۔ ترکی کے کئی شہروں میں ان کے بڑے بڑے کنیسا پہلے سے موجود ہیں' بلکہ مزید بھی تعمیر کیے جا سکتے ہیں۔ ایک یہودی شخص سلطان ترکی کے مشیروں میں بھی شامل ہے۔ یہ خبر جرمنی میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور انہوں نے ایک ایک دو دو کر کے ترکی پہنچنا شروع کر دیا' لیکن راستے میں عیسائی انہیں لوٹ لیتے' عورتوں کی بے حرمتی کرتے اور مردوں کو قتل کر دیتے۔

تنظیم	اسلامی	کا	پیغام
نظام	خلافت	کا	قیام

اسرائیل کا مستقبل: موجودہ حالات کے تناظر میں

بیسویں صدی کی آخری دہائی میں بین الاقوامی سطح پر پے در پے چند ایسے ان ہونے اور تعجب خیز واقعات رونما ہوئے' جنہوں نے دنیا کا سیاسی وعسکری نقشہ بدلتے وقت اسرائیل کے یہودی چہرے پر صدیوں سے پڑی ہوئی سود خور نقاب بھی الٹ دی۔ اس کے چھپے ہوئے سارے ''پروٹوکول'' تمام عیاں وخفیہ عزائم اور راز ہائے درونِ پردہ ایک ایک کر کے پوری انسانیت کے سامنے کچھ اس انداز میں بے نقاب ہوئے کہ اب اسرائیل کے بارے میں یہ اندازہ کرنا کہ وہ پنپ نہ سکے گا' مشکل نہیں رہا۔ یہود صیہونیت کے دستِ شفقت سے فریب کاری کی بساط پر جو شاطرانہ چالیں چلتے آ رہے تھے' وہ اب شہ مات کے قریب آ گئی ہیں اور اسرائیل اُس جواری کی طرح جسے اپنی شکست کا یقین ہو گیا ہو' جھلاہٹ میں مرنے مارنے پر تل گیا ہے۔ اسرائیل کو ان حالوں پر پہنچانے والا اس کا مربی' محسن اور سرپرست چچا سام ہے۔

۱۹۹۱ء میں سوویت یونین کی تحلیل کے بعد امریکا جب واحد ''سپر طاقت'' بن گیا تو اُس نے ''جمہوریت' مساوات اور آزادی'' کا لبادہ اتار پھینکا اور پرلے درجے کی آمریت کا علم بردار بن گیا۔ اسی سال اسرائیل کی مدد سے عراق کا ایٹمی ری ایکٹر تباہ کر کے اس کی عسکری اور دفاعی صلاحیت کا خاتمہ کیا۔ خلیج کی جنگ (۱۹۹۱ء) نے مشرق وسطیٰ پر انتہائی منفی اثرات قائم کئے۔ عرب ممالک کے مابین پہلے سے موجود ناچاقی میں اضافہ ہوا۔ لاکھوں فلسطینی کویت سے نقل مکانی پر مجبور ہوئے۔ تنظیم آزادیٔ فلسطین (پی ایل او) کو عرب ممالک کی طرف سے جو مالی اور فوجی امداد ملتی تھی' اسے روک دیا گیا۔ کویت کے تحفظ کے بہانے امریکی افواج مشرق وسطیٰ' حتیٰ کہ سعودی عرب میں بھی آ کر جم گئیں۔

۱۹۹۰ء سے ۲۰۰۲ء تک سیاسی تبدیلیاں لانے والے واقعات میں سے تین ایسے ہیں جو انتہائی اہم سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اوّل اوسلو معاہدۂ امن (۱۹۹۳ء)' دوم اسرائیل میں فروری ۲۰۰۱ء کے الیکشن میں انتہا پسند لیکوڈ پارٹی کی کامیابی' سوم ۱۱ ستمبر کو ''ٹریڈ سنٹر'' کا انہدام اور اس کے عالمی اثرات۔ چلتے چلتے یہاں ان تینوں واقعات پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

امن کا معاہدہ یا بے امنی کا؟

جب سے اوسلو کا معاہدہ (۱۹ اگست ۱۹۹۳ء) ہوا ہے' فلسطین اور اس کے ساتھ ہی اسرائیل کا بھی امن چین' جیسا بھی پہلے تھا' غارت ہو گیا۔ اتفاق سے اس وقت امریکی قیادت یہود کے دوست بل کلنٹن کے ہاتھ میں تھی۔ اس نے چار حساس وزارتیں یہودیوں کے سپرد کر دیں۔ امور خارجہ کے لیے یہودن میڈلین البرائٹ' امور مالیات کے لئے رابرٹ رابن' دفاع کے لئے ولیم کوہن اور زراعت کے لئے گل کیمن۔ یہ سب یہودی تھے۔ علاوہ ازیں نیشنل سکیورٹی کونسل کے گیارہ ارکان میں سے سات یہودی تھے۔ سنٹرل بنک کا صدر یہودی' سی آئی اے کا ڈائریکٹر یہودی تھا۔

امریکا نے اپنے ''نیو ورلڈ آرڈر'' کے نفاذ کے لئے مناسب سمجھا کہ اپنے عسکری اتحادی' بلکہ اپنے ایجنٹ ''اسرائیل'' کو آگے بڑھایا جائے۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ ''مسئلہ فلسطین'' کی فائل ہمیشہ کے لئے بند کر دی جائے۔ سوویت یونین کی تحلیل کے بعد روس اور مشرقی یورپ کے ممالک نے اسرائیل سے اپنے سفارتی اور تجارتی تعلقات مزید استوار کر لئے۔ انہوں نے یہودیوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو ارضِ فلسطین منتقل ہونے کی اجازت دے دی۔

چنانچہ ۷ مئی ۲۰۰۰ء کو اسرائیل نے روس سے آنے والے یہودیوں کی تعداد دس لاکھ تک پہنچنے پر' سرکاری طور پر جشن منایا۔ آنے والے یہودیوں میں ۹۲ ہزار ماہرین بھی تھے' جن میں ایٹمی سائنسدان اور فوجی ماہرین بھی شامل تھے۔ یوں اسرائیل مشرق وسطیٰ کے لئے پہلے سے بھی زیادہ خطرناک ہو گیا۔ اسرائیل کے لئے یہ سازگار ماحول دیکھ کر صدر کلنٹن نے یاسر عرفات کو ورغلانا شروع کیا تو جس طرح صدر جمی کارٹر نے انور السادات کو ورغلا کر کیمپ ڈیوڈ معاہدہ کرایا تھا اور صحرائے سینا کے بدلے مصر سے اسرائیل کو تسلیم کرا لیا تھا' اسی طرح اوسلو (ناروے) میں جنوری ۱۹۹۳ء میں معاہدے کی تجویز دی گئی' جو ۱۹ اگست کو ظاہر ہوا اور ۱۳ ستمبر کو دستخط ہوئے۔ اس تقریب کی سرپرستی صدر کلنٹن نے کی۔ اس موقع پر اسرائیلی وزیر اعظم اسحاق رابن اور یاسر عرفات بھی موجود تھے۔ فلسطین کی جانب سے اس معاہدے پر محمود عباس تھے' جبکہ اسرائیل کی جانب سے ان کے ہم منصب اسرائیلی وزیر خارجہ شمعون پیریز۔ معاہدے پر گواہوں کے طور پر امریکا اور روس کے وزرائے خارجہ نے دستخط کئے۔

اوسلو معاہدہ کے تحت فلسطینیوں کے حق خود ارادیت کو اسرائیل نے تسلیم کیا۔ ایک ''فلسطینی اتھارٹی'' قائم کی گئی۔ غزہ کی پٹی' مغربی کنارے اور جریکو میں فلسطینی اتھارٹی کی حکومت تسلیم کر لی گئی۔ اتھارٹی کو تعلیم' صحت' سماجی خدمات' ٹیکس اور سیاحت کے شعبوں میں ایسے اختیارات دیئے گئے جیسے میونسپل کارپوریشن کو دیئے جاتے ہیں۔ پھر یہ کہ یہ اختیارات عارضی اور مشروط تھے۔ اسرائیل نے زیادہ سے زیادہ وقت گزارنے کے لئے یہ تمام اختیارات اس وقت تک فلسطینی اتھارٹی کو (مستقل بنیاد پر) منتقل کرنے سے انکار کر دیا جب تک اتھارٹی اپنی صلاحیت ثابت نہ کرے اور حماس' انتفاضہ اور دیگر مزاحمتی تحریکوں کو مکمل طور پر ختم نہ کر دے۔

فلسطینی اعراب کی جانب سے اوسلو معاہدے پر چند سخت اعتراضات کئے گئے' جن کا خلاصہ یہ ہے:

۱) فلسطین کی آزادی کا تعلق پوری امتِ مسلمہ سے ہے۔ کوئی ایک گروہ چاہے وہ فلسطینی ہی کیوں نہ ہو' حق نہیں رکھتا کہ اس اہم ملی ومذہبی مقصد کو نظر انداز کر کے یک طرفہ معاہدہ کر لے۔ امت مسلمہ کے سرکردہ علماء نے یہ معاہدہ ناجائز قرار دیا اور فلسطین کی مکمل آزادی تک جدوجہد جاری رکھنے کا حکم دیا۔

۲) یاسر عرفات نے اس معاہدے کے وقت اور اس کے بعد ہونے والے دیگر معاہدوں میں فلسطینی عوام سے کوئی رائے نہیں لی جس کا بڑا حصہ اسلام پسندوں پر مشتمل ہے۔ اس معاہدے کے خلاف اسلام پسندوں' بائیں بازو کی جماعتوں' قوم پرستوں اور حتیٰ کہ خود الفتح کے بعض رہنماؤں نے اس معاہدے کی ذلت آمیز

شرائط پر شدید اعتراض اور احتجاج کیا ہے۔

۳) اس معاہدے کے تحت یاسر عرفات اور پی ایل او نے اسرائیل کے لئے ''موجود رہنے کا حق'' تسلیم کر کے درحقیقت فلسطین کے ۷۷ فی صد حصے کو ہمیشہ کے لئے یہودیوں کے حوالے کر دیا ہے' جس پر انہوں نے ۱۹۴۸ء میں قبضہ کر لیا تھا۔

۴) بیت المقدس کے مقدس شہر کا مستقبل جس پر یہودیوں نے قبضہ کر کے اسے اپنا دارالحکومت قرار دیا ہے' اس کا ۶۶ فی صد حصہ بذریعہ طاقت غصب کیا ہے اور شہر کے مشرقی حصے میں نئی یہودی بستیاں تعمیر کر کے وہاں دو لاکھ سے زائد یہودیوں کو آباد کیا گیا' تاکہ اس کو خالص یہودی شہر بنا دیا جائے۔

۵) پچاس لاکھ سے زیادہ فلسطینی مہاجرین کے مستقبل کا کوئی فیصلہ نہیں کیا گیا۔

۶) دفاع اور سرحدوں کی حفاظت کا حق فلسطینی اتھارٹی کے پاس نہیں ہے۔ اسرائیل کی اجازت کے بغیر اس خودمختار علاقے میں کوئی اہل کار یا اسلحہ نہیں لایا جا سکتا۔ اتھارٹی کوئی فوج نہیں رکھ سکتی۔

۷) عارضی مدت کے دوران اسرائیل کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ فلسطینی اتھارٹی کی اسمبلی میں پاس ہونے والی کسی بھی قرارداد کو ویٹو کر سکے۔

۸) غزہ پٹی اور مغربی کنارے کے علاقے کو ''مقبوضہ علاقے'' کہا گیا۔ گویا اس معاہدے کی رو سے یہ متنازعہ فیہ علاقے ہیں۔

۹) معاہدے میں اپنے اس عہد کے تحت کہ وہ اسرائیلی علاقے کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے' اتھارٹی (یعنی یاسر عرفات اور ان کی تنظیم پی ایل او) عملاً اس بات پر مجبور ہے کہ وہ اپنے ہی لوگوں' مجاہدین' فدائین کے خلاف کارروائی کرے اور یوں وہ اپنے علاقے میں اسرائیل کی نمائندہ جماعت بن کر رہ گئی ہے۔

معروف فلسطینی دانشور ایڈورڈ سعید نے اس معاہدے پر تنقید کرتے ہوئے لکھا:

''یاسر عرفات اپنے عوام کو اس جال تک لے گئے ہیں جس سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں''۔

(یہ تبصرہ پاکستان کے صدر جنرل پرویز مشرف کے رویے پر فٹ بیٹھتا ہے' جنہوں نے عالمی برادری سے علی الاعلان وعدہ کیا ہے کہ پاکستان کی طرف سے کوئی مجاہد لائن آف کنٹرول عبور کر کے کشمیر میں داخل نہیں ہوگا)

بلڈوزر یا بندۂ امن

بیسویں صدی کے آخری عشرے کا دوسرا بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ فلسطین کے حوالے سے اکیسویں صدی کا پہلا بڑا واقعہ یہ ہوا کہ فروری ۲۰۰۱ء میں اسرائیل میں انتخابات ہوئے' جن کے نتیجے میں لیکوڈ (اتحاد) پارٹی کا چیئرمین ایریل شیرون ۷ مارچ کو اسرائیل کا وزیراعظم منتخب ہوا۔ اس نے یہودیوں کی آبادکاری کی وزارت بھی اپنے پاس رکھی۔ اسرائیلی عوام شیرون کو بلڈوزر (تباہ کار) کہتے ہیں جبکہ امریکا کے صدر بش نے اسے بندۂ امن "Man of Peace" کے لقب سے نوازا ہے۔ اور حقیقت میں وہ ایک درندہ صفت' جرائم پیشہ اور انسانیت کا دشمن ہے۔ اس کے مظالم اور سیاہ کاریوں کی پوری رپورٹ ہم نے بذریعہ انٹرنیٹ اسرائیل کی وزارتِ خارجہ کی سرکاری فائل سے حاصل کی ہے' جس پر حاشیہ آرائی الیکٹرونک انتفاضہ نے کی ہے۔ یہاں اس رپورٹ کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

شیرون نے یروشلم کی عبرانی یونیورسٹی سے مشرق وسطیٰ کے مطالعۂ خاص اور وکالت کی ڈگریاں حاصل کیں۔ ایک کتاب کا مصنف ہے۔ مقامی اور غیر ملکی اخبارات میں اس کے مضامین چھپتے رہتے ہیں۔ ۱۹۲۸ء میں پیدا ہوا تھا۔ چودہ برس کی عمر میں دہشت گرد تنظیم ''ہگانا'' میں شامل ہوا۔ ۱۹۴۸ء کی جنگ میں ایک انفنٹری کمپنی کی کمان کی۔ ۱۹۵۳ء

کیا مسلمان امت آج اللہ کے عذاب کی زد میں ہے؟
قرآن حکیم کی رو سے اللہ کا قانونِ عذاب کیا ہے؟
بنی اسرائیل اور موجودہ امت مسلمہ میں مماثلت کس اعتبار سے ہے؟
سابقہ امت مسلمہ بنی اسرائیل کی دو ہزار سالہ تاریخ کے چار ادوار کے مقابلہ میں
موجودہ امت مسلمہ کی چودہ سو سالہ تاریخ کے چار ادوار کون کون سے ہیں؟
قرآن وحدیث کی روشنی ''آنے والے دور'' کی کونسی واضح تصویر سامنے آتی ہے؟
اور
کیا ''خلیج کی جنگ'' ''جنگوں کی ماں'' ہے؟

ان اہم سوالات کے جوابات پر مشتمل

امیر تنظیم اسلامی **ڈاکٹر اسرار احمد** کی کتاب

سابقہ اور موجودہ
مسلمان امتوں کا ماضی حال اور مستقبل
اور
مسلمانانِ پاکستان کی خصوصی ذمہ داری

کا مطالعہ کیجئے

یہ کتاب یہود کی مسلم دشمنی اور فلسطین اسرائیل تنازعہ کے پس منظر اور مشرقِ وسطیٰ کے مستقبل کے حوالے سے حقائق کو جاننے کے خواہشمند حضرات کے لئے ایک کلید کا درجہ رکھتی ہے

آج ہی اپنی کاپی بک کرائیں —— قیمت: 60 روپے
ملنے کا پتہ: **مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور**
36 کے ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 03-5869501

میں ''۱۰۱'' سپیشل کمانڈو یونٹ کے کمانڈر کی حیثیت سے اس نے فلسطینیوں کے گاؤں تباہ و برباد کئے۔ ۱۶ اکتوبر کو مغربی کنارے کے ایک گاؤں قبیہ کے ۴۵ مکانات کو نذرِ آتش کیا اور ۶۹ فلسطینیوں کو ہلاک کیا۔

۱۹۵۶ء میں صحرائے سینا میں مصری فوج کے خلاف ایک چھاتہ بردار بریگیڈ کی قیادت کی اور ۲۷۰ مصری جنگی قیدیوں کو تہ تیغ کر دیا۔ ان میں زیادہ تر سڑکوں کی مرمت کرنے والے مزدور تھے۔ ۱۹۶۷ء کی چھ روزہ جنگ میں شیرون ایک بکتر بند ڈویژن کا کمانڈر تھا۔ ۱۹۶۹ء میں وہ جنوبی کمانڈ کا سربراہ تھا۔ اس حیثیت میں اس نے اگست ۱۹۷۱ء میں غزہ پٹی میں فلسطینیوں کے دو ہزار مکانات کو اپنی آنکھوں کے سامنے مسمار کرایا' جس سے بارہ ہزار لوگ بے گھر ہو کر پناہ گزیں ہو گئے۔ سینکڑوں نوجوانوں کو گرفتار کر کے اردن اور لبنان میں دھکیل دیا گیا۔ چھ سو مجاہدین کو صحرائے سینا میں محصور کر دیا گیا۔ ۱۰۴ مجاہدین کو شہید کر دیا۔

۱۹۷۳ء کی جنگِ رمضان میں شیرون ایک بکتر بند ڈویژن کی قیادت کرتے ہوئے نہر سویز پار کر کے مصر میں داخل ہوا۔

اس کے بعد وہ کئی بار پارلیمنٹ کا رکن منتخب ہو کر وزیر بنا۔ ۱۹۸۱ء میں اسے وزیر دفاع مقرر کیا گیا۔ اس بلڈوزر نے ۱۹۸۲ء میں لبنان میں واقع صابرہ اور شتیلا کے مہاجر کیمپوں پر چڑھائی کی اور مہاجرین کا قتلِ عام کرایا۔ ''تھرڈ ورلڈ کوارٹرلی'' کی اشاعت اکتوبر ۱۹۸۴ء میں شائع شدہ اعداد و شمار کے مطابق تقریباً تین ہزار فلسطینی اور لبنانی شہید کئے گئے۔ صابرہ اور شتیلا کے قتل عام کی خبریں عام ہونے کے بعد اسرائیل سمیت پوری دنیا میں احتجاج کا طوفان اٹھا اور مطالبہ کیا گیا کہ شیرون کو حکومت سے برطرف کیا جائے اور اس کے خلاف جنگی جرائم کا مقدمہ چلایا جائے۔ اسرائیلی پارلیمنٹ نے اس معاملے کی تحقیق کے لئے ایک کمیٹی بنائی۔ کمیٹی نے شیرون کو قتل عام کا اصل مجرم قرار دیا' جس کے بعد اسے وزارت سے مستعفی ہونا پڑا' لیکن اسے کوئی سزا نہیں ملی' کیونکہ اس کے جرائم اسرائیل کے خلاف نہیں تھے۔

۱۹۹۰ء میں شیرون بحالیات کا وزیر مقرر ہوا۔ سوویت یونین کی تحلیل کے بعد صرف دو سال کے عرصے میں ایک لاکھ دس ہزار یہودی روس سے منتقل ہو کر اسرائیل آئے جن کی آباد کاری کے لئے شیرون نے ایک لاکھ ۴۴ ہزار نئے اپارٹمنٹ تعمیر کرائے۔

۱۹۹۳ء میں اوسلو معاہدے کے بعد اس معاہدے کے دشمن نمبر ایک کی حیثیت سے شیرون نے مغربی کنارے اور غزہ پٹی میں یہودیوں کی ۳۰ نئی بستیاں آباد کیں۔

فروری ۲۰۰۱ء میں انتخابی مہم کے دوران میں دہشت گرد شیرون بڑی گستاخی اور بدتمیزی سے' بیت المقدس پر اسرائیلی حکمرانی جتانے کے لئے الیکشن سے چار ماہ قبل ۲۸ ستمبر ۲۰۰۰ء کو ۶۰۰ مسلح سپاہیوں کو ہمراہ لے کر مسجد اقصیٰ کے صحن میں آیا اور اشتعال انگیز تقریر کرنے لگا۔ پورے شہر بیت المقدس کو کنٹرول کرنے کے لئے اس نے مزید تین ہزار سپاہی پھیلا دیئے تھے۔ طاقت کے اس مظاہرے' غرور اور ذلت آمیز رویے کی مثال کم ہی ملتی ہے' لیکن اس کا فائدہ یہ ہوا کہ انتفاضہ پوری قوت سے (اور ملت اسلامیہ بھی) بیدار ہو گئی' اگرچہ پہلے ہلے میں ۳۹۳ فلسطینیوں کو جان کا نذرانہ پیش کرنا پڑا۔

ٹریڈ سنٹر کا انہدام

۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کو امریکہ کے مشہور ''ٹریڈ سنٹر'' کا انہدام تیسرا بڑا واقعہ ہے' جس نے یہودیوں کے خفیہ عزائم کو طشت از بام کر دیا ہے۔ اگرچہ انہیں یہ نقصان بھی پہنچا ہے کہ ان کے ''گریٹر اسرائیل'' کے منصوبے کو امریکا نے بڑی ہوشیاری اور مفاد پرستی سے اپنے ''نیو ورلڈ آرڈر'' کا حصہ بنا لیا ہے۔ اب متعدد شواہد ملنے پر یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچنے والی ہے کہ ''ٹریڈ سنٹر'' خود یہودیوں نے تباہ کرایا تھا۔ اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ جس تعمیراتی کمپنی کو ''ٹریڈ سنٹر'' تعمیر کرنے کا ٹھیکہ دیا گیا تھا' اب اسی کمپنی کو ٹریڈ سنٹر کا ملبہ اٹھانے کا بھی ٹھیکہ دیا گیا ہے۔ تعمیر کرنے کا جو خرچہ تھا اس سے زیادہ ملبہ اٹھانے کا خرچہ آئے گا۔ یہ تو ہوئی مالیات کی بات' عالمی سیاست کے نقطہ نظر سے اسرائیل یعنی امریکا افغانستان پر عملاً قابض ہو کر وسط ایشیا کی تیل اور گیس پیدا کرنے والی ریاستوں کا اجارہ دار بن گیا ہے۔ پاکستان کے ایٹمی اسلحے پر تسلط حاصل یا اسے برباد کرنے کے لئے معروف اسرائیلی سانپ نے اپنی کنڈلی پھیلا کر پاکستان کو بھی اس میں سمیٹ لیا ہے اور اس مقصد کی خاطر اس نے ہنود کا تعاون حاصل کر لیا ہے' جس کا تازہ ترین ثبوت اسرائیل کا وہ بے پائلٹ جاسوس طیارہ ہے جسے پچھلے ہفتے پاکستانی حدود میں پاکستانی فضائیہ نے مار گرایا ہے۔ امریکا' اسرائیل اور بھارت کی مثلث نے نہ صرف جنوبی ایشیا اور مشرق وسطیٰ بلکہ پوری امن پسند دنیا کو ایک چیلنج کی حیثیت دے دی ہے۔ اس تازہ چیلنج کا سامنا کرنے کے لئے بالخصوص عالم اسلام پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ان سے فی الحال اغماض برتا جا رہا ہے۔ موجودہ صورت حال کا نقشہ کچھ یوں ہے۔

فلسطینی اتھارٹی: موجودہ صورتِ حال

غزہ پٹی میں فلسطینی پولیس ۱۸ مئی ۱۹۹۴ء کو داخل ہوئی اور جریکو میں نئی انتظامیہ نے یاسر عرفات کے سامنے ۵ جولائی کو دستوری حلف اٹھایا۔ امن معاہدے کے بارے میں جو شکوک و شبہات تھے چند ماہ میں وہ ایک ایک کر کے درست ثابت ہونے لگے۔ معاہدے کی رو سے اتھارٹی کو زمین کا کچھ مزید حصہ ''اچھا رویہ'' اور فرماں برداری کی صورت میں مل سکتا تھا۔ بدنیت یہودیوں نے یہ کھیل بہت سکون سے اور مزے لے لے کر کھیلا' جس طرح بلی چوہے کے ساتھ کھیلتی ہے۔ یہودی ہر قدم پر مزید رعایتوں کے طالب ہوئے اور ہر مرتبہ مزاحمت کی تحریکوں کے خلاف زیادہ سے زیادہ سخت کارروائی کا مطالبہ کرتے رہے۔ حماس اور الجہاد الاسلامیہ اور انتفاضہ کو کچل دینے کی شرط اتھارٹی کے گلے میں کانٹوں کا ہار بن گئی ہے۔

دریں اثناء دفاع اور انتظامیہ کے اخراجات آسمان کو چھونے لگے ہیں۔ فوج رکھنے پر ممانعت ہے' لیکن چالیس ہزار پولیس بھرتی کی گئی ہے۔ یاسر عرفات کے دفتری اور حفاظتی دفاعی اخراجات کل بجٹ کا ۷۰ فی صد ہیں۔ بقیہ ۳۰ فیصد بجٹ تمام وزارتوں اور خدمات (تعلیم' صحت' بجلی' سماجی خدمات وغیرہ) کے لئے تقسیم کیا جاتا ہے۔ ''اتھارٹی'' کے اداروں میں نااہلی' بدعنوانی اور اقربا پروری ہے۔ الفتح کے ممتاز قائدین میں سے ایک محمد جہاد کے مطابق ''یاسر عرفات نے اپنے اردگرد چوروں اور موقع پرستوں کا ایک گروہ جمع کر لیا ہے۔ اتھارٹی کی اپنی ایک کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق ۱۵۰۰ ملین ڈالر کے بجٹ میں ۳۲۶ ملین ڈالر کا غبن سامنے آیا ہے۔ کونسل اس بدعنوانی پر اس قدر سیخ پا ہوئی (یہ مئی ۱۹۹۷ء کا واقعہ ہے) کہ تقریباً اتفاق رائے سے عرفات حکومت کے خلاف قرارداد پاس ہوئی۔ قرارداد کے حق میں ۵۶ جبکہ مخالفت میں ایک ووٹ پڑا۔ اتھارٹی کے علاقے میں رہنے والے بیس دانشوروں نے ایک مشترکہ اپیل کے ذریعے عرفات حکومت کی بدعنوانی' اقربا پروری اور آمرانہ پالیسی کو نشانہ بنایا گیا۔ کہا گیا کہ:

> ''موجودہ فلسطینی حکومت عوام کی نمائندہ نہیں ہے۔ یہ حکومت موجودہ تباہ کن صورت حال کو بدلنے کی صلاحیت نہیں رکھتی' بلکہ یہ خود موجودہ مصائب کی ذمہ دار ہے''۔

اتھارٹی کی اب تک کی سب سے بڑی کامیابی ہر طرح کی اپوزیشن کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا ہے۔ اپنے پہلے سال میں اس نے گرفتاریوں کی بارہ سے زیادہ مہمیں چلائیں۔ غزہ کے چھوٹے سے علاقے (۳۶۳ مربع کلو میٹر) میں ۴۴ پولیس سٹیشن اور ۲۳ ناکے لگائے گئے ہیں۔

اسلام پسندی کی تحریک کے خلاف ایک دہشت کی سی صورت اختیار کرنے کے لئے اس نے ایک ماہ (اپریل ۱۹۹۵ء) میں ۵۷ مساجد میں ۱۳۸ مرتبہ نمازیوں کی تلاشی لی۔ یہودیوں کے خلاف جو بھی مزاحمتی تحریک اٹھی' اسے سختی سے دبایا۔ جب بھی جہادی گروہوں کی طرف سے اسرائیل

کے خلاف کارروائی ہوئی تو اسرائیل سے بھی زیادہ سختی سے ''اتھارٹی'' نے جہادی گروپوں کو کچلنے کی کوشش کی۔

امریکہ' اسرائیل اور اتھارٹی کے مشترکہ دفاعی نظام کے باعث کئی جہادی آپریشن ناکام بنائے گئے اور کئی مجاہدوں کو گرفتار کیا گیا۔ اس وقت بھی فلسطینی اتھارٹی کی جیلوں میں تقریباً دو ہزار قیدی موجود ہیں جن میں سے ۲۰۰ ایسے ہیں جن پر نہ کوئی فردِ جرم عائد کی گئی ہے اور نہ کوئی مقدمہ ہی عدالت میں پیش کیا گیا ہے۔

یاسر عرفات کو ''مردِ مجاہد'' کی حیثیت سے جو عالمی شہرت تھی' وہ اب کم ہو کر ''امریکی پٹھو'' کی صورت اختیار کر گئی ہے' حالانکہ وہ اب بھی اسرائیل کے محاصرے میں محبوس یہی اعلان کرتے ہیں کہ ''جان دے دوں گا' ہار نہیں مانوں گا''۔ اپنی حکومت کی کمزوریوں پر بھی وہ گہری نظر رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنے تازہ ترین بیان (۱۳ جون ۲۰۰۲ء) میں اعلان کیا ہے کہ وہ فوری طور پر ''اتھارٹی'' کے اداروں اور اپنی کابینہ میں تطہیر کا عمل کریں گے۔

اسرائیل: موجودہ صورت حال

دوسری طرف اسرائیل اپنے دیرینہ و موجودہ منصوبوں پر مستقل مزاجی سے عمل پیرا ہے۔ نئی نئی زمینوں پر قبضہ کیا جا رہا ہے۔ مغربی کنارے اور غزہ پٹی میں نئی نئی بستیاں بسائی جا رہی ہیں۔ یہودیوں کو بیت المقدس میں بسا کر اس شہر کی اسلامی شناخت کو ختم کیا جا رہا ہے۔ مسجد اقصیٰ کو ڈھا کر اس کی جگہ ہیکل سلیمانی تعمیر کرنے کے منصوبے پر عمل جاری ہے۔ مسجد کے نیچے سرنگیں کھودی جا رہی ہیں۔

اسرائیل نے عرب اور مسلمان ملکوں کی باہمی ناچاقی سے خوب فائدہ اٹھایا ہے۔ ۱۹۴۸ء میں یہاں ساڑھے چھ لاکھ یہودی تھے۔ آج ۲۰۰۲ء میں یہاں پچاس لاکھ سے زیادہ یہودی آباد ہیں' جو پوری دنیا میں آباد یہودیوں کی کل تعداد کا ۳۶ فیصد ہیں۔

روس اور مشرقی یورپ کے ممالک نے اسرائیل سے سیاسی' سفارتی اور تجارتی تعلقات استوار کرنے میں کوئی الجھن محسوس نہیں کی۔ اسلامی ملکوں میں سے ترکی اور مصر نے اسے تسلیم کر لیا۔ اوسلو معاہدے نے اردن کو مجبور کر دیا کہ وہ اسرائیل سے امن معاہدہ کرے۔ کچھ دوسرے عرب ممالک مثلاً قطر' اومان' تیونس نے بھی اسرائیل سے تجارتی تعلقات استوار کر لئے ہیں۔ پچاس سے زائد ممالک کے اسرائیل سے سفارتی و تجارتی تعلقات ہیں۔

اسرائیل امریکہ اور یورپی ممالک کے مالی تعاون سے معاشی طور پر بہت مستحکم ہو گیا ہے۔ اس کی پیداوار ۱۹۸۳ء میں ۱۵.۴ بلین ڈالر تھی جو ۲۰۰۱ء میں بڑھ کر ۱۰۵.۴ ڈالر تک پہنچ گئی گویا سات گنا اضافہ۔ یوں امریکہ اور دیگر بیرونی امداد پر انحصار کم ہو گیا ہے۔ ۱۹۸۳ء میں بیرونی امداد کل آمدنی کا ۲۵ فیصد تھی' جبکہ آج یہ کم ہو کر صرف ۴ فیصد رہ گئی ہے۔ ۲۰۰۰ء میں فی کس آمدنی اٹھارہ ہزار ۳۰۰ ڈالر تھی جو کہ دنیا کی بلند ترین شرح آمدنی ہے۔ ۲۰۰۰ء میں اسرائیل کی سالانہ آمدنی ۴۰ بلین ڈالر تھی جبکہ کل خرچہ ۴۲.۴ ڈالر تھا۔ یہ آمدنی' مصر' شام اور لبنان کی کل آمدنی سے بھی ۸ بلین ڈالر زیادہ ہے۔

اسرائیل کی فوج تعداد اور اسلحہ کے لحاظ سے مشرق وسطیٰ کی سب سے طاقتور فوج ہے۔ اس کے باقاعدہ فوجیوں کی تعداد ایک لاکھ ۸۷ ہزار ہے جو کہ ۷۲ گھنٹوں میں سات لاکھ تک ہو سکتی ہے۔ اگر رضاکار دستوں کو بھی ملا لیا جائے تو کل تعداد تیس لاکھ تک جا پہنچتی ہے۔ مشرق وسطیٰ میں جدید ترین ایٹمی اور روایتی ہتھیار اسرائیل کے پاس ہیں اور اس کی وجہ امریکہ ہے۔ امریکہ کے تعاون سے ۲۰۰ سے زائد اسرائیلی کمپنیاں اسلحہ سازی میں مصروف ہیں جبکہ امریکہ نے اسرائیل کے ساتھ ایک باقاعدہ معاہدے کے تحت اسرائیلی فوج کو علاقے کی تمام عرب افواج کی مجموعی صلاحیت سے زیادہ صلاحیت دینے کا ذمہ لے رکھا ہے۔ اسرائیل کے پاس ۲۰۰ ایٹمی بم ہیں جبکہ وہ اسلحے کی برآمدات میں پانچواں بڑا ملک ہے۔

تاہم تصویر کا دوسرا رخ بھی دیدنی ہے۔ خود اسرائیلی پریس کے مطابق اسرائیل ٹوٹ رہا ہے۔ ایریل شیرون کی انتہا پسندی اور فدائی حملوں کے باعث معیشت تباہ ہو رہی ہے۔ جب سے شیرون کی حکومت آئی ہے' ڈیڑھ سال میں پانچ ارب ڈالر کا نقصان ہوا ہے۔ موجودہ اسرائیل کو خود یہود کے کئی طبقے قبول نہیں کرتے' بلکہ اس کے شدید مخالف ہیں' لیکن انٹرنیشنل میڈیا پر یہودی کنٹرول کی وجہ سے ان کی

صفہ پبلشرز کی مطبوعات

۱۔تعارف الکتاب		ڈاکٹر اسرار احمد	90/-
۲۔تقویۃ الایمان مع تذکیر الاخوان		مولانا اسماعیل شہیدؒ	80/-
۳۔صالح خاوند	ترجمہ واضافہ:	غازی محمد اسحاق	70/-
۴۔صالح بیوی	ترجمہ واضافہ	غازی محمد اسحاق	70/-
۵۔تعلیم الاسلام		مفتی کفایت اللہ	40/-
۶۔قائدہ یسرنا القرآن با تجوید		محمد صابر عبداللہ شیخ	40/-
۷۔حضرت امام شامل	ترجمہ و تلخیص	اظہار احمد قریشی	150/-
۸۔شکنجہ یہود (پال فنڈلے کی کتاب ''They Dare to Speak Out'' کا ترجمہ)		سعید رومی	220/-
۹۔کامیاب زندگی کے سات سنہرے اصول		ابن صالح	20/-
۱۰۔قندیل سکاؤٹ		راحت علی جعفری	30/-
۱۱۔مچھلیوں کی بیماریاں اور علاج		ڈاکٹر محمد نذیر بھٹی	210/-
۱۲۔شیطان اور اس کا دجل و فریب		بسینہ خٹک	140/-
۱۳۔انسانیت کی کہانی' رسومات کی زبانی		ڈاکٹر شمس الحق	120/-
۱۴۔اسرائیل کی دیدہ و دانستہ فریب کاریاں (پال فنڈلے کی کتاب ''Deliberate Deceptions'' کا ترجمہ)		سعید رومی	200/-
۱۵۔مسلم مسیح مکالمہ		مترجم: آسی ضیائی	80/-
۱۶۔''کہتا ہوں سچ'' (ڈاکٹر اسرار احمد کے سیاسی نظریات)		مرتب: مرزا ندیم بیگ	زیر طبع

ملنے کا پتہ: **صفہ پبلشرز** 19' اے ایبٹ روڈ' لاہور۔ فون: 6307269

آواز سنائی نہیں دیتی۔ ان میں روایتی مذہبی یہود کے فرقوں کے علاوہ لبرل یہودیوں کا طبقہ بھی شامل ہے۔ معروف یہودی سکالر ڈاکٹر ہلر برجر لکھتا ہے:

"یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ کوئی پکا مذہبی یہودی یہ نہیں مانتا کہ موجودہ اسرائیلی ریاست اس طریق عمل سے وجود میں آئی ہے جو بائبل کے احکامات سے ذرہ برابر بھی مطابقت رکھتا ہو۔ پکے مذہبی یہودی درحقیقت موجودہ اسرائیلی ریاست کو بائبل کی تحقیر سمجھتے ہیں اور اس ریاست کو مطلقاً رد کرتے ہیں' بلکہ وہ اس بات پر سخت ناراض ہیں کہ اس یہودی ریاست نے "اسرائیل" کا مقدس نام ہتھیالیا ہے"۔

ہفت روزہ "نیوز ویک" نے اپنی اشاعت یکم اپریل ۲۰۰۲ء میں ایک خصوصی رپورٹ شائع کی ہے جس کا عنوان ہے "کیا ملک اسرائیل زندہ رہ سکتا ہے؟" اس رپورٹ کے مطابق اسرائیلیوں کو اپنے ملک کا مستقبل مخدوش نظر آ رہا ہے۔ اپریل کے پہلے ہفتے میں اسرائیل کے یہودی مصر سے اپنے "خروج" کی یاد منائیں گے تو ان کے لئے اس سال کی رسمیں پچھلے برسوں سے مختلف ہوں گی کیونکہ اب بہت سے یہودیوں کا خیال ہے کہ ان کے ملک اور بچوں کا مستقبل خطرے میں ہے۔ اب یہ ایسا ملک نہیں ہے جہاں وہ نسلوں تک آباد رہ سکیں گے؟ اب وہ پوچھنے لگے ہیں کہ کیا اسرائیل باقی رہے گا۔ اگر رہے گا تو اس کی کتنی قیمت ادا کرنا پڑے گی؟ اس کی شکل وصورت کیا ہوگی۔ کیا یہاں کبھی امن بھی قائم ہو سکے گا؟ ایک یہودی مورخ پروفیسر اموس ایلن کے بقول اس مسئلے کے حل میں اب بہت تاخیر ہو چکی ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ اس کا جواب کس طرح دیا جائے۔ بیسویں صدی کی آخری دہائی کا امن خواب بن کر رہ گیا ہے۔ ظلم وتشدد کے مصائب ونتائج فلسطینی اور اسرائیلی دونوں بھگت رہے ہیں۔ اس تشدد کے نتیجے میں یورپ میں بھی یہود دشمنی سر اٹھا رہی ہے' حتیٰ کہ امریکہ کے اندر بھی اسرائیل کی بقا کے بارے میں شبہات کا اظہار ہونے لگا ہے۔

"نیوز ویک" کے سروے کے مطابق ۵۰ فیصد بالغ امریکیوں کا خیال ہے کہ اسرائیل آئندہ پچاس برس بھی یہودی ریاست کے طور پر قائم رہے گا۔ ۲۳ فیصد کا خیال ہے کہ اسرائیل ایک مخلوط ریاست بن جائے گا جس میں فلسطینی بھی اقتدار میں بڑے حصہ دار بن جائیں گے۔ ۱۸ فیصد امریکیوں کا خیال ہے کہ اسرائیل قائم ہی نہ رہ سکے گا۔

جب مقبوضہ بیت المقدس کے ایک چودہ سالہ یہودی لڑکے حارث سے سوال کیا گیا تو اس کا جواب تھا:

"میرا بس چلے تو ابھی غبارے میں بیٹھ کر یہاں سے چلا جاؤں۔ حالات بدلتے نظر نہیں آ رہے۔ میں ایسی جگہ جہاں بسیں بم دھماکوں سے اڑائی جا رہی ہوں' رہنا نہیں چاہتا۔"

"نیوز ویک" کی اس رپورٹ کے مطابق ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کی آزادی کی جنگ میں چھ ہزار افراد مارے گئے تھے۔ اس وقت اسرائیل کی آبادی چھ لاکھ تھی۔ اب جنگ کی نوعیت اور وقت بدل گیا ہے۔ اسرائیل کی عسکری مشینری تو بہت بہتر اور مستحکم ہو گئی ہے' مگر اس کے شہریوں کو ۱۹۵۰ء کی نسبت اب آسانی سے نشانہ بنایا جا سکتا ہے۔ فلسطینیوں کے خلاف ایٹمی طاقت بے کار ہے' حتیٰ کہ اس کے مرکاوا ٹینک' جن کے بارے میں اس کا دعویٰ ہے کہ دنیا کے بہترین ٹینک ہیں' دو مرتبہ اڑائے جا چکے ہیں۔ فلسطینیوں کی سوچ اب یہ ہے کہ ان کے پاس کھونے کے لئے کچھ نہیں بچا' لہٰذا وہ خودکش حملے کر رہے ہیں۔ اسرائیل

بیت المقدس کی فتح کی نوید

صادق المصدوق حضرت محمد ﷺ کا فرمان مبارک

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : یَخْرُجُ مِنْ خُرَاسَانَ رَایَاتٌ سُوْدٌ فَلَا یَرُدُّهَا شَیْءٌ حَتّٰی تُنْصَبَ بِاِیْلِیَاءَ)) (رواه الترمذی)

"خراسان سے سیاہ جھنڈے نکلیں گے جنہیں کوئی شے واپس نہیں کر سکے گی' یہاں تک کہ وہ ایلیاء (بیت المقدس) میں نصب کر دیئے جائیں گے!"

منجانب : **تنظیم اسلامی لاہور شرقی**

اصل دہشت گرد کون؟

مغرب یا مسلمان؟

مسلمانوں کو دہشت قرار دینے کے بہانے مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں

افغانستان' فلسطین' چیچنیا' کشمیر' عراق' انڈیا' انڈونیشیا' بوسنیا' کوسووا میں مظالم کے تصویری ثبوت کے لئے

http://www.alkhilafah.info/massacres

ظلم وستم سے تاریخ کے سرخ صفحات اور مغرب کے گھناؤنے چہرے کا مشاہدہ کرنے کے لئے اوپر دی گئی ویب سائٹ دیکھئے

آج ساٹھ لاکھ کی آبادی کا ملک ہے جو دنیا کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔ دنیا میں اس سے محبت کرنے والے ہیں اور نفرت کرنے والے بھی بہت ہیں۔ کچھ لوگ اس کے بارے میں تورات کے حوالوں سے جاننے کی کوشش کر رہے ہیں کچھ انجیل اور قرآن مجید سے‘ کوئی برطانوی دورِ حکومت کے خفیہ ریکارڈ کی چھان بین کر کے اس کا مستقبل تلاش کر رہے ہیں۔

اسرائیل کے اندرونی زوال کے اسباب

بڑے بڑے اسباب دو ہیں: ایک تو انتفاضہ کی جدید طرز کی خودکش کارروائیاں جن سے اسرائیلی عوام بوکھلا گئے ہیں اور ملک چھوڑ کر بھاگنے لگے ہیں‘ دوسرے خود یہود کی قدیم نفسیات جس کا محور سودخوری اور فریب کاری ہے۔ ان کی اس نفسیات کی جڑیں اس مذہب میں دور تک گئی ہوئی ہیں جو انہوں نے کلامِ الٰہی میں تحریف کے بعد اختیار کر رکھا ہے‘ اور جس کے باعث پوری دنیا میں ''یہودی'' کا لفظ ایک طعن اور تذلیل کا نشان بن گیا ہے۔ تالمود میں ایک جگہ ان کے بنیادی عقائد اور سماجی رویئے‘ سوچ اور طرزِ عمل پر یوں روشنی ڈالی گئی ہے:

> ''غیر یہود کی جائیداد اور دولت یہود کے لئے جائز ہے۔ اگر وہ دوسروں کی ملکیت میں کسی چیز پر قبضہ جما لیں تو یہ جائز طور پر ان کی ملکیت قرار پائے گی۔ یہود کو غیر یہودی اقوام کی جان اور مال پر تصرف اور اختیار استعمال کرنے کے لئے چنا گیا ہے بالکل ایسے جیسے ایک انسان حیوانوں پر فائق ہے۔ یہود روئے زمین کے دوسرے تمام انسانوں پر فائق ہیں‘ کیونکہ یہود کو چھوڑ کر باقی سب انسانوں میں حیوانیت اور شیطانیت پائی جاتی ہے۔ یہود کو خدا کی طرف سے اذن ہے کہ وہ غیر یہود سے سود قبول کریں اور سود کی شرط لگائے بغیر ادھار دینا ممنوع قرار دیا گیا ہے''۔

سود کی لعنت میں غرق اسرائیل اور اسرائیلیوں کا مقابلہ ایک ایسی قوم سے ہے جو سودخوار کو جہنمی خیال کرتے ہیں‘ جن کے نزدیک سودخوروں اور باطل پرستوں کے خلاف جہاد مقدس فریضہ اور شہادت ایک عظیم المرتبت درجہ ہے‘ جن کا فلسفۂ حیات یہ ہے کہ ''جان دے دیں گے لیکن دین پر آنچ نہیں آنے دیں گے''۔ فلسطینی لڑکوں‘ جوانوں‘ بزرگوں اور خواتین نے اس کی سچائی میں اپنے خون سے جو رنگ بھرا ہے‘ وہ انسانی تاریخ کا ایک اچھوتا باب ہے۔ اس قوم کی غیرت وحمیت اور دشمن سے نفرت کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے جس کے جوان سج دھج کر مقتل میں جاتے ہیں جان کا نذرانہ پیش کرتے ہیں اور ان کے اہل خاندان شہید ہونے والے کا ماتم نہیں کرتے بلکہ شادی کی طرح خوشیاں مناتے ہیں۔

اسرائیل کو جس چیز نے سب سے زیادہ پریشان کر رکھا ہے‘ وہ فدائی حملوں کی مقبولیت میں روز افزوں اضافہ ہے۔ اس سے زیادہ پریشان کن بات یہ ہے کہ فدائی حملوں کو امریکی منت وزاری کے باوجود علمائے دین نے نہ صرف جائز قرار دے دیا ہے بلکہ اس پر اجماع ہو گیا ہے کہ فدائی حملہ جہاد کی اعلیٰ ترین قسم ہے۔ مزید یہ کہ فلسطین میں تقریباً ہر بچہ فدائی حملہ آور بننے کا آرزومند ہے۔ جس طرح ہمارے ہاں کوئی بچہ ڈاکٹر‘ انجینئر اور پائلٹ بننے کی معصوم خواہش کرتا ہے‘ اسی طرح فلسطین میں بچے فدائی حملہ آور بننے کی خواہش کرتے ہیں۔ بچے آپس میں ''شہادت'' نام کا ایک کھیل کھیلتے ہیں جس میں ایک بچے کو تیار کیا جاتا ہے۔ وہ فرضی یہودیوں کے ہجوم میں گھس کر حملہ کرتا ہے اور باقی بچے اس کی شہادت پر جشن مناتے ہیں۔ اس جشن میں ''شہید کے باپ'' کو مبارک باد دی جاتی ہے اور مشاعرے کی محفل منعقد کر کے ترانے گائے جاتے ہیں۔

یہ کھیل صرف بچوں تک محدود نہیں۔ جان پر کھیل جانے کا یہ عمل حقیقی زندگی میں بھی عام ہو گیا ہے۔ والدین اپنے شہید بچے کی شہادت کی خوشی منانے کے لئے باقاعدہ دعوت نامے جاری کرتے ہیں‘ مثلاً بائیس سالہ حفیظ سعدات کی شہادت کے موقع پر اس کے والدین نے شادی کارڈ کی طرز پر ایک دعوت نامہ جاری کیا جس کی عبارت یہ ہے:

> ''عبد الجواد اور اسد کے خاندان اپنے بیٹے حفیظ سعدات کی شہادت کے پرمسرت موقع پر منعقدہ تقریب آپ کی شرکت اپنے لئے باعث عزت وافتخار سمجھتے ہیں''۔

برطانوی صحافی جان گولڈسٹین نے بالکل درست کہا ہے: ''اسرائیلی مظالم نے فلسطینیوں کی پوری نسل کو فدائی مجاہدوں میں تبدیل کر دیا ہے''۔ ایسے فدائین پر نہ اسرائیل کے ٹینک قابو پا سکتے ہیں‘ نہ امریکہ کا کوئی امن منصوبہ اسرائیل کو زوال سے بچا سکتا ہے۔ گزشتہ ماہ امریکہ کے وزیر خارجہ کولن پاول نے جولائی میں ''امن کانفرنس'' کا اعلان کیا تھا۔ ۱۳/ جون ۲۰۰۲ء کے اخبارات نے صدر بش کا یہ اعلان شائع کیا ہے کہ امن کانفرنس کا کوئی فائدہ نہیں‘ جب تک یاسر عرفات فدائین کو قابو نہیں کریں گے اور اپنی بدعنوان انتظامیہ کی تطہیر نہیں کریں گے۔

اسرائیل کے لئے آخری موقع ہے کہ اگر وہ ''جائز حدود میں رہتے ہوئے'' اپنا وجود برقرار رکھنا چاہتا ہے تو سعودی عرب کے ولی عہد شہزادہ عبداللہ کی یہ تجویز غیر مشروط طور پر قبول کر لے کہ ۱۹۶۷ء کی جنگ میں وہ جن فلسطینی اور عرب علاقوں پر قابض ہوا تھا‘ انہیں خالی کر دے جس کے بعد عرب ممالک اسرائیل کا وجود تسلیم کر لیں گے۔ یہ وہ زیادہ سے زیادہ رعایت ہے جو عالم اسلام‘ بین الاقوامی قانون اور اخلاقِ عالیہ اسرائیل کو دے سکتے ہیں۔ اگر اسرائیل نے اس آخری موقع کو بھی ہاتھ سے گنوا دیا تو اسے علامہ اقبال کا وہ انتباہ یاد رکھنا چاہئے جو انہوں نے ''اعلان بالفور'' سے دس سال قبل ۱۹۰۷ء میں اسرائیل اور اس کے ہم نواؤں کو دے دیا تھا:

دیارِ مغرب کے رہنے والو! خدا کی بستی دکاں نہیں ہے!
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو‘ وہ اب زرِ کم عیار ہو گا!
تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا‘ ناپائیدار ہو گا

قرآن مجید کی سورۂ اسریٰ کی آیت ۷ میں اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے:

> ''دیکھو! تم نے بھلائی کی تو وہ تمہارے اپنے ہی لئے بھلائی تھی۔ اور برائی کی تو وہ تمہاری اپنی ذات کے لئے برائی ثابت ہوئی۔ پھر جب دوسرے وعدے کا وقت آیا تو ہم نے دوسرے دشمنوں کو تم پر مسلط کیا‘ تا کہ وہ تمہارے چہرے بگاڑ دیں اور مسجد (بیت المقدس) میں اسی طرح گھس جائیں جس طرح پہلے دشمن گھسے تھے اور جس چیز پر ان کا ہاتھ پڑے‘ اسے تباہ کر کے رکھ دیں''۔

رسول کریم ﷺ نے بھی اس اچھی اور سچی خبر کو بیان کیا ہے کہ خواہ کتنا ہی وقت اور توانائی صرف ہو‘ صیہونیوں کو آخر کار بیت المقدس سے ذلیل ہو کر نکل جانا ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا:

> ''اس وقت تک قیامت برپا نہ ہو گی جب تک مسلمان یہودیوں سے لڑ کر انہیں قتل نہ کر دیں۔ وہ پتھروں اور درختوں کے پیچھے چھپیں گے‘ لیکن پتھر اور درخت گواہی دیں گے کہ اے مسلمان‘ میرے پیچھے ایک یہودی چھپا ہے۔ اگر قاد نامی ایک درخت کے علاوہ پتھر اور درخت بھی یہود کے خلاف اس جنگ میں شریک ہوں گے''۔

بقیہ: خلیج کی جنگ

مسیحؑ نازل ہوں گے اور ان کے ہاتھوں نہ صرف یہ کہ دجال قتل ہو گا بلکہ پوری قوم بنی اسرائیل پر بھی اللہ کا وہ عذابِ استیصال نازل ہو جائے گا جس کے مستحق وہ اب سے دو ہزار برس قبل حضرت مسیحؑ کا انکار کر کے ہو چکے تھے...... چنانچہ اگرچہ ابتداءً مسیح الدجال کے ہاتھوں ''عظیم تر اسرائیل'' وجود میں آ جائے گا‘ تاہم بالآخر وہی ''عظیم تر اسرائیل'' سابقہ معزول ومغضوب امتِ مسلمہ کا ''عظیم تر قبرستان'' بن جائے گا''۔

خلیج کی جنگ: ''جنگوں کی ماں؟''

محترم ڈاکٹر اسرار احمد کی فکر انگیز تالیف ''سابقہ اور موجودہ مسلمان امتوں کا ماضی' حال اور مستقبل'' کے ایک باب سے اخذ کردہ چند اقتباسات پر مشتمل یہ فکر انگیز تحریر آج سے ۱۰ سال قبل سپردِ قلم کی گئی تھی' تاہم اس کے مندرجات نہ صرف یہ کہ آج بھی تروتازہ ہیں بلکہ اس کی معنویت آج زیادہ اجاگر ہو کر سامنے آئی ہے۔ اس تحریر کے ذریعے نہ صرف یہ کہ آنے والے دور کی ایک واضح تصویر سامنے آتی ہے بلکہ بنی اسرائیل کے آخری انجام کا بھی پتہ ملتا ہے۔ (مدیر)

''.....آج سے ساڑھے بارہ سال قبل جب میں نے پندرہویں صدی ہجری کے متوقع حوادث و واقعات کے موضوع پر تقریر کی تھی تو خود مجھے ہرگز اندازہ نہیں تھا کہ ان کا سلسلہ اس قدر جلد شروع ہو جانے والا ہے۔ مزید برآں جس حدیث نبویؐ کی بنیاد پر میں نے یہ بات کہی تھی کہ قیامت کے قریب پیش آنے والے عظیم جنگوں کا پہلا دور اس طور سے شروع ہو گا کہ مسلمان اور عیسائی متحد ہو کر کسی تیسری قوت کے خلاف جنگ کریں گے جس میں انہیں فتح حاصل ہو گی' وہ سنن ابی داؤدؒ کی کتاب الملاحم میں حضرت ذو مخبرؓ سے مروی ہے اور اس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں: ''عنقریب تم رومیوں (یعنی عیسائیوں) سے بھرپور صلح کرو گے اور پھر وہ اور تم متحد ہو کر ایک ایسے دشمن کے خلاف جنگ کرو گے جو تمہارے عقب میں واقع ہو گا۔ پھر تمہاری مدد ہو گی' چنانچہ تم غنیمت حاصل کرو گے اور خود سلامت رہو گے!'' اور اُس وقت گمانِ غالب یہ تھا کہ اس جنگ میں ایک جانب امریکہ کی سربراہی میں یورپ کی جملہ عیسائی حکومتیں اور اکثر مسلمان ملک خصوصاً عرب حکومتیں ہوں گی اور دوسری جانب روس اور اس کے طفیلی ممالک ہوں گے۔ اور اُس وقت یہ خیال تک نہ ہو سکتا تھا کہ اس وقت سوویت یونین تو ع ''یہی ہے مرنے والی امتوں کا عالمِ پیری!'' کا نقشہ پیش کر رہی ہو گی اور وہ تیسری طاقت عین جزیرہ نمائے عرب کے ''عقب'' میں واقع ہو گی یعنی صدام حسین کی سربراہی میں عراق کی بعثی حکومت! حالانکہ نہایت مستند احادیث میں یہ ذکر موجود ہے کہ ایک وقت آئے گا کہ عراق میں سونے کا خزانہ یا پہاڑ برآمد ہو جائے گا جس کی وجہ سے وہاں نہایت خوں ریز اور خوفناک جنگ ہو گی' لیکن چونکہ ان احادیث کے متن میں کوئی لفظی تعلق قیامت سے قبل کے سلسلۂ ملاحم کے ساتھ موجود نہیں ہے لہٰذا ان میں وارد خبر کو ایک جداگانہ اور مستقل بالذات معاملہ سمجھا گیا۔ لیکن اب جبکہ الفاظِ قرآنی ''اذا وقعت الواقعه'' کے مصداق وہ واقعہ ظہور پذیر ہو چکا ہے ان احادیثِ نبویہؐ کی عظمت بھی اظہر من الشمس ہو گئی ہے کہ: (۱) صحیح بخاریؒ اور صحیح مسلمؒ میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''گمان ہے کہ فرات سے سونے کا ایک خزانہ برآمد ہو جائے گا!'' اور (۲) صحیح مسلمؒ میں حضرت ابی ابن کعبؓ سے مروی ہے کہ آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''گمان ہے کہ فرات سے سونے کا ایک پہاڑ برآمد ہو جائے گا۔ تو جب لوگ اس کے بارے میں سنیں گے تو اس پر ٹوٹ پڑیں گے۔ تو جو لوگ اس کے پاس ہوں گے وہ سوچیں گے کہ اگر ہم نے انہیں چھوڑ دیا تو وہ ساری دولت لے جائیں گے۔ پھر اس پر جنگ کریں گے یہاں تک کہ ننانوے فیصد لوگ ہلاک ہو جائیں گے!'' (ان احادیث کو پڑھتے ہوئے یہ بات پیش نظر رہے کہ قدیم زمانے میں ملکوں اور علاقوں کو دریاؤں یا پہاڑوں یا بڑے شہروں کے نام سے موسوم کرنے کا رواج عام تھا!) تو ذرا غور فرمائیں کہ کیا یہ بات محض ''اتفاقی'' ہے اور عظمتِ حدیث کی دلیل نہیں کہ آج تیل کی دولت کو ''سیال سونا'' قرار دیا جا رہا ہے؟ پھر کیا یہ واقعہ نہیں کہ خلیج کی جنگ کا اصل باعث یہی تیل کی دولت ہے؟ مزید برآں کیا یہ امر قابل توجہ نہیں ہے کہ عراق کے صدر صدام حسین نے اس جنگ کو ''ام المحارب'' یعنی جنگوں کی ماں یا جنگوں کے سلسلے کا نقطۂ آغاز قرار دیا؟

رہی یہ بات کہ ننانوے فیصد کی ہلاکت کی بات صحیح ثابت نہیں ہوئی تو اولاً اس کا بھی امکان ہے کہ وہ الفاظ کسی خاص محاذ سے متعلق ہوں' مثلاً' جیسے کہ سب کو معلوم ہے' کویت سے پسپا ہونے والی عراقی فوج کا جو حشر ہوا' اس پر تو یہ الفاظ پوری طرح منطبق ہوتے ہیں۔ اور ثانیاً ابھی عراق کا معاملہ ختم کہاں ہوا ہے؟ ابھی تو صدام حسین امریکہ اور اس کے حواریوں کے حلق میں پھنسی ہوئی ہڈی بنا ہوا ہے کہ نہ اگلی جائے نہ نگلی جائے! تو کون

سی تعجب کی بات ہوگی اگر کسی آئندہ راؤنڈ میں امریکہ اور اس کے اتحادی دو سال قبل کی وحشیانہ بمباری سے بھی سو گنا زیادہ پیمانے پر بمباری کریں اور کسی خاص شہر یا علاقے میں تباہی اسی درجہ کی ہو جائے جس کا نقشہ حدیثِ نبویؐ میں سامنے آتا ہے؟ اس لئے کہ خلیج کی جنگ سے یہ حقیقت واضح ہو چکی ہے کہ امریکہ اور اس کے حواری ہر ممکن کوشش کریں گے کہ ان کے کسی ایک سپاہی کو بھی کوئی گزند نہ پہنچے خواہ دشمن کا بچہ بچہ ہلاک ہو جائے۔"

"...... کمیونزم کے زوال اور سوویت یونین کے خاتمے کے بعد پوری مغربی دنیا نے "مسلم فنڈامنٹلزم" کو اپنے لئے خطرہ نمبر ایک قرار دے لیا ہے۔ چنانچہ مغربی آقاؤں کی زیرِ ہدایت مصر اور الجزائر میں تو احیاءِ اسلام کے علمبرداروں پر تعذیب و تشدد کی بھٹی دہک ہی چکی ہے' سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات میں بھی تحقیق و تفتیش پر دار و گیر کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے اور کوئی عجب نہیں کہ اس پر ردِ عمل کے طور پر دینی مزاج کے حامل عرب نوجوان' بالخصوص وہ جن کے احیائی جوش اور جذبے کو جہاد افغانستان نے زبردست مہمیز دے دی ہے' مشتعل ہو کر بے قابو ہو جائیں اور کوئی عظیم ہنگامہ برپا ہو جائے جس کی گرماگری میں کسی مقام پر وہ واقعہ بھی پیش آ جائے جس کا ذکر سنن ابی داؤدؒ کی محولہ بالا روایت میں ہے' یعنی: (عیسائیوں کے ساتھ مل کر ایک مشترک دشمن کے خلاف جنگ اور اس پر فتح حاصل ہونے کے بعد) "پھر تم واپس آؤ گے اور ایک ٹیلوں والے نخلستان میں پڑاؤ کرو گے تو نصرانیوں میں سے ایک شخص اٹھ کر صلیب بلند کرے گا اور کہے گا کہ صلیب غالب آ گئی۔ اس پر مسلمانوں میں سے ایک شخص غضبناک ہو کر صلیب کو توڑ ڈالے گا۔ اس پر رومی (عیسائی) صلح ختم کر دیں گے اور بڑی جنگ کے لئے جمع ہو جائیں گے!" واضح رہے کہ اس قسم کے واقعات بسا اوقات بارود کو چنگاری دکھانے کے مترادف بن جایا کرتے ہیں ...... اور جاننے والے جانتے ہیں کہ ایسا کوئی واقعہ نجد کے شمال مشرقی علاقے میں' جو امریکہ کے فوجی اڈے کی حیثیت اختیار کر چکا ہے' کسی بھی وقت رونما ہو سکتا ہے۔

قصہ مختصر' ایک عظیم "صلیبی جنگ" کے لئے میدان تیزی کے ساتھ ہموار ہو رہا ہے' جو احادیثِ نبویہؐ کے مطابق بہت طویل ہوگی اور جس کے کئی مراحل ہوں گے جن کی تفصیل یہاں ممکن نہیں' البتہ ایک بات کا تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ کہ ان کے دوران ایک جنگ' جسے "الملحمتہ العظمیٰ" قرار دیا گیا ہے' نہایت عظیم اور حد درجہ خوفناک ہوگی۔ احادیث میں وارد شدہ تفاصیل سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان جنگوں کے دوران شدید جانی و مالی نقصانات کی صورت میں امتِ مسلمہ کے افضل اور برتر حصے یعنی مسلمانانِ عرب کو ان کے اس اجتماعی جرم کی بھرپور سزا مل جائے گی جس کا ارتکاب انہوں نے دینِ حق کے نظامِ عدل و قسط کو ایک کامل نظامِ زندگی کی صورت میں قائم نہ کر کے کیا ہے۔ ان جنگوں میں ایک مرحلے پر "دارالاسلام" صرف حجاز تک محدود ہو کر رہ جائے گا اور دشمن مدینہ منورہ کے "دروازوں" تک پہنچ جائے گا۔ لیکن پھر رحمتِ خداوندی جوش میں آئے گی' مسلمانانِ عرب ایک نئی ہیئتِ اجتماعی تشکیل دیں گے اور ایک نئے قائد و امیر محمد ابن عبداللہ المہدی کے ہاتھ پر "بیعت" کر کے جوابی کارروائی کے لئے مستعد ہو جائیں گے۔

اس موقع پر بھی یہ تذکرہ یقیناً دلچسپی کا موجب ہوگا کہ عیسائیوں کی روایات میں بھی اس دنیا کے خاتمے سے قبل ایک عظیم جنگ کا ذکر موجود ہے جو حق اور باطل کے مابین ہوگی۔ چنانچہ حضرت یوحنا کے جن مکاشفات کا تذکرہ اس سے قبل ہو چکا ہے ان ہی میں نہ صرف یہ کہ اس جنگ کا ذکر بھی موجود ہے' بلکہ یہ صراحت بھی ہے کہ اس میں حصہ لینے کے لئے "مشرق کے بادشاہوں کی فوجیں" بھی آئیں گے! مکاشفات میں اس جنگ کے دن کو "خدائے اعظم و قادر کا دن" کہا گیا ہے اور اس کے محلِ وقوع کا نام "آرمیگاڈان" بتایا گیا ہے۔ (دیکھئے "مکاشفات" باب ۱۶ آیات ۱۲ تا ۱۶) گویا حدیث نبویؐ کا "الملحمتہ العظمیٰ" اور بائبل کا "آرمیگاڈان" ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں!

احادیثِ نبویہؐ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان جنگوں کے پہلے مرحلوں میں مقابلہ صرف عیسائیوں اور مسلمانوں کے مابین ہوگا اور یہودی اگرچہ پس پردہ تو شریک ہوں گے لیکن سامنے نہیں آئیں گے۔ چنانچہ خلیج کی جنگ کے دوران اس صورت حال کی بھی ایک ابتدائی جھلک دنیا کے سامنے آ چکی ہے کہ امریکہ اور اس کے حواریوں نے اسرائیل کو جنگ میں شرکت سے روکے رکھا اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود پوری کی۔ (چنانچہ اتحادی افواج کے کمانڈر انچیف جنرل شوارز کراف نے تو بعد میں ـ "نکل جاتی ہے جس کے منہ سے سچی بات مستی میں' فقیہہ مصلحت سے بیں وہ رندِ بادہ خوار اچھا!" کے مصداق یہ "ان کہنی" بھی کہہ ہی دی کہ "ہم نے یہ جنگ اسرائیل کے تحفظ ہی کے لئے لڑی تھی!") ...... تاہم جب حضرت مہدی کی قیادت میں اور مشرق سے آنے والی کمک کی مدد سے مسلمانانِ عرب کامیابیاں حاصل کرنی شروع کریں گے تو یہودی بھی جنگ میں کود پڑیں گے اور یہی مرحلہ "المسیح الدجال" کے خروج کا ہوگا ...... جس کے ہاتھوں مسلمانوں پر عذاب الٰہی کے کچھ مزید اور شدید تر کوڑے پڑیں گے۔ تاہم اس کے بعد حضرت

(باقی صفحہ ۸۷ پر)

ماخذ

"فلسطین نمبر" کے لئے محترم ڈاکٹر اسرار احمد کی بعض تقاریر و تصانیف کے علاوہ مندرجہ ذیل کتب و جرائد سے استفادہ کیا گیا۔ ہم ان کے لئے مصنفین اور ناشرین کے شکر گزار ہیں۔ (ادارہ)

یہودیت: قرآن کی روشنی میں	سید ابوالاعلیٰ مودودی	ادارہ ترجمان القرآن' لاہور
اسرائیل: قرآن کی روشنی میں	علی اکبر (ترجمہ: میاں محمد افضل)	شاہکار بک فاؤنڈیشن' لاہور
خطباتِ آزاد	مولانا ابوالکلام آزاد	ارشد بک سیلرز' میرپور
تاریخ یہودیت	یوسف ظفر	سیارہ ڈائجسٹ' لاہور
تاریخ بیت المقدس	ممتاز لیاقت	سنگ میل پبلیکیشنز' لاہور
یہودی پروٹوکولز	ترجمہ: محمد یحییٰ خان	نگارشات' لاہور
اسرائیل کی دیدہ و دانستہ فریب کاریاں	ترجمہ: سعید رومی	صفہ پبلشرز' لاہور
بیت المقدس	منشی عبدالقدیر	اردو اکیڈمی سندھ' لاہور
محشرِ فلسطین	خورشید عالم	مکتبہ داستان' لاہور
ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ (حصہ سوم)	ثروت صولت	اسلامک پبلیکیشنز' لاہور
اسلامی دنیا' 2002ء	سید قاسم محمود	الفیصل' لاہور
دنیاداد (فلسطین نمبر)	مرتبہ: آصف فرخی	مکتبہ شہرزاد' کراچی
قومی آزادی کی تحریکیں	عباس احمد آزاد	شاہکار بک فاؤنڈیشن' لاہور
قائد اعظم اور اسلام	محمد حنیف شاہد	بک مین' لاہور
دجال	اسرار عالم	دارالعلم' نئی دہلی
یاساری الجبل	اسرار عالم	اسلامک ایجوکیشن سروسز' امریکہ
یاسر عرفات	سید فصاحت حسین ہمدانی	شاہکار بک فاؤنڈیشن' لاہور
فلسطین: اردو ادب میں	فتح محمد ملک	مطبوعات حرمت' راولپنڈی
عرب اسرائیل جنگ نمبر	عبدالرحیم اشرف	ہفت روزہ "المنبر" فیصل آباد

ہفت روزہ "نیوز ویک" ہفت روزہ "ندائے خلافت" روزنامہ "نوائے وقت" روزنامہ "ڈان" ماہنامہ "بیت المقدس"

World Muslim Gazette —— *Motamer al-Alam al-Islami*

Christian-Muslim Dialogue —— *H.M.Baagil;M.D.*

Lan in the Desert —— *T.Herdman*

Dictionary of Politics —— *David Robertson*

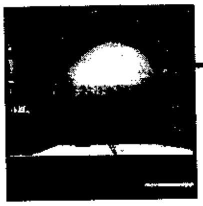

فرہنگِ اصطلاحات

فلسطین اور اس کے قضیے سے متعلق اخبارات' اطلاعات اور مضامین ایسی مقامی اصطلاحات سے بھرے رہتے ہیں جو قارئین کے لئے عام طور پر قابل فہم نہیں ہوتے۔ ہم نے یہاں ایسی اصطلاحات کی اختصار کے ساتھ تشریح کی ہے۔ اصطلاحات کے پہلو بہ پہلو بعض اہم مقامات کے بارے میں بھی معلومات فراہم کردی ہیں۔ (مدیر)

آباد کار بستیاں : ان کو انگریزی میں Settlements کہا جاتا ہے' مگر ان کا مقامی عبرانی نام Kibbutz بھی بین الاقوامی طور پر استعمال ہوتا ہے۔ چھ روزہ جنگ (۱۹۶۷ء) کے دوران میں اسرائیل نے غزہ پٹی اور مغربی کنارے کے علاقوں پر فوجی قبضہ کرلیا۔ اسرائیلی ان علاقوں کو جوڈیا(Judea) اور سامریہ (samaria) کے قدیم ناموں سے منسوب کرتے ہیں۔ اس قبضے کے بعد سے تقریباً دو لاکھ یہودی ان علاقوں میں آباد ہونے لگے اور قلعہ بند بستیاں بسا کر ان میں رہائش اختیار کی۔ بہت سے یہودی جن میں عقیدے کے پابند اور سیکولر دونوں طرح کے افراد شامل ہیں' ان علاقوں کو اسرائیل کی قدیم موروثی زمین کا حصہ سمجھتے ہیں۔ ان بستیوں کو بڑے اہتمام اور زرِ کثیر سے تعمیر کیا گیا ہے اور ان میں دوسرے ملکوں سے یہودیوں کو لا کر آباد کیا گیا ہے۔

آئی ڈی ایف : یہ انگریزی میں "اسرائیلی ڈیفنس فورسز" (اسرائیلی دفاعی افواج) کا مخفف ہے۔ یہ عام طور پر اسرائیل کی برّی افواج کے لئے استعمال ہوتا ہے' مگر واضح رہے کہ اسرائیل میں بری' بحری اور فضائی افواج کی مشترکہ کمان ہے۔

اربد : اسے اربل بھی کہتے ہیں۔ یہ خطیرہ کا ایک نواحی قصبہ ہے یہاں حضرت یعقوبؑ کے چار بیٹے اور حضرت موسیٰ کی والدہ مدفون ہیں۔

اریحا(Jericho) : بیت المقدس سے بارہ میل مشرق میں ایک مقام۔ اس کے قریب ایک غار ہے جہاں حضرت مریمؑ نے پناہ لی تھی۔ اسی غار میں حضرت مریمؑ کی والدہ اور یوسف نجار کے مزار ہیں۔ اسی جگہ حضرت عیسیٰؑ کو قید رکھا گیا۔

اسرائیلی عرب : اسرائیل کے حکام "اسرائیلی عرب" کے نام سے ان تقریباً دس لاکھ عرب نژاد افراد کو پکارتے ہیں جو اسرائیلی ریاست کے باضابطہ شہری ہیں۔ یہ افراد خود اس اصطلاح کو ناپسند کرتے ہیں اور اس کی بجائے اپنے آپ کو "اسرائیل میں رہنے والے فلسطینی" کہلوانا چاہتے ہیں۔

اعلان بالفور : یہ اعلان برطانیہ کے سیاست دان اور وزیر خارجہ آرتھر جیمز بالفور (متوفی ۱۹۳۰ء) کے نام منسوب ہے۔ حکومتِ برطانیہ نے پہلی جنگِ عظیم کے دوران میں یہودی سرمایہ داروں کی حمایت حاصل کرنے کی غرض سے وعدہ کرلیا تھا کہ جنگ ختم ہونے کے بعد یہودیوں کے لئے فلسطین میں "قومی وطن" کے قیام کی حمایت کی جائے گی۔ چنانچہ وزیر خارجہ لارڈ بالفور نے اس وعدے کی یقین دہانی ۲ نومبر ۱۹۱۷ء کو یہودیوں کے سرکردہ رہنما لارڈ راتھس چائلڈ کے نام اپنے مکتوب میں کرائی' جس کا متن یہ تھا: "ملک معظم کی حکومت فلسطین میں یہودیوں کے لئے ایک قومی وطن کے قیام کو پسندیدگی کی نظروں سے دیکھتی ہے اور اپنی بہترین کوششیں اس مقصد کے حصول میں آسانیاں پیدا کرنے کے لئے صرف کرے گی' لیکن یہ امر واضح کردینا ضروری ہے کہ کوئی ایسا اقدام نہیں کیا جائے گا جس سے فلسطین میں موجود غیر یہودی آبادی (یعنی مسلم اور مسیحی عربوں) کے شہری یا مذہبی حقوق معرضِ خطر میں پڑیں یا یہودیوں کو دوسرے ملکوں میں جو سیاسی حیثیت اور حقوق حاصل ہیں' ان کو ضرر پہنچے"۔ یہ اعلان صہیونی سیاست میں بنیادی حیثیت حاصل کرگیا' اور قضیہ فلسطین کی اصل جڑ بن گیا۔

الخلیل : یہ حبرون کا جدید عربی نام ہے جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے نام پر تبدیل کیا گیا ہے۔ بائبل میں اس کا ذکر حضرت ابراہیمؑ کے خاندانی قبرستان کی حیثیت سے آیا ہے۔ یروشلم سے پہلے حضرت داؤدؑ کا دارالحکومت یہیں تھا۔ ہر فلسطینی جنگ (مکابی' رومی اور صلیبی) میں یہ مقام نمایاں رہا ہے۔ اسی شہر کی جامع مسجد میں حضرت ابراہیمؑ' حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ کی قبریں ہیں۔ مسجد کی چاردیواری کے باہر حضرت یوسفؑ کا مقبرہ ہے۔ یہودیوں نے ۱۹۶۷ء کی چھ روزہ جنگ کے بعد سے حرم خلیل کو عجائب گھر میں تبدیل کردیا ہے۔ اس شہر کی آبادی ۶۰ ہزار سے زیادہ ہے اور یہ بیت المقدس سے چند میل کے فاصلے پر جنوب کی طرف واقع ہے۔

النکبہ : رنج و غم اور ذلت و خواری کے معنی میں "نکبت" اردو لغت میں بھی مستعمل ہے۔ جب ۱۴ مئی ۱۹۴۸ء کو اسرائیل نے اپنی آزادی کا یک طرفہ اعلان کردیا تھا جس کے بعد فلسطینی قوم کی غارت گری اور بے دخلی کا عمل شدت اختیار کرگیا۔ اہلِ فلسطین ہر سال ۱۴ مئی کو یوم النکبہ (تباہی و بربادی کا دن) کے طور پر مناتے ہیں اور مظاہروں کا اہتمام کرتے ہیں جن میں غم کے ساتھ غصہ بھی شامل ہوتا ہے۔

انتداب (Mandate): پہلی جنگِ عظیم کے دوران میں برطانیہ نے مکر و فریب سے فلسطینیوں کو ترکوں کے خلاف اپنے ساتھ ملا لیا اور ان سے وعدہ کیا کہ جنگ کے بعد اُن کی مرضی کے مطابق حکومت قائم کی جائے گی۔ ایسا ہی وعدہ انہوں نے "اعلانِ بالفور" کی صورت میں یہودیوں سے کیا تھا۔ ۱۹۱۸ء میں "لیگ آف نیشنز" نے فلسطین کو برطانیہ کے زیر انتداب (حکم داری) کردیا۔ برطانیہ کو انتدابی ذمہ داریاں تفویض کرتے وقت جو حکم جاری کیا گیا اس میں اعلان بالفور بھی شامل کرلیا گیا۔ یہ گویا یہودیوں کی قومی ریاست قائم کرنے کا ضمانت نامہ تھا۔ برطانیہ نے سر رابرٹ سیموئیل کو فلسطین کا پہلا ہائی کمشنر مقرر کیا جو خود کٹر یہودی تھا اور صہیونیت کا علم بردار۔

انتفاضہ : اسے انگریزی سے ترجمہ کرتے ہوئے بعض اوقات "انتفادہ" بھی لکھا جاتا ہے۔ یہ لفظ "نفض"

سے نکلا ہے جس کے لفظی معنی ہیں جھاڑنا۔ اسے شورش اور بغاوت کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ اصطلاح پہلے پہل اس وقت سامنے آئی جب ۱۹۸۷ء کے اواخر میں اسرائیلی مقبوضہ علاقوں میں خون آلود جھڑپیں شروع ہوگئیں اور تقریباً چھ برس تک جاری رہیں۔ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ انتفاضہ کی وجہ سے اسرائیلی حکام کو قبضہ و تسلط کی حکمت عملی پر از سر نو غور کرنا پڑا اور وہ یاسر عرفات کی "تنظیم آزادئ فلسطین" سے مذاکرات کے لئے مجبور ہوئے۔

اوسلو معاہدہ: اس معاہدے کا وہ بنیادی خاکہ جو اسرائیل اور تنظیم آزادئ فلسطین (پی ایل او) کے درمیان ناروے کے شہر اوسلو میں خفیہ مذاکرات کے نتیجے میں طے پایا' یہ معاہدہ اس وقت تاریخی حیثیت اختیار کر گیا جب امریکا میں وہائٹ ہاؤس کے سبزہ زار پر ستمبر ۱۹۹۳ء میں یاسر عرفات اور اسرائیل کے اس وقت کے وزیراعظم رابن نے مصافحہ کیا۔

بیت اللحم: بیت المقدس سے چھ میل جنوب میں حضرت مسیحؑ کی ولادت گاہ۔ یہاں حضرت داؤدؑ کا مزار بھی ہے۔ بیت المقدس سے بیت اللحم آئیں تو نصف راستہ طے کرنے پر حضرت یوسفؑ اور بن یامین کی والدہ یعنی حضرت یعقوبؑ کی دوسری اہلیہ راحیل کا خوبصورت مقبرہ نظر آتا ہے۔ یہاں حضرت عمر فاروقؓ تشریف لائے تھے اور ایک جگہ نماز ادا کر کے اسے مسجد کی حیثیت دی جس پر بعد میں مسلمانوں نے ایک خوبصورت مسجد تعمیر کی جو مسجد عمرؓ کہلاتی ہے۔

بیت المقدس: اسے یروشلم بھی کہتے ہیں۔ اُمت مسلمہ کا قبلہ اول۔ یروشلم اور اس کی عبادت گاہ کی بنیاد حضرت داؤدؑ نے رکھی اور تکمیل حضرت سلیمانؑ نے کی۔ یہ اُن شہروں میں سے ایک ہے جنہیں نوع انسانی عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتی ہے' جس کا ذرہ ذرہ مقدس ہے۔ اکثر انبیائے کرام اسی شہر میں مبعوث ہوئے۔ یہ شہر مسلمانوں' عیسائیوں اور یہودیوں کے لئے یکساں مقدس ہے۔ پیغمبر آخرالزماں ﷺ ہجرت کے بعد صحابہ کرام کے ساتھ سترہ ماہ تک بیت المقدس ہی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ جب حضور ﷺ معراج کے لئے گئے تو یہی مقام آپ کی پہلی منزل بنا۔ اس مقام پر آپؐ نے انبیائے سابق کی امامت کرائی۔ یہاں حضرت داؤدؑ' حضرت سلیمانؑ اور کئی دوسرے انبیاء کے مقابر ہیں۔ اس پر فی الحال یہودیوں کا تسلط ہے۔ جبکہ یاسر عرفات کا مطالبہ ہے کہ آزاد فلسطینی ریاست کے قیام کی پہلی شرط یہ ہے کہ پورا بیت المقدس (یروشلم) اس ریاست کا دارالحکومت ہوگا' جو یہود کو کسی قیمت پر منظور نہیں۔

تنظیم آزادئ فلسطین (پی ایل او): فلسطین کی آزادی کی سیاسی تنظیم۔ اکتوبر ۱۹۷۴ء میں رباط میں منعقدہ عربوں کی کانفرنس میں اس تنظیم کو متفقہ طور پر فلسطینی باشندوں کی واحد نمائندہ تنظیم کے طور پر تسلیم کر لیا گیا۔ ۲۲ نومبر ۱۹۷۴ء کو اس کے سربراہ یاسر عرفات نے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی سے خطاب کیا۔ دریں اثناء دنیا کے ۱۰۷ ممالک نے اسے تسلیم کر لیا۔ ۱۹۷۶ء میں اسے عرب لیگ نے پورے رکن کی حیثیت دی۔ ۶ جون ۱۹۸۲ء کو لبنان پر اسرائیلی حملے سے اس تنظیم کو بڑا دھچکا لگا۔ اسرائیلی فوج کی زبردست گولہ باری نے پی ایل او کے سات ہزار سے زیادہ مجاہدین کو لبنان چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ انہوں نے شام' اردن اور عراق میں پناہ لی۔ یاسر عرفات ایک ہزار افراد کی معیت میں شام پہنچے۔ پھر انہوں نے تیونس میں اپنا صدر دفتر قائم کر لیا۔ یہ تنظیم دراصل فلسطین کے سیاسی اور مسلح گروپوں کی بالائی تنظیم ہے۔ اس کے سربراہ یاسر عرفات ہیں جن کا گروپ "الفتح" اس تنظیم میں شامل سب سے بڑا دھڑا ہے۔ الفتح کے اندر بھی مختلف چھوٹے چھوٹے گروپ ہیں جن میں سے تازہ ترین کا نام "تنظیم" ہے اور یہ نیم خود مختار ادارہ گلیوں اور سڑکوں میں لڑنے والے (سٹریٹ فائٹرز) نوجوانوں پر مشتمل ہے۔

ٹمپل ماؤنٹ: یہ یروشلم کے معبد ثانی (سیکنڈ ٹمپل) کے لئے اسرائیلی نام ہے جو اہلِ یہود کے لئے متبرک ترین مقام ہے۔ اب اس کی صرف مغربی دیوار' جو "دیوار گریہ" کے نام سے معروف ہے' باقی رہ گئی ہے' اور یہ مقام اب پوری طرح اس مسجد کے زیر سایہ آ گیا جسے عرب مسلمان حرم شریف کہتے ہیں۔ اس مقام پر یہودیوں کی تعمیر کردہ دوسری عبادت گاہ (ہیکل سلیمانی کی تعمیر نو) کو رومی افواج نے پہلی صدی عیسوی میں تباہ کر ڈالا تھا۔

جنگ رمضان: اسے مسلمان جنگ رمضان کہتے ہیں' کیونکہ یہ رمضان شریف میں لڑی گئی تھی' اور یہودی اسے جنگ یوم کپور کہتے ہیں' کیونکہ اس کا آغاز یوم کپور پر ہوا تھا۔ یوم کپور عبرانی زبان میں یوم کفارہ کا نام ہے جو یہودیوں کا سب سے مقدس دن ہے اور بڑے اہتمام اور رسوم کے ساتھ منایا جاتا ہے۔ ۱۹۷۳ء میں یوم کپور کے موقع پر مصر اور شام نے اسرائیل کے خلاف مشترکہ طور پر اچانک کارروائی کی۔ ابتدا میں ہزیمت اٹھانے کے بعد اسرائیلی فوج نے پے در پے کامیابیاں حاصل کرنا شروع کیں اور عربوں کے اس پرانے خواب کو حقیقت کا روپ دھارنے سے روک دیا کہ اسرائیل کو طاقت کے استعمال سے ختم کیا جا سکتا ہے۔

چھ روزہ جنگ: جون ۱۹۶۷ء میں اسرائیل نے بڑی کامیابی کے ساتھ ان عرب افواج کے خلاف پیش دستی کی جو اس کی سرحدوں پر جمع ہو رہی تھیں۔ چھ روز کے اندر اندر اسرائیل کی مسلح افواج کے اردن کے قبضے سے یروشلم اور مغربی کنارہ' شام سے جولان کی پہاڑیاں اور مصر سے غزہ کی پٹی اور صحرائے سینا چھین کر ان پر اپنا قبضہ مستحکم کر لیا۔ اس جنگ میں چھینے ہوئے علاقوں میں سے صرف صحرائے سینا ۱۹۷۸ء کے کیمپ ڈیوڈ معاہدے کے بعد مصر کو واپس کر دیا گیا۔ یہ چھ روزہ جنگ عرب دنیا میں "جون کی جنگ" کے نام سے معروف ہے اور عرب دانش وروں میں شدید اخلاقی و شناختی بحران کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔

حبرون: دیکھئے "الخلیل"۔

حطین: یہ وہی گاؤں ہے جس کے مشہور معرکے ۱۱۸۷ء میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے صلیبیوں کو ختم کر دیا تھا۔ سلطان نے یہاں ایک قطعہ اراضی پر اپنی تاریخی فتح کی یاد میں "قبۃ النصر" کے نام سے ایک یادگار برج تعمیر کیا تھا۔ اس کے قریب ایک گاؤں خیارہ میں حضرت شعیبؑ کی قبر بتائی جاتی ہے۔

حرم شریف: وہ مقدس مقامات جن کی بدولت بیت المقدس کا شہر مسلمانوں' عیسائیوں اور یہودیوں کی عقیدتوں کا مرکز ہے' ان میں سے اکثر و بیشتر شہر کی مشرقی پہاڑی موریہ پر ایک بڑے احاطے میں ہیں' جسے اہلِ اسلام حرم شریف کے نام سے پکارتے ہیں جو بیت المقدس کا مقدس ترین حصہ ہے۔ مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرہ بھی اسی حرم میں ہیں۔ حرم شریف میں جگہ جگہ بلند مقامات ہیں' جن کو مسلمان "محراب" کہتے ہیں' انہیں مقدس سمجھتے اور ان کے سامنے نوافل ادا کرتے ہیں۔

حماس: یہ اُن مسلح اور فوجی انداز کے اسلامی گروپوں میں سب سے بڑا ہے جو اسرائیلی ریاست کو نیست و نابود کر کے فلسطین میں اسلامی ریاست قائم کرنا چاہتے ہیں۔

حیفہ: فلسطین کا شہر جس کی آبادی دو لاکھ سے زیادہ ہے۔ جبل کرمل یہیں واقع ہے۔ اس کے نواح میں پٹرول کے ذخائر پائے جاتے ہیں۔ عراق سے تیل کی جو پائپ لائن آتی ہے اس کا آخری مقام حیفہ ہے۔

دیر یاسین: ایک گاؤں جو اس علاقے کی بیرونی حدود میں واقع تھا جسے اقوام متحدہ نے مستقبل کی یہودی ریاست میں شامل کرنا تجویز کیا تھا۔ یہ تل ابیب اور بیت المقدس کی درمیانی گزرگاہ میں بلندی پر واقع تھا۔ اس گاؤں میں سات سو پچاس فلسطینی آباد تھے۔ اس میں یہودی گوریلا دستوں کے ہاتھوں فلسطینی باشندوں کا قتل عام ایک ناقابلِ فراموش اور تکلیف دہ یاد ہے۔ اس گاؤں کی تباہی بیسویں صدی کی یہودی فلسطینی تاریخ کا ایک انتہائی غیر معمولی واقعہ ہے۔ محض اس وجہ سے نہیں کہ سفاکانہ بے رحمی کا یہ ہولناک مظاہرہ اتنے بڑے پیمانے پر کیا گیا تھا' بلکہ

حقیقت میں یہ ایک پیشگی انتباہ تھا' چار سو عرب دیہات اور شہروں کو منظم انداز میں غیر آباد کرنے اور وہاں سے سات لاکھ سے زیادہ فلسطینیوں کے اخراج اور دنیا کے دوسرے خطوں میں آباد دیگر یہودیوں کو یہاں لا کر فلسطینیوں کی جگہ آباد کیا جا سکے۔

دیوار گریہ : حرم شریف کی مغربی دیوار میں پچاس فٹ کے ایک ٹکڑے کے بارے میں یہودیوں کا دعویٰ ہے کہ یہ ہیکل سلیمانی کے باقیات میں سے ہے۔ چنانچہ وہ اس مقام پر آتے اور گریہ و بکا کرتے ہیں۔ اسی نسبت سے اس کا نام دیوارِ گریہ پڑ گیا ہے۔ مسلمان اس کو "البراق" کہتے ہیں' کیونکہ شبِ معراج رسولِ کریم ﷺ اسی جگہ براق سے اترے اور براق کو باندھا اور مسجد میں تشریف لے گئے۔ اکثر ماہرین آثارِ قدیمہ کی رائے میں موجودہ دیوارِ گریہ حضرت سلیمانؑ کے ہیکل کی دیوار نہیں' بلکہ یہ اُس عمارت کے باقی ماندہ آثار ہیں جسے ہیرود نے تعمیر کرایا اور ۷۰ عیسوی میں رومیوں نے یروشلم کے ساتھ ہی پیوندِ زمین کر دیا تھا۔

رملہ (Ramallah) : القدس کے مغرب میں' یعنی مغربی کنارے کا ایک اہم قصبہ' جہاں یاسر عرفات نے آزاد فلسطین قائم ہونے تک اپنا ہیڈ کوارٹر بنا رکھا ہے۔ "رام اللہ" القدس کے شمال میں ایک اور شہر ہے' جس کا ہندی لفظ "رام" سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ عربی میں رام کا مطلب قصد کرنا' طلب کرنا اور بلندی کے ہیں' جبکہ رملہ کے معنی باریک ریت کے ہیں۔

صہیون (Zion): بیت المقدس کی ایک پہاڑی جس پر حضرت داؤدؑ نے یروشلم فتح کرنے کے بعد "جشنِ فتح" منایا تھا۔ چنانچہ یہودی اسی نسبت سے صہیون کو مقدس سمجھتے ہیں اور یروشلم کو "دخترِ صہیون" کہتے ہیں۔ اسی سے صیہونیت کی تحریک چلی ہے جس کا مقصد کھوئی ہوئی ریاست صیہون و یروشلم کو دوبارہ حاصل کرنا اور ہیکل سلیمانی کی از سرِ نو تعمیر ہے۔

غزہ پٹی : بحیرۂ روم کے ساحل پر واقع گنجان آبادی والے رقبے کی ایک قاش جو ۱۹۶۷ء کی جنگ میں اسرائیل نے مصر سے چھین لی۔ اب اس علاقے میں تقریباً دس لاکھ سے زیادہ آبادی ہے جس میں کوئی چھ سات ہزار یہودی آباد کار بھی شامل ہیں جو تقریباً ۳۰ فیصد رقبے پر قابض ہیں۔ غزہ ایک شہر ہے جہاں رسولِ کریم ﷺ کے پردادا حضرت ہاشم بن عبد مناف کی قبر ہے۔ یہی قصبہ امام محمد ابن ادریس شافعی کی ولادت گاہ ہے۔

قبة الصخرہ : صخرہ کے معنی چٹان کے ہیں۔ یہاں سے رسولِ کریم ﷺ براق پر سوار ہو کر معراج کی شب آسمانوں پر تشریف لے گئے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے یہاں ایک مسجد تعمیر کیے جانے کا حکم دیا' جسے ۶۹ ہجری میں خلیفہ عبدالمالک نے از سرِ نو تعمیر کرایا' اور یہی مسجد اقصیٰ کہلائی۔

کیمپ ڈیوڈ : واشنگٹن کے نزدیک یہ امریکی صدر کی سرکاری تفریح آرام گاہ ہے۔ اور اسے بین الاقوامی ذرائع ابلاغ میں توجہ اس لئے حاصل ہوئی کہ یہاں مشرقِ وسطیٰ کے مذاکرات کے کئی دور چلے۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور ۱۹۷۸ء کا معاہدہ ہے جو امریکہ کے صدر جمی کارٹر نے اسرائیل اور مصر کے درمیان کرایا تھا۔ بعد ازاں کیمپ ڈیوڈ میں وہ ناکام مذاکرات ہوئے جن میں صدر کلنٹن نے اُسی سابقہ انداز میں اسرائیل اور فلسطین کے درمیان تصفیہ کرانا چاہا تھا۔

فلسطینی قومی اتھارٹی : فلسطین کی عبوری حکومت جس کے سربراہ یاسر عرفات ہیں۔ حکومتِ اسرائیل لفظ "قومی" کا استعمال نہیں کرتی' اس لئے کہ اُس نے آزاد فلسطینی ریاست کے قیام کو تسلیم نہیں کیا ہے' اس لئے وہ PNA کی بجائے اتھارٹی کو صرف PA کہتے ہیں۔

مسجد اقصیٰ : مسلمانوں کا قبلہ اول' بیت المقدس کی ایک تاریخی مسجد' یہ مسلمانوں کے علاوہ یہودیوں اور عیسائیوں کے لئے بھی مقدس ہے۔ اس کا ذکر سورۂ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں بھی آیا ہے' جس کا ترجمہ یہ ہے: "پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو رات کے ایک حصے میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی سیر کرائی"۔ رسولِ کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: "صرف تین مسجدوں کی زیارت کے لئے رختِ سفر باندھنا چاہئے یعنی مسجد حرام' مسجد اقصیٰ اور مسجد نبوی"۔

جون ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ میں اسرائیل نے اردن کے حصے کے شہر بیت المقدس پر غاصبانہ قبضہ کر لیا اور اس طرح مسلمانوں کا قبلۂ اوّل بھی اسرائیل کی عمل داری میں چلا گیا۔ اسرائیل کی اس جارحانہ کارروائی کے خلاف دنیائے اسلام اور امن پسند قوموں نے صدائے احتجاج بلند کی۔ لیکن ابھی مسلمانوں کی جانب سے اسرائیل کی مذمت کا سلسلہ جاری تھا کہ ۲۱ اگست ۱۹۶۹ء کو ایک عیسائی باشندے مائیکل روہن نے مسلمانوں کی اس انتہائی مقدس مسجد کو نذرِ آتش کر دیا۔ شمعِ رسالت ﷺ کے پروانوں نے آگ پر قابو پانے کی بڑی کوشش کی' لیکن یہودیوں کی سوچی سمجھی سازش کے تحت فوراً اپنی فوج طلب کر لی۔ اسرائیلی فوج نے یہاں پہنچتے ہی تین تین سو فٹ بلند شعلوں سے لڑنے والے مسلمانوں پر اندھا دھند فائرنگ کر دی۔ مسلمان نوجوانوں نے اپنی جان پر کھیل کر چاندی کے بڑے گنبد کو تباہ ہونے سے بچا لیا۔ اگر یہودی درندے مزاحمت نہ کرتے تو تبرکات کو بھی بچا لیا جاتا۔ آتش زدگی سے مسجد کے جنوبی حصے کو مکمل طور پر نقصان پہنچا۔ اسرائیلی حکومت مسجد الاقصیٰ کو ہیکل سلیمانی میں تبدیل کرنا چاہتی ہے اور اس ضمن میں وہ متعدد بار مسجد اقصیٰ کی بے حرمتی کی مرتکب بھی ہوئی ہے۔

مغربی کنارہ : دریائے اردن کے مغرب میں واقع وہ قطعۂ زمین جو اسرائیل نے ۱۹۶۷ء کی جنگ میں اردن سے چھین لیا۔ یہ علاقہ پہلے برطانوی مقبوضہ فلسطین کا حصہ تھا جس کو ۱۹۵۰ء میں اردن اس وقت اپنے زیرنگیں لے آیا تھا جب اسرائیل کے قیام کے اعلان کے بعد چھڑنے والی جنگ میں عرب مشترکہ افواج کو شکست اٹھانا پڑی تھی۔ اب یہ "فلسطینی قومی اتھارٹی" میں شامل ہے۔

مقبوضہ علاقے : ۱۹۶۷ء کی چھ روزہ جنگ میں اسرائیل نے اردن سے مغربی کنارہ اور مصر سے غزہ پٹی کو چھین کر ان پر قبضہ کر لیا۔ اسی دوران میں مشرقی یروشلم' جس میں پرانا شہر بھی شامل ہے' اسرائیل کے قبضے میں آ گیا۔ ان علاقوں کی واپسی کا مطالبہ برابر کیا جاتا رہا ہے' مگر اسرائیل نے ان پر اپنا غیر قانونی اقتدار مستحکم کر رکھا ہے۔

واپسی کا حق : ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کے قیام کے بعد تقریباً چالیس لاکھ فلسطینی اپنے گھروں کو چھوڑ کر چلے جانے پر مجبور ہو گئے۔ ان پناہ گزینوں اور ان کی آل اولاد کا اپنے اصل گھروں کو واپسی کا حق فلسطینیوں کی طرف سے ایک بنیادی مطالبہ رہا ہے' مگر اسرائیل نہ صرف اس حق کو تسلیم نہیں کرتا' بلکہ یہودیوں کو بھی ایک اور طرح کا "واپسی کا حق" دینے پر مصر ہے کہ دنیا کے کسی بھی گوشے سے یہودی آ کر فلسطین میں آباد ہو سکتے ہیں' گویا اس سرزمین پر واپسی یہود کا موروثی حق ہے۔

بقیہ: جمہوریت' اشتراکیت اور یہودی

(صفحہ ۳۹ سے آگے)

کا تازہ ترین جرم یہ اشتراکی تحریک ہے جسے یہودی دماغ نے اختراع کیا اور یہودی رہنمائی ہی نے اسے پروان چڑھایا۔ ان نام نہاد اہل کتاب کے نصیب میں یہ جرم بھی مقدر تھا کہ دنیا کی تاریخ میں پہلی مرتبہ جو نظامِ زندگی اور نظامِ حکومت خدا کے صریح انکار پر' خدا سے کھلم کھلا دشمنی پر' خدا پرستی کو مٹا دینے کے علی الاعلان عزم و ارادہ پر تعمیر کیا گیا' اس کے موجد مخترع اور بانی و سربراہ حضرت موسیٰؑ کے نام لیوا ہوں۔

تنظیم اسلامی کا پیغام
نظام خلافت کا قیام

انتظار — سحر کا

— قاضی عبدالقادر —

فلسطین — ارضِ فلسطین — !
انبیاء کی سرزمین
صلحاء و امت کا مدفن
درخشندہ روایات کی امین
معراج میں برّاق نے — تجھ پہ رکھا پہلا قدم
سفرِ معراج کی — تو ابتداء اور انتہا
تیری سرزمین سے گزرے تھے، وہ شاہِ اُممؐ
تیری سرزمین پر
سب انبیاءؑ تھے مقتدی
اور امام تھے میرے نبیؐ
ملتِ بیضاء کی ہاں تُو رہی زیرنگیں
سالہا سال تک — برسہا برس تلک
ہیں گواہ ارض و فلک
قبلۂ اوّل تھی تو — اے مقدس سرزمیں!
مگر اب! — اے فلسطین آہ — !!
تو ہے اب زیرعتاب قوم یہود کے
غاصبوں، صیہونیوں، افرنگیوں ہنود کے
چھین لی تجھ سے تری رنگیں قبا
اغیار کی سازشوں نے
اپنوں کی حماقتوں نے
نوچ ڈالی تیری مقدس عبا
اب ہے تو زیرنگیں اک عرصۂ دراز سے
ان کے جو مغضوب علیہم ٹھہرے
جن پر ربّ کی پھٹکار پڑی
جن کا روئے ارض پر کوئی ٹھکانہ بن نہ سکا
پھر رہے تھے در بدر
تو ان کے زیرنگیں ہے اب عرصۂ دراز سے
الحذر الحذر — الاماں الحذر
ہاں اے ارضِ فلسطین دیکھ
تیرے جیالے — تیرے متوالے
خاموش کبھی بیٹھا نہیں جن کا جنوں
تیری سرزمین پر
تیری حرمت کے لئے — تیری عزت کے لئے
پنجہ لڑاتے رہے پنجۂ یہود سے
اپنے ابلتے لہو سے — اپنے گرم گرم خون سے
ارض مقدس کو شاداب کرتے رہے
تیری کھیتی کو سیراب کرتے رہے
ارے — دیکھو تو سہی
اے دیدۂ بینا رکھنے والو
یہ صرف سولہ سال کا معصوم بچہ
چمن ملت کا ایک حسین غنچہ
یہود کے ظلم سے کراہ کراہ کر
ایماں کی پونجی بچا بچا کر
دیکھو تو اسے — !!
وہ ہاتھ میں کاسۂ سر لے کر
سینے پر بموں کو باندھ کر
کود پڑا ہے بے خطر
قومِ یہود پر — جہنم رسید کر
یوں جان کو نچھاور کر دیا
جان جو دی ہوئی خدا کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا کر دیا
اپنے رب کی راہ میں — وہ سکون پا گیا
— ابدی سکون پا گیا
تاریخ میں رقم کر گیا ایک اور تابندہ باب
شہادت کا، حمیت کا، شجاعت کا
اور پیغام یہ دے گیا،
شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے
آ رہی ہے کچھ صدا — اقصیٰ کے میناروں سے
اٹھو — میری ملت کے جوانو اٹھو
دین حق کے دیوانو — اٹھو
ادائے فرض کے لئے فرزانو — اٹھو
برپا ہے معرکہ خیر و شر
البدر — البدر — البدر
حصہ اپنا ادا کرو
اپنے وقت کا — اپنے مال کا
اپنی جان کا — اپنے منال کا
خون دل سے دیئے جلاتے رہو
کہ ستم کی برسات تھمے
کہ ظلم کی رات کٹے
القدس — القدس پیارے!
میری ملت کے راج دلارے
غم نہ کر اے مسجد اقصیٰ —
رنج نہ کر اے گنبد صخرا
تیرے دیوانے، تیرے جانباز چلے آتے ہیں
افق سے مل رہا ہے یہ پتہ
کہ نصرت الٰہی قریب ہے
بختِ نصر کے لشکر جرار کی قسم
صلاح الدین ایوبیؒ کی تلوار کی قسم
فاروقِ اعظمؓ کے اونٹ کی مہار کی قسم
مسجد اقصیٰ کے بلند مینار کی قسم
فاتح ہوں گے تیرے مجاہد
ان شاءاللہ — ان شاءاللہ
کامیاب رہے گی انتفاضہ مہم
ان شاءاللہ — ان شاءاللہ
بس دیکھ ذرا — !
وہ ظلمتِ شب کے روزن سے
پھوٹی ہے اک ننھی سی کرن
جھانک رہی ہے نئی سحر — ہاں نئی سحر
وہ سحر — !
جس کا انتظار تھا — جس کا انتظار ہے